رائل ہیروز آف اسلام

یعنی

نامورانِ فرمارو ایانِ اسلام

کا

پہلا اور دوسرا حصّہ

المامون

اس کتاب کے دو حصے ہیں پہلے حصے میں بہ تمہید ترتیب خلافت مامون الرشید کی ولادت تعلیم و تربیت۔ ولیعہدی تخت نشینی۔ خانہ جنگیاں فتوحات ملکی اور وفات کے حالات ہیں دوسرے حصہ میں اُن مراتب کی تفصیل جنسے اُس عہد کے ملکی حالات اور مامون الرشید کے تمام اخلاق و عادات کا اندازہ ہوسکتا ہو نیز اُن تمام کارناموں کی تفصیل ہے جنکی وجہ سے مامون الرشید کا عہد عموماً شاہانِ عالم کے عہد سے علمی حیثیت میں ممتاز تسلیم کیا گیا ہے

مؤلفہٗ

جناب شمس العلما مولانا شبلی نعمانی پروفیسر مدرستہ العلوم علیگڈھ و فیلو یونیورسٹی الہ آباد

حسب فرمائش شیخ نذیر حسین تاجر کتب مالک رحمانی پریس دہلی

رحمانی پریس دہلی میں چھپا

قیمت عہ

دو ایک ہزار

فہرست کتب

نام کتاب | نام کتاب | نام کتاب | نام کتاب

حضرت خواجہ حسن نظامی کی تصانیف

بیوی کی تعلیم۔ عورتوں کی
تعلیم کے لئے تمام ضروری
باتوں کا سبقاً سبقاً بیان نہایت
مفید نہایت دلچسپ اور
عام فہم قیمت غیر مجلد عہ/
بیوی کی تربیت یہ
بیوی کی تعلیم کا دوسرا حصہ
ہے جو حال ہی میں چھپا ہے
قیمت فی جلد قسم اول ؏ہر
قسم دوم علاوہ محصول عہ/
فلسفہ شہادت اس میں
حضرت امام حسین علیہ السلام
کی شہادت پر فلسفیانہ بحث
کی گئی ہے قیمت ار
میلاد نامہ نئے رنگ کا
قابل دید مستانہ مولود شریف
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم کے مقدس حالات
اور پاک و پاکیزہ اخلاق
کا پاک و پاکیزہ بیان قیمت عہ/
محرم نامہ خلافت کے
جھگڑوں کا مفصل بیان

جنگ جمل و صفین کی پوری
کیفیت شہادت امام حسین
کا معتبر اور دردانگیز نظارہ عہ/
یزید نامہ معرکہ کربلا کے
بعد کے واقعات حجاج بن عہ/
یوسف کے مظالم کی تفصیل
اہلبیت کی بربادی عجیب
وغریب کتاب قیمت ؏ہر
سی پارہ دل۔ مصور ؏ہر
فطرت حضرت مولانا خواجہ عہ/
حسن نظامی کے ادبی اور
مذہبی قابل دید مضامین
کا مجموعہ قیمت ؏ہر
آپ بیتی حضرت خواجہ ار
صاحب کی خود نوشت نہایت
دلچسپ اور قابل دید سوانح
عمری قیمت ؏ہر
جگ بیتی درد وغم سے پر سوز
اور عبرت خیز مضامین الم
انگیز قصوں کا درد بھرا ہوا عہ/
مجموعہ قیمت ۱۰/
طمانچہ بر رخسار یزید اس میں

اشرار بنی امیہ کی خفیہ اور
خطرناک سازشوں اور
بدچلنیوں کے حالات کو
بے نقاب کیا گیا ہے نہایت
دلچسپ قیمت عہ/
فاطمی دعوت اسلام
ان دلچسپ دلکش اور حیرت
انگیز اور مخفی طریقوں کا بیان
جو اسلام کے مختلف فرقوں
خصوصاً بنی فاطمہ نے اشاعت ؏ہر
اسلام کے لئے اختیار کئے
سفر نامہ مصر و شام و حجاز
حضرت خواجہ صاحب کے
سفر بلاد اسلامیہ کے عجیب
وغریب حالات باتصویر ؏ہر
نہایت دلچسپ اور پر لطف
کتاب ہے قیمت ؏ہر
کرشن بیتی۔ ہندوؤں کے
مشہور اوتار سری کرشن ؏ہر
جی مہاراج کی قابل دید سوانح
عمری خواجہ صاحب کے قلم سے ؏ہر
گیارہویں نامہ۔ گیارہویں
شریف کی محفلوں میں پڑھنے ۱۰/
سے لئے خواجہ صاحب کی

نادر اور عجیب کتاب ۱۲/
اردو دعائیں ہر موقع
اور ہر محل کے لئے موثر اور
مناسب دعاؤں کا مجموعہ
جو خاص اوقات میں مرتب عہ/
ہوا ہے قیمت ۸/
بچوں کی کہانیاں
بچوں کے بہلانے کے لئے
نہایت دلچسپ اور سبق آموز
کہانیوں کا دلکش اور بامحاورہ
مجموعہ قیمت فی جلد ۱۰/
تسخیر مہر و قہر اعمال حزب
البحر کے متعلق حضرت خواجہ
صاحب کی نہایت مقبول
اور مشہور کتاب ہر شخص
کے لئے مفید ۱۰/
معلومات سیر دہلی ؏ہر
جو حضرات غیر مقامات سے
دہلی آتے ہیں یا گھر بیٹھے
دہلی کی سیر کرنی چاہتے ہیں
ضرور منگائیں قیمت ۱۲/
تسکین احساس تصوف
کے ابتدائی اصول و قواعد اور
اذکار و اشغال کی تعلیم ہے

مشتہر نذر حسین، مالک، مطبع رحمانی، دہلی بازار، ...

رائل ہیروز آف اسلام

یعنی

نامور فرمانروایان اسلام

کا

پہلا اور دوسرا حصہ

المامون

اس کتاب کے دو حصے ہیں پہلے حصے میں تمہید۔ ترتیب۔ خلافت۔ مامون الرشید کی ولادت تعلیم و تربیت۔ ولیعہدی۔ تخت نشینی۔ خانہ جنگیاں۔ فتوحات ملکی اور وفات کے حالات ہیں دوسرے حصے میں ان مراتب کی تفصیل ہے جن سے اس عہد کے ملکی حالات اور مامون الرشید کے تمام اخلاق و عادات کا اندازہ ہو سکتا ہے نیز ان تمام کارناموں کی تفصیل ہے جنکی وجہ سے مامون الرشید کا عموماً شاہان عالم کے عہد سے علمی حیثیت میں ممتاز تسلیم کیا گیا ہے

مرتبہ شبلی نعمانی

[illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

زمانہ کے انقلاب سے مسلمانوں کی قومی خاصیتیں گو بہت کچھ بدل گئیں اور بدلتی جاتی ہیں۔ تاہم اپنی قومی تاریخ کے ساتھ جو دلچسپی اور شغف اُن کو پہلے تھا۔ اب بھی ہے جس طرح قومی روایتوں کے محفوظ رکھنے میں وہ ہمیشہ نامور رہے ہیں۔ آج بھی گذشتہ تاریخ کی طرف اُن کو وہ جوش التفات ہے کہ اس سے زیادہ نہیں ہوسکتا۔ فرق ہے تو یہ ہے کہ اب سے سو برس پہلے جو زبانیں ہماری ملکی اور قومی زبانیں تھیں اُن میں زمانہ کے امتداد اور اسلامی حوصلہ مندیوں نے قومی تاریخ کے بے انتہا ذخیرے مہیا کر دئے تھے جسکا یہ اثر تھا کہ افسانوں کی طرح یہ روایتیں عام لوگوں میں پھیل گئی تھیں اور قصہ طلب حوالے اس کثرت سے ان زبانوں میں داخل ہوگئے تھے کہ ہمارے لٹریچر کا ہر جملہ۔ گویا قومی تاریخ کا ایک مختصر سا متن تھا لیکن آج جو زبان (اردو) ہماری عام ضرورتوں کی کفیل ہے اسکے خزانے میں قومی تاریخ کا جسقدر سرمایہ ہے ضرورت سے بہت کم ہے ہندوستان کی بہت سی تاریخیں لکھی گئیں اور مغلیہ و تیموریہ کے کارنامے بڑی آب و تاب سے دکھلائے گئے لیکن یہ ظاہر ہے کہ ہندوستان کی مجموعی تاریخ بھی ہماری قومی تاریخ کا ایک بہت چھوٹا حصہ ہے اسلام کو تیرہ سو برس سے کچھ اوپر ہوئے اس وسیع مدت میں اسکی فتوحات کہاں کہاں پہونچیں کس کسکو اسنے تاج و تخت دیا کتنی سلطنتیں قائم کیں۔ کبھی بنوامیہ کو عروج ہوا کبھی عباسیہ کا ستارہ چمکا۔ آج دیلم نے تاج حکومت سر پر رکھا۔ کل سلجوقی کا علم اقبال بلند ہوا۔ کبھی ایوبیہ نے روم و شام کے دفتر الٹ دئے۔ کبھی طلیطین اٹھے اور یوروپ کو پامال کر آئے۔ اگرچہ یہ خاندان مختلف ملک اور مختلف نسل سے تھے لیکن اسلامی اتحاد نے ان سب کو ایک قوم کہکر پکارا اور انہیں کے رزم و بزم کے کارنامے ہماری قومی تاریخ بن گئے جسکو اُردو زبان میں ہم ڈہونڈہنا چاہیں تو کہاں ڈہونڈیں۔

اُردو زبان کی یہ کم مائگی کچھ محل تعجب بھی نہیں۔ اُردو اگرچہ دیکھتے دیکھتے ترقی کے بہت زینے طے کر گئی اور قریب ہے کہ وہ ایک علمی زبان کے رتبہ تک پہونچ جائے لیکن علمار کا گروہ جو عربی زبان اور عربی تصنیفات کا مالک تھا۔ اور اس وجہ سے تاریخی ذخیرے بھی گویا خاص اسی کے قبضۂ اختیار میں تھے۔ اس کی طرف مطلقاً ملتفت نہ ہوا تصنیف و تالیف تو ایک طرف ہمارے علمار اس زبان میں خط و کتابت کرنا بھی عار سمجھا کئے حقیقت یہ ہے کہ اُردو کچھ اس تیزی سے پڑھی کہ بہت سے لوٹے اور خصوصاً یہ سادہ مزاج گروہ اس کی رفتار ترقی کا اندازہ

بہی نہ کر سکا چونکہ تو اُس وقت جب وہ (اُردو) ملک کی انشا پردازی اور عام تصلیفات پر پورے اقتدار کے ساتھ قابض ہو چکی تھی اور میرا تو خیال ہے کہ اُن میں بہت سے اب تک وہی صحرائے عرب اور بہارستان فارس کا خواب دیکھ رہے ہیں۔ موجودہ نسلیں جنہوں نے حال کی آب و ہوا میں پرورش پائی۔ البتہ اُردو کا حق سمجھتے ہیں اور اُن کی دلی خواہش ہے کہ اپنی ملکی زبان کو ترقی کے اعلےٰ رتبہ پر پہنچائیں۔ اسی کا اثر ہے کہ ملک میں اردو انشار پردازی کا ایک عام جوش پھیل گیا ہے اور ہر طرف سے نئی تصنیفات کی صدائیں آرہی ہیں لیکن چونکہ زمانہ کی پُرپیچ ضرورتوں نے اس نئے گروہ کو بہت کم موقع دیا کہ عربی زبان پر دسترس پا سکے۔ اس لئے عربی تصنیفات سے وہ فائدہ نہ اُٹھا سکا اور قومی تاریخ کے اصلی خزانے اس کی آنکھوں سے چھپے رہ گئے۔ مجبورانہ پر زور۔ ایجاد پسند طبیعتیں جو کسی طرح نچلی نہ بیٹھ سکتی تھیں تذکروں۔ اور ناولوں پر جھکیں جس سے اتنا ضرور ہوا کہ اردو کی وسعت کا ایک قدم اور آگے بڑھا لیکن افسوس اور عبرت کی جگہ ہے کہ زبانِ عربی اور فارسی کو ہٹا کر ہماری ملکی اور قومی زبان بنی۔ وہ اسی خاصہ سے محروم رہ گئی۔ جو قائم مقامی کی حیثیت سے اُس کا واقعی حق تہا۔ یہی ایک چیز ہے جو قومی فیلنگ اور قومی خوشی کو زندہ رکھ سکتی ہے۔ اور اگر یہ نہیں تو قوم قوم نہیں۔

انہیں خیالات کی بنا پر ایک مدت سے میرا ارادہ تہا کہ اسلامی حکومتوں کی ایک نہایت مفصل اور مبسوط تاریخ لکھوں لیکن مشکل یہ تھی کہ نہ میں تمام خاندانوں کا استقصار کر سکتا تہا نہ کسی خاص سلسلے کے انتخاب کی مجھ کو کوئی وجہ مرجح ملتی تھی۔ آخر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ رائل ہیروز آف اسلام (یعنی نامور فرمانروایان اسلام) کا ایک سلسلہ لکھوں جس کا طریقہ یہ ہوا کہ اسلام میں آجتک خلافت و سلطنت کے جتنے سلسلے قائم ہوئے ہیں اُن میں سے صرف وہ نامور انتخاب کر لیے جائیں جو اپنے طبقہ میں عظمت حکومت کے اعتبار اپنا ہمسر نہ رکھتے تہے اور انکے حالات اس ترتیب اور جامعیت سے لکھے جائیں کہ تاریخ کے ساتھ لائف کا مذاق بہی موجود ہو۔ جن خاندانوں کو میں نے اس غرض کے لیے انتخاب کیا ہے اُنکے نام یہ ہیں۔

خاندان یا سلسلہ	ہیرو یعنے وہ نامور جو اپنے خاندان یا سلسلہ میں سب سے ممتاز ہے۔
خلفائے راشدین	حضرت عمر رض خلیفہ دوم
بنو امیہ	ولید بن عبد الملک
عباسیہ	مامون الرشید

بنوامیہ اندلس	عبدالرحمن ناصر
بنوحمدان	سیف الدولہ
سلجوقیہ	ملک شاہ
نوریہ	نورالدین محمود زنگی
ایوبیہ	سلطان صلاح الدین فاتح بیت المقدس
موحدین اندلس	یعقوب بن یوسف
ترکان روم	سلیمان اعظم

ان خاندانوں کے سوا اور بھی بہت سے اسلامی خاندان ہیں جو تاج و تخت کے مالک ہوئے مگر میں نے انکو دانستہ چھوڑ دیا ہے۔ ان میں سے بعضوں کے متعلق (مثلاً غزنویہ) (مغلیہ تیموریہ) تو اسوقت ہماری زبان میں متعدد تصنیفیں موجود ہیں بعض ایسے ہیں کہ شان حکومت یا وسعت سلطنت کے اعتبار سے انکو یہ رتبہ حاصل نہیں کہ ہیروز کے معزز دربار میں انکے لئے جگہ خالی کیجائے۔

یہ حصہ جو میں قوم کے سامنے پیش کر رہا ہوں مامون الرشید عباسی کی تاریخ ہے اور اسی مناسبت سے اسکا نام المامون ہے اس بات کا مجکو بھی افسوس ہے کہ چند مجبوریوں کی وجہ سے اس سلسلہ میں ترتیب کی پابندی نہ کر سکا۔ اور خلفائے راشدین و بنوامیہ کو چھوڑ کر پہلے اُس خاندان کو لیا جو ترتیباً تیسرے نمبر پر تھا آیندہ بھی شاید میں ترتیب کی پابندی نہ کر سکوں لیکن یہ قطعی ارادہ ہو کہ اگر زمانہ نے مساعدت اور عمر نے وفا کی تو اس سلسلے کے کل حصے جسطرح ہو سکیگا پورے کرونگا۔

مامون الرشید کے تاریخی حالات کے متعلق عربی میں جسقدر مشہور اور مستند تاریخیں ہیں خوش قسمتی سے اکثر اس حصہ کی ترتیب کے وقت میرے استعمال میں ہیں لیکن میں علانیہ اعتراف کرتا ہوں کہ موجودہ زمانہ میں تاریخ کا فن جس پایہ پر پہونچ گیا ہے اور یورپ کی دقیقہ سنجی نے اسکے اصول و فروع پر جو فلسفیانہ نکتے اضافہ کئے ہیں اسکے اعتبار سے ہماری قدیم تصنیفات ہمارے مقصد کے لئے بالکل کافی نہیں۔

تاریخ کبیر ابوجعفر جریر طبری[1]۔ مروج الذہب مسعودی۔ کامل ابن الاثیر جزری[2]۔ ابن خلدون۔ ابوالفدا

---

[1] یہ نہایت مستند اور ضخیم تاریخ ہے ابن اثیر و ابن خلدون و ابوالفدا کا اصلی ماخذ یہی کتاب ہے سترہ جلدوں میں بمقام ہالینڈ نہایت اہتمام سے چھاپی گئی ہے اور ہنوز ناتمام ہے ۱۲

[2] تاریخ کامل دس جلد میں مصر کے حاشیہ پر چھپی ہے اور نہایت مشہور اور مفید تاریخ ہے ۱۲

دول الاسلام ذہبی۔ تاریخ الخلفا سیوطی۔ عیون والحدائق۔ اخبار الدول قرمانی۔ تاریخ ابن واضح کاتب عباسی۔ فتوح البلدان۔ بلاذری[1]۔ معارف ابن قتیبہ۔ اعلام الاعلام۔ النجوم الزاہرۃ۔ یہ وہ مبسوط اور مستند تاریخیں ہیں جو اسلامی تاریخوں میں ممتاز خیال کی جاتی ہیں۔ اور دولت عباسیہ یا خاص مامون الرشید کے حالات سے آگاہی کا ذریعہ ان سے بڑھکر اور کیا ہو سکتا ہے لیکن ان تمام تاریخوں کو پڑھکر اگر یہ معلوم کرنا چاہو کہ فلاں عہد میں طریق تمدن اور طرز معاشرت کیا تھا۔ حکومت اور فصل مقدمات کے کیا آئین تھے۔ خراج ملک کیا تھا۔ فوجی قوت کسقدر تھی۔ ملکی عہدے کیا کیا تھے۔ تو ان باتوں میں سے ایک کا پتہ لگنا بھی مشکل ہوگا۔ خود فرمانروائے وقت کے طور و طریقے اور عام اخلاق و عادات کا اندازہ کرنا چاہو تو وہ جزئی حالات اور مفصل تفصیلیں نہ ملینگی جن سے اسکی اخلاقی تصویر ایک بار آنکھوں کے سامنے پھر جائے جن واقعات کو بہت بڑھا کر لکھا ہے اور ہزاروں صفحے اس کی نذر کر دئے ہیں۔ وہ صرف تخت نشینی۔ خانہ جنگیاں۔ فتوحات ملکی۔ اندرونی بغاوتیں عمال کے عزل و نصب کے حالات ہیں۔ یہ واقعات بھی کچھ ایسے عامیانہ طریقے پر جمع کر دئے ہیں نہ اُنکی اسباب و علل کا مرتب سلسلہ معلوم ہوتا ہے۔ نہ اُنسے کسی قسم کے دقیق تاریخی نتیجے مستنبط ہو سکتے ہیں۔

مثلاً اسی مامون الرشید کے عہد میں بہت سی بغاوتیں ہوئیں ان کے متعلق جس تاریخ کو اٹھاؤ نہایت تفصیلی حالات ملیں گے لیکن اگر یہ تحقیق کرنا چاہو کس قسم کے اندرونی واقعات نے ان بغاوتوں کو پیدا کیا تھا۔ اور ان کے نشو و نما کی وہ ابتدائی اور تدریجی رفتار جس پر عوام تو کیا خواص کی نگاہیں بھی نہ اٹھیں کب شروع ہو چکی تھی۔ تو یہ تاریخی دفتر بہت کم مدد دیں گے اور تم کو تمامتر اپنے اجتہاد سے کام لینا پڑے گا۔ تاریخ عالم کا ہر واقعہ بہت سے مختلف واقعات کے سلسلے میں بندھا ہے انہیں رشتہ ہائے دراز کا پتہ لگانا اور ان سے فلسفیانہ نکتہ سنجی کے ساتھ تاریخی نتائج کا استنباط کرنا ہی چیز ہے۔ جو علم تاریخ کی جان اور روح ہے اور یورپ کو اس فن کے متعلق جس اختراع و ایجاد پر زیادہ تر ناز ہے وہ اسی طلسم کی پردہ کشائی ہے اس سے میرا یہ مقصد نہیں کہ اگلے مصنفوں کی کوشش پر نکتہ چینی کروں ان لوگوں نے جو کچھ کیا ہے موجودہ اور آیندہ نسلیں ہمیشہ اُسکی ممنون رہیں گی۔ لیکن زمانہ کا ہر قدم آگے ہے کون کہہ سکتا ہے کہ ترقی کی جو حد کل مقرر ہو چکی تھی آج بھی قائم رہے گی۔

اسکے علاوہ یہ ایک بدیہی بات ہے کہ ہر زمانہ کا مذاق مختلف ہے۔ جن باتوں کو قدما نے اس خیال سے

---

[1] بلاذری نہایت قدیم مورخ ہے خلیفہ متوکل باللہ عباسی المتوفی ۲۴۷ھ کے عہد میں موجود تھا اسکی تاریخ جرمن میں چھپی ہے۔

نظر انداز کر دیا کہ یہ جزئی اور عام معمولی باتیں تصنیف کی متانت کے شایاں نہیں۔ آج انہیں کی تلاش ہے کہ اُس عہد کی عام معاشرت اور طرز زندگی کا اُن سے اندازہ کیا جائے اسی ضرورت سے میں نے اس کتاب کے دو حصے کئے پہلے حصے میں وہی معمولی واقعات ہیں جو عموماً تاریخوں میں مل سکتے ہیں یعنی مامون کی ولادت۔ ولیعہدی۔ تخت نشینی۔ خانہ جنگیاں۔ بغاوتیں۔ فتوحات ملکی۔ وفات۔

دوسرے حصے میں اُن مراتب کی تفصیل ہے جن سے مامون کے پولٹیکل انتظامات اور سوشیل حالات کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے اگرچہ اس خاص حصہ کی ترتیب کے وقت واقعات کی تلاش و جستجو میں میں خاص تاریخی تصنیفات کا پابند نہ تھا۔ تراجم طبقات۔ مقامی جغرافیے۔ سفرنامے نقشجات۔ غرض جہاں سے جو بات ملی اخذ کی تاہم اس بات کی سخت احتیاط کی کہ جو کچھ لکھا جائے نہایت صحیح اور مستند تاریخی روایتوں سے لکھا جائے۔

(ناظرین اس موقع پر حصہ دوم جہاں سے شروع ہوا ہے اس کی تمہید بھی ملاحظہ فرما دیں)

مامون الرشید کی اصلی تاریخ شروع کرنے سے پہلے مناسب ہوگا کہ ہم مختصر طور پر دولت عباسیہ کے قیام کے ابتدائی حالات لکھیں عام مورخوں نے عباسیہ کے ظہور اقبال اور بنو امیہ کے زوال کا زمانہ قریباً ساتھ ساتھ خیال کیا ہے اور اُن مشہور واقعات سے بھی جو شہرت عام کی روشنی میں چمک رہے ہیں یہی گمان ہوتا ہے کہ شاید عباسیوں کو اپنی رقیب سلطنت کی بربادی میں بہت کم عرصہ لگا لیکن تاریخی اصول کے لحاظ سے کس طرح خیال میں آ سکتا کہ ایک ایسی پرزور سلطنت ایسے فوری صدمہ سے دفعتاً زیر و زبر ہو جائے یہ بات بھی کچھ کم تعجب کی نہیں ہے کہ جب خلافت کے دعوے میں آنحضرت صلعم کا قرب زیادہ موثر سمجھا جاتا تھا تو عباسیہ اور سادات کے ہوتے بنو امیہ کیونکر اس منصب پر قابض ہو گئے ان باتوں کے سمجھانے کے لیے ہم خلافت کے اجمالی سلسلے کو اس ترتیب سے لکھتے ہیں جس سے وہ تمام عقدے خود بخود حل ہو جاویں جو ان خلافتوں کی پولیٹیکل حیثیتوں کے متعلق تاریخی فلسفہ کے اندر ہیں

خلافت کا اجمالی سلسلہ۔ بنی ہاشم و بنی امیہ کی حریفانہ طاقتیں۔ بنو امیہ کی سلطنت۔ ہاشمیوں کی کوششیں۔ دولت عباسیہ کا آغاز

آنحضرت صلعم سے پہلے عرب کی تمام قوت و شوکت کا اصلی مرکز قریش کا قبیلہ تھا لیکن قریش کے بھی دو برابر[1] حصے ہو گئے تھے۔ ہاشم و امیہ اور جیسا کہ علامہ ابن خلدون نے صاف تصریح کر دی ہے جمعیت اور ملکی اقتدار میں با

[1] قریش کے اور بھی چھوٹے چھوٹے شعبے ہو گئے تھے لیکن برابر کے حریف صرف یہی دو تھے ۱۲

بنو امیہ کا پلہ بنو ہاشم سے بھاری تھا البتہ آنحضرت صلعم کے وجود مبارک سے بنو ہاشم فخر اور اعزاز میں اپنے حریفوں سے نمایاں طور پر ممتاز ہوگئے آنحضرتؐ کے انتقال کے بعد جب خلافت کی نزاع پیدا ہوئی تو گو فوری طور پر صدیق اکبرؓ پر اتفاق عام ہوگیا لیکن بنو ہاشم دیر تک اپنے ادعا پر رکے رہے اور انکو اپنی ناکامی پر تعجب اور افسوس ضرور ہوا حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بعد شاید بنی ہاشم کے دعوے سے سامنے پیش ہوتے لیکن حضرت عمرؓ کی باضابطہ ولیعہدی نے اسکا موقع نہ دیا حضرت عمرؓ نے اپنی وفات کے قریب چھ اشخاص کو چنا جنکی عالمانہ لیاقتیں انکے نزدیک ایسی مساویانہ درجہ رکھتی تھیں کہ وہ کسی کے حق میں ترجیح کا فیصلہ نہیں کر سکے حضرت علیؓ بھی انتخاب شدہ لوگوں میں شامل تھے اور گو حضرت عباسؓ نے انکو یہ ہدایت کی کہ وہ اپنی خلافت کو بحث و اتفاق کے ہاتھ میں نہ دیں بلکہ بغیر کسی کی اعانت کے آپ اپنے استحقاق کا فیصلہ کرلیں لیکن جناب امیر کی بے غرضی اور فیاض دلی نے اس اختلاف انگیز تحریک کے قبول کرنیکی اجازت نہ دی اور جب عبدالرحمن بن عوف نے جو اس نزاع کے طے کرنیکے لیے ثالث مقرر ہوئے تھے حضرت عثمانؓ کا ہاتھ پکڑ لیا تو حضرت علیؓ نے "صبر جمیل" کیا اور تن بتقدیر راضی ہوگئے حضرت عثمانؓ خاندان بنو امیہ سے تھے۔ اور انکی خلافت ایک نئے تاریخی سلسلہ کا دیباچہ تھی حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ نہ ہاشمی تھے نہ اموی۔ اسلیے انکے عہد تک بنو امیہ و ہاشم دونوں خاندان خلافت میں کچھ حصہ نہیں رکھتے تھے۔

حضرت عثمانؓ نے اپنی خلافت میں تمام بڑے بڑے ملکی عہدے بنی امیہ کے ہاتھوں میں دیئے امیر معاویہؓ پہلے ہی شام کے گورنر تھے لیکن اس عہد میں انکا اقتدار اس حد تک پہنچ گیا کہ شام کے فرمانروا مستقل سمجھے جاتے تھے حضرت عثمانؓ کی خلافت قریبًا بارہ برس رہی۔ اور اگرچہ اخیر میں اسی خاندانی رعایت پر لوگ انسے ناراض ہوگئے اور انکی شہادت تک نوبت پہنچی لیکن اس وسیع مدت میں بنی امیہ کا خاندان ملکی و مالی دونوں حیثیت سے نہایت طاقتور ہوگیا جسکا یہ اثر تھا کہ حضرت علی علیہ السلام کے عہد میں امیر معاویہؓ نے ہمسری کا دعوی کیا۔ اور اگرچہ ذاتی فضائل و مذہبی تقدس میں انکو حضرت علیؓ سے کچھ نسبت نہ تھی تاہم ایک مدت تک وہ مساویانہ طاقت کیساتھ جناب امیر کے حریف رہے اور جنگ کا جو اخیر فیصلہ ہوا وہ بھی گویا انہیں کے حق میں ہوا۔

اب اسلام میں ہاشمی اور اموی دو طاقتیں حریف مقابل بنکر قائم ہوگئیں اور ان کی باہمی معرکہ آرائیوں کی مسلسل تاریخ شروع ہوگئی۔ امام حسن علیہ السلام نے گو مصلحتًا خلافت سے ہاتھ اٹھا لیا۔ اور بظاہر امیر معاویہؓ کی حکومت بے داغ رہ گئی لیکن اسی زمانہ میں آل ہاشم و شیعگان علیؓ نے حضرت امام حسینؓ کو خلیفہ کرنا چاہا اور جب انہوں نے انکار کیا تو ان کے علاتی بھائی محمد بن حنفیہ کے ہاتھ پر خفیہ بیعت کی۔ اور اکثر شہروں میں نقیب مقرر کیے حضرت

امام حسین علیہ السّلام کے جانکاہ واقعہ کو ہم دوہرانا نہیں چاہتے۔ افسوس ہے کہ اس عبرت انگیز حادثہ نے خاندان نبوت کی تمام زندہ یادگاریں مٹا دیں۔ اور ایک مدت کے لیے یہ توقع جاتی رہی کہ اس مقدس گھر سے خلافت کی صدا بلند ہو۔ یزید کے مرنے کے بعد محمد بن حنفیہ کا گروہ شاید اپنے مخفی راز سے پردہ اٹھا دیتا لیکن ہاشمیوں ہی میں عبداللہ بن زبیر دوسرے دعویدار ہو گئے اور اپنی مشہور شجاعت و اولوالعزمی سے حجاز و اطراف عرب میں مستقل حکومت قائم کرلی۔ اس زمانہ میں بنو امیہ میں سے مروان بن حکم نے جو حضرت عثمان رض کا چچازاد بھائی تھا اور ان کا میر منشی رہ چکا تھا ۶۴ھ میں شام و مصر پر قبضہ کرلیا اور وہ گو خود کچھ بہت کامیاب نہیں ہوا لیکن اس کے بیٹے عبدالملک نے جو ۶۵ھ میں تخت نشین ہوا اس عظیم الشان سلطنت کی بنیاد ڈالی جو دولت بنی اُمیّہ کے مہیب لقب سے مشہور ہے عبداللہ بن زبیر مکہ معظمہ میں قلعہ میں بند ہو کر شہید ہوئے اور تمام دنیائے اسلام باستثنار عبدالملک کے قبضۂ اقتدار میں آگئی۔ یہ حکومت جسکو اموی کی بہ نسبت مروانی کہنا زیادہ موزوں ہے قریباً ۸۰ برس تک قائم رہی اور اسی قلیل مدت میں دس شخص تخت نشین خلافت ہوئے اس خاندان میں عبدالملک و ولید و سلیمان و ہشام نہایت عظمت و اقتدار کے بادشاہ گذرے صرف ولید کی فتوحات پر اگر لحاظ کیا جائے تو دولت عباسیہ اپنی چھ سو برس کی زندگی میں اسکی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ اس عہد میں حدود اسلامی کا دائرہ اسقدر وسیع ہو گیا تھا کہ سندھ و کابل و ایران و ترکستان و عرب و شام و ایشیائے کوچک و اسپین اور تمام افریقہ اس میں داخل تھا۔ بااینہمہ بنی ہاشم اپنی کوششوں میں برابر سرگرم تھے اور مختلف وقتوں میں بڑے زور شور سے مقابلے کو اٹھے۔ اگرچہ ولید و ہشام کے پرزور ہاتھوں نے سلطنت کو ہر خطرہ سے بچا لیا لیکن بنیاد حکومت میں کسی قدر تزلزل پیدا ہو گیا اور جب اس عظمت و اقتدار کے فرمانروا اٹھ گئے تو حکومت مروانی کا ڈھچر بالکل ڈھیلا پڑ گیا۔ اسوقت تک خلافت کی کوششیں صرف سادات اور علویین کی طرف سے ہوتی رہیں۔ عباسی خاندان اب تک بظاہر ایک گمنامی کی حالت میں تھا۔ علویین میں سے عبداللہ جو محمد بن حنفیہ کے بیٹے اور حضرت علی رض کے پوتے تھے اپنے پیروں کی ایک تعداد کثیر رکھتے تھے اور خراسان و ایران میں جابجا ان کے خفیہ نقیب مقرر تھے سنہ ۱۰۱ھ میں ان کو زہر دیا گیا اور چونکہ ان کے کوئی اولاد نہ تھی اور نہ سادات میں اُس وقت کوئی صاحب اثر شخص موجود تھا اس لئے وہ محمد بن علی رض کو جو حضرت عباس رض (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عم بزرگوار) کے پرپوتے تھے اپنا جانشین کر گئے۔ اسیطرح علویین کی مجتمع قوت عباسی خاندان کیطرف منتقل ہو گئی گویا یہ پہلا دن تھا کہ دولت عبا

کی بنیاد کا پتھر رکھا گیا۔ آل عباس کے نقبا تمام عراق و خراسان میں پھیل گئے۔ اور ۱۰۲ھ و ۱۰۵ھ و ۱۰۹ھ
میں و ۱۱۸ھ میں ان کی طرف سے نمایاں کوششیں عمل میں آئیں بعض اوقات حکام بنی امیہ پر یہ سازش
کھل گئی جسکا یہ نتیجہ ہوا کہ جن لوگوں پر شبہ ہوا وہ گرفتار ہو کر قتل کر دیئے گئے۔ اس اثنا میں کبھی کبھی علوئین
نے بھی علم خلافت بلند کیا مثلاً ۱۲۱ھ میں زید بن علی و ۱۲۵ھ میں یحییٰ بن زید نے اپنی حوصلہ مندی کے جوہر
دکھائے اور میدان جنگ میں داد شجاعت دیکر مارے گئے۔ یہ لڑائیاں ان دعویداروں کو تو کچھ مفید نہ ہوئیں
مگر عباسیوں نے اس سے یہ فائدہ اٹھایا کہ انکے حریف بنی امیہ کی فوجی طاقت کو سخت صدمے پہونچے ۱۲۴ھ
میں محمد بن علیؓ کا انتقال ہو گیا۔ اور ان کے بیٹے ابراہیم امام باپ کے جانشین ہوئے ۱۲۸ھ میں ابراہیم کو
ابو مسلم خراسانی ایک عجیب و غریب شخص ہاتھ آیا جسنے اپنے حسن تدبیر اور زور بازو سے اس کام کو انجام تک
پہنچا دیا اور بانی دولت عباسیہ کے لقب سے مشہور ہوا اپنی طرف سے سینکڑوں نقیب مقرر کئے اور تمام
اطراف میں بھیجے۔ طرفداران آل عباس کے لئے سیاہ لباس یا ایک سیاہ جھنڈی بطور نشان کے مقرر کی ان
نقیبوں نے خراسان فارس کے تمام اضلاع میں خفیہ سازشوں کے جال پھیلا دیئے اور ایک خاص دن ٹھیر
گیا کہ اس تاریخ کو ہوا خواہان آل عباس جہاں جہاں ہوں دفعۃً اٹھ کھڑے ہوں۔ رمضان کی ۲۵ تاریخ
۱۲۹ھ شب پنجشنبہ سفید نج ایک گاؤں میں جو کہ مرو کے نواحی میں ہے۔ ابو مسلم نے خلافت عباسیہ
کی عام منادی کر دی اور ابراہیم کے بھیجے ہوئے علموں پر جن کا نام ظل و سحاب تھا۔ سیاہ پھریرے آویزاں
کئے ہر طرف سے لوگ جوق جوق آتے تھے اور ظل و سحاب کے نیچے جمع ہوتے جاتے تھے ابو مسلم نہایت
کامیابی کے ساتھ فتوحات حاصل کرتا ہوا خراسان کی طرف بڑھا۔ اور عمال بنی امیہ کو پے در پے شکستیں
دیں۔ اس زمانے میں بنو امیہ کا اخیر فرمانروا مروان الحمار تخت نشین حکومت تھا۔ خراسان کے گورنر نے
اس کو نامہ لکھا کہ "آل عباس میں سے ابراہیم نے علم خلافت بلند کیا اور ابو مسلم خراسانی جوان کا نقیب ہو
خراسان کے اضلاع پر قبضہ حاصل کرتا جاتا ہے" ابراہیم امام اس وقت حمیمہ میں تھے۔ اور ان کی فوجی جمعیت
جو کچھ تھی ان سے بہت دور خراسان کی فتوحات میں مصروف تھی۔ مروان نے بلقار کے عامل کو لکھا کہ
ابراہیم کو پابہ زنجیر کر کے دار الخلافہ روانہ کرے۔ چونکہ ان کے ساتھ جمعیت نہ تھی بغیر کسی دقت کے گرفتار
کر لئے گئے۔ چلتے چلتے اپنے عزیزوں سے کہتے گئے کہ کوفہ چلے جائیں۔ اور ابو العباس سفاح کو (جو ان کے
حقیقی بھائی تھے) خلیفہ بنائیں۔

سفاح نے کوفہ پہونچکر جمعہ کے دن ۱۲- ربیع الاول ۱۳۲ھ کو خلافت کا اعلان کیا اور بڑے تزک و احتشام سے مسجد جامع میں جاکر خلافت عباسیہ کا نہایت فصیح و بلیغ خطبہ پڑہا - ادہر ابو مسلم نے سمرقند طخارستان طوس نیشاپور - رے - جرجان - ہمدان - نہاوند پر فوجیں بھیجیں اور یہ تمام ممالک عباسیوں کے علم اقبال کے سایہ میں آگئے شہر زور پر خود مروان کے بیٹے عبد اللہ سے مقابلہ ہوا اور ابو عون نے جو ابو مسلم کا ایک فوجی افسر تہا عبد اللہ کو شکست فاش دی یہ خبر سُنکر مروان ایک فوج عظیم کے ساتھ جو تعداد میں لاکھ سے زیادہ تہی اور جس میں بنو امیہ کا تمام شاہی خاندان شریک تہا ابو عون کے مقابلے کو بڑہا - ادہر سفاح نے محمد بن علی اپنے چچا کو ابو عون کی مدد کو بھیجا مروان نے شکست کہائی اور مصر کو روانہ ہوا چند روز بہاگتا پہرا - اور آخر ۲۸ - ذی الحجہ ۱۳۲ھ کو بوصیر (مصر کا ایک شہر ہے) کے ایک گرجے میں محصور ہو کر مارا گیا - اور اسکے قتل کے ساتھ مروانی حکومت کا بہی خاتمہ ہو گیا - اسکے بعد عباسیوں نے بڑے سفاکی کے ساتھ قتل عام شروع کیا - اور بالاتفاق ٹہیر گیا کہ خاندان بنی امیہ کا ایک بچہ دنیا میں زندہ نہ رہنے پائے - ڈہونڈ ڈہونڈ کر ان کا پتہ لگایا جاتا ہے اور قتل کر دئے جاتے تھے اسپر بہی عباسیوں کا جوش انتقام کم نہ ہوا خلفائے بنی امیہ یعنی امیر معاویہ رضو یزید عبد الملک ہشام کی قبریں اُکھڑوا ڈالیں - اور اگر ایک ہڈی بہی ثابت مل گئی تو آگ میں جلادی اس ہنگامہ میں بنو امیہ میں سے ایک شخص عبد الرحمن نام - اندلس (اسپین) کو بہاگ گیا - اور زور بازو سے وہ عظیم الشان حکومت قائم کرلی جسکو آل عباس ہمیشہ رشک کی نگاہ سے دیکہا کئے اور کچہہ نہ کر سکے - عباسیوں کی خلافت پانسو چبیس برس تک قائم رہی اور اس مدت میں ۳۷ تخت نشین گذرے - مامون جسکا حال ہم لکہنا چاہتے ہیں اس خاندان کا چہٹا خلیفہ تہا - ذیل کے دو شجروں سے خلافت و نسب کی ترتیب معلوم ہوگی ✤

———— (✤) ————

شجرة النسب

حضرت عباس عم رسول اللہ صلعم

عبداللہ - مشہور صحابی ہیں

علی

المتوفی سنہ ۱۱۸ھ - نہایت جمیل

اور صاحب وجاہت تھے

محمد المتوفی سنہ ۱۲۶ھ

سفاح	منصور
دولت عباسیہ	سنہ ۱۳۶ھ میں
کا پہلا خلیفہ ہو	تخت نشین ہوا
سنہ ۱۳۲ھ میں تخت	
نشین ہوا۔	

شجرة الخلافة

سفاح

منصور دوانیقی

سفاح کا بھائی تھا

مہدی بن منصور سنہ ۱۵۸ھ

میں تخت نشین ہوا

ہادی بن مہدی

سنہ ۱۶۹ھ میں تخت نشین ہوا

ہارون الرشید بن المہدی

سنہ ۱۷۰ھ میں تخت نشین ہوا

مامون الرشید بن

ہارون الرشید

ہارون الرشید بڑی عظمت و شان کا خلیفہ گذرا۔ شاہزادگی کے زمانے میں روم پر لشکر کشی کی اور پے در پے فتحیں حاصل کرتا ہوا خلیج قسطنطنیہ تک پہونچ گیا۔ سریر خلافت پر بیٹھا تو اسلام کے ملکی حدود اسقدر وسیع کر دیئے کہ دولت عباسیہ میں کبھی نہیں ہوسکتے تھے۔ قیصر روم نے چند بار خراج دینے سے انکار کیا مگر اس نے ہر بار شکست دی۔ قیصر کے پائے تخت ہرقلی[1] کو برباد کر دیا۔ اور بزور یہ شرط لکھوالی کہ پھر آباد نہ کیا جائے گا۔ شاہانہ شان و شوکت اور علم و ہنر کی سرپرستی نے ہارون الرشید کی شہرت کو اور بھی چمکا دیا اُس کی قدر دانی کی ندائے عام نے دلوں میں وہ شوق اور حوصلے پیدا کر دیئے کہ زمانہ کے اہل کمال دربار میں کھنچ آئے اور آستانہ خلافت علوم و فنون کا مرکز بن گیا خود بھی نہایت طباع اور سخاوت تھا۔ اس کی علمی مجلسیں۔ ادبی تصنیفات کی جان ہیں۔ حق یہ ہے کہ اگر اس کا دامن انصاف برامکہ کے خون سے رنگین نہ ہوتا۔ تو ہم اس کے ہوتے عباسیوں میں سے کسی فرمانروا کو انتخاب کی نگاہ سے

[1] ایشیائے کوچک میں ایک نہایت آباد اور مشہور شہر تھا یونانی خاندان جو اُس زمانے میں قیصر کہلاتا تھا اُسکا پائے تخت بھی شہر تھا۔ عربی مورخ اسکو ہرقلہ لکھتے ہیں اب ویران ہوکر ایک معمولی شہر رہ گیا ہے۔۱۲

نہ دیکھ سکتے - مامون جسکے حالات ہم اس کتاب میں لکھنا چاہتے ہیں اسی ہارون کا فرزند رشید تھا -

مامون کی ولادت اور تعلیم و تربیت

ربیع الاول ۱۷۰ھ میں پیدا ہوا - اسکی ولادت کی رات بھی عجیب رات تھی جس میں ایک خلیفہ (ہادی) نے وفات پائی - دوسرا (ہارون الرشید) تخت نشین ہوا - تیسرا (مامون) عالم وجود میں آیا - خلیفہ مہدی نے وصیت کی تھی کہ میرے بعد ہادی تخت نشین ہو - اور اسکے بعد ہارون - ہادی نے بدنیتی سے ہارون کو محروم کرنا چاہا - اور چونکہ ہارون خانہ جنگیوں سے ہمیشہ پرہیز کرتا تھا اس لیے ممکن تھا کہ ہادی اپنے خود غرضانہ ارادہ میں کامیاب ہوجاتا لیکن موت نے دفعتًا اسکی تمام امیدوں کو خاک میں ملا دیا ہارون بستر خواب پر سو رہا تھا کہ وزیر اعظم یحیی نے جگا کر مژدہ خلافت سنایا - ہارون نے نہایت یاس سے کہا "دیکھو تم ہنسی کرتے ہو - بھائی صاحب سن لینگے تو یہی ہنسی بلائے جان ہوگی" یحیی نے عرض کیا کہ قضائے الٰہی نے اس بحث کا فیصلہ کر دیا آپ اطمینان سے سریر خلافت کو زینت دیں - اسی گفتگو میں خواص مژدہ لائی کہ "خدا کے فضل سے علی ہیں وارث تاج و تخت پیدا ہوا" یہی وہ مبارک فال لڑکا تھا جسکی قسمت میں مامون الرشید اعظم ہونا لکھا تھا - ہارون نے مبارک فالی کے لحاظ سے عبد اللہ نام رکھا کیونکہ بانی دولت عباسیہ یعنی خلیفہ سفاح کا بھی یہی نام تھا - مامون کی ماں ایک کنیز تھی جسکا نام مراجل تھا اور بادغیس و ہرات کا ایک شہر ہے اس میں پیدا ہوئی تھی علی ابن عیسی گورنر خراسان نے اسکو ہارون کی خدمت میں پیشکش بھیجا تھا افسوس ہے کہ مراجل دو ہی چار روز کے بعد انتقال کر گئی اور مامون کو مادر مہربان کے دامن شفقت میں پلنا نصیب نہ ہوا -

مامون جب قریبًا پانچ برس کا ہوا تو بڑے اہتمام سے اس کی تعلیم و تربیت شروع ہوئی دربار میں جو علما اور مجتہدین فن موجود تھے ان میں سے دو شخص یعنی کسائی نحوی اور یزیدی قرآن پڑھانے کے لیے مقرر ہوئے - مامون کا سن ہی کیا تھا مگر طباعی اور فطانت کے جوہر ابھی سے چمک رہے تھے کسائی کی تعلیم کا طریقہ یہ تھا کہ مامون کو پڑھنے کے لیے کہتا تھا اور آپ چپکا سر جھکائے بیٹھا رہتا تھا مامون کہیں غلط پڑھ جاتا تو فورًا کسائی کی نگاہ اٹھ جاتی - اسی اشارے سے مامون متنبہ ہو جاتا اور عبارت کو صحیح کر لیتا ایک دن سورۂ صف کا سبق تھا - کسائی حسب عادت سر جھکائے سن رہا تھا جب مامون اس

ملہ دیکھو عیون والحدائق - مطبوعہ یورپ صفحہ ۳۶۳ - ۱۲

آیت پر پہونچا یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ٥ (اے ایمان والو وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں) تو بے اختیار کسائی کی نظر اٹھ گئی۔ مامون نے خیال کیا کہ میں نے شاید آیت کے پڑھنے میں کچھ غلطی کی۔ مگر جب پھر مکرر پڑھا تو معلوم ہوا کہ صحیح پڑھی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد جب کسائی چلا گیا تو مامون ہارون کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ اگر حضور نے کسائی کو کچھ دینے کے لئے کہا تو ایفائے وعدہ فرمائیے ہارون نے کہا" ہاں اس نے قاریوں کے لیے کچھ وظیفہ مقرر ہونے کی درخواست کی تھی جسکو میں نے منظور بھی کیا تھا۔ کیا اُسنے تم سے کچھ تذکرہ کیا۔ مامون نے کہا نہیں۔ ہارون نے پوچھا پھر تم کو کیونکر معلوم ہوا۔ مامون نے اُس وقت کا ماجرا عرض کیا اور کہا کہ خاص اس آیت پر کسائی کا دفعۃً چونک پڑنا بے وجہ نہیں ہوسکتا تھا ہارون اپنے کم سن بیٹے کی اس ذہانت پر نہایت متعجب اور خوش ہوا[۱]۔ یزیدی مامون کا صرف معلم نہ تھا بلکہ اتالیق بھی تھا اور مامون کے عام افعال و عادات کی نگرانی اس سے متعلق تھی اس فرض کو یزیدی نہایت سچائی سے ادا کرتا تھا۔

ایک دن یزیدی اپنے معمول پر آیا۔ مامون اس وقت محل میں تھا۔ خادم نے یزیدی کے آنے کی اطلاع کی۔ مگر کسی وجہ سے مامون کو باہر آنے میں ذرا دیر ہوئی۔ نوکروں نے موقع پاکر یزیدی سے شکایت کی کہ جب آپ تشریف نہیں رکھتے تو صاحبزادے تمام ملازموں کو نہایت دق کرتے ہیں۔ مامون جب باہر آیا تو یزیدی نے چھ سات بید مارے اتنے میں خادموں نے وزیر السلطنت جعفر بن یحییٰ برمکی کے آنے کی اطلاع کی۔ مامون فوراً آنسو پونچھ فرش پر جا بیٹھا۔ اور حکم دیا کہ اچھا آنے دو۔ جعفر حاضر ہوا اور دیر تک ادھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا۔ یزیدی کو ڈر پیدا ہوا کہ مامون جعفر سے کہیں میری شکایت نہ کر دے جعفر چلا گیا تو یزیدی نے پوچھا کہ میری شکایت تو نہیں کی۔ مامون نے سعادتمندانہ لہجہ میں کہا استغفراللہ میں ہارون الرشید سے تو کہنے کا نہیں جعفر سے کیا کہوں گا۔ کیا میں یہ نہیں سمجھتا کہ تادیب تعلیم سے مجھ کو کس قدر فائدے پہونچیں گے[۲]۔ خلفاء کا دستور تھا کہ دربار میں جو لوگ معتمد اور صاحب فضل و کمال ہوتے تھے اولاد کو ان کی آغوش تربیت میں دیدیتے تھے اور انہیں کے اہتمام میں وہ تعلیم و تربیت حاصل کرتے تھے۔ ہارون نے اسی قاعدے کے موافق مامون کو سنہ ۱۸۲ھ میں جعفر برمکی کے حوالے کیا۔ مامون کی قابلیت علمی اور عام لیاقتوں کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہوا کہ وہ جعفر برمکی

[۱] دیکھو منتخب کتاب المختار من نوادر الاخبار صفحہ ۱۰-۱۲ مطبوعہ [۲] تاریخ الخلفاء سیوطی صفحہ ۲۱۹-۲۲۰ مطبوعہ

کی آغوش تربیت میں پلا جو قابلیت وزارت کے علاوہ علوم و فنون میں دستگاہ کامل رکھتا تھا اور زیادہ تر اسی کی سرپرستی میں ممالک اسلامیہ میں فضل و کمال کا رواج ہوا۔ یزیدی کا بیٹا محمد بھی جو نہایت متبحر (؟) شاعر تھا مامون کی تربیت پر و تعلیم پر مامور تھا۔

مامون کو مورخوں نے حافظ القرآن لکھا ہے[1] غالباً اسی زمانہ میں وہ حافظ ہوا ہوگا بہرحال قرآن مجید کے ختم کرنے کے بعد اُسنے نحو و ادب پڑھنا شروع کیا اور وہ مہارت حاصل کی کہ جب کسائی نے ایک موقع پر امتحان لیا اور نحو کے متعدد مسئلے پوچھے تو اسنے اس برجستگی سے سوالوں کے جواب دئے کہ خود کسائی کو تعجب ہوا اور ہارون نے جوش طرب میں سینہ سے لگا لیا۔

اس امتحان میں ہارون کا دوسرا بیٹا امین بھی شریک تھا جو مامون سے ایک برس چھوٹا تھا اور جسکو اس بات میں مامون سے شرف حاصل تھا کہ اسکی ماں زبیدہ خاتون تھی اور اس اعتبار سے وہ نجیب الطرفین تھا یزیدی نے مامون و امین کو برجستہ گوئی اور حسن تقریر کی بھی تعلیم دی تھی ان دونوں کی قابلیت پر یزیدی کو خود تعجب ہوتا تھا اور وہ کہا کرتا تھا کہ "خلفائے بنی امیہ کے لڑکے قبائل عرب میں بھیجدئے جایا کرتے تھے کہ شستہ بیانی سیکھیں مگر تم تو گھر بیٹھے اُن سے کہیں زیادہ فصیح اور زبان آور ہو۔ اول اول آپ جمعہ کے دن ایک بڑے مجمع میں جو فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا ایسے پُر تاثیر لہجہ میں پڑھا کہ تمام حاضرین کے دل دہل گئے اور اکثر لوگ رو پڑے ابو محمد یزیدی نے اسپر ایک قصیدہ لکھا۔ کتاب الآغانی میں یہ قصیدہ نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ ہارون نے اسکے صلے میں یزیدی کو ۵۰ ہزار درہم عطا کئے فقہ کی تعلیم کے لئے سلطنت کے ہر حصہ سے فقہا بُلا لیے گئے اور مامون نے اُنکے فیض صحبت سے ایک ماہر فقیہ کا رتبہ حاصل کیا۔ علم حدیث کی سند ہشیم۔ عباد بن العوام یوسف بن عطیہ۔ ابومعاویۃ الفریر۔ اسمعیل بن علیہ۔ حجاج الاعور وغیرہ سے حاصل کی حدیث کے فن میں مالک بن انس امام وقت تھے اور بڑے بڑے ائمہ فن جن میں امام شافعیؒ بھی داخل ہیں ان کی شاگردی پر فخر کرتے تھے۔ ہارون الرشید نے ان کی خدمت میں درخواست کی کہ "حریم خلافت میں قدم رنجہ فرما کر شہزادوں کو علم حدیث پڑھائیں" امام مالک نے کہلا بھیجا کہ "علم کے پاس لوگ خود آتے ہیں وہ دوسروں کے پاس نہیں جاتا" انھوں نے اس بات سے ہارون کو اور بھی غیرت دلائی کہ یہ علم تمہارے ہی گھر سے نکلا ہے اگر تمہیں اس کی عزت نہ کروگے تو وہ کیونکر عزت پا سکتا ہے۔ اس

[1] خلفا میں صرف ابوبکر صدیقؓ حضرت عثمانؓ مامون الرشید حافظ القرآن گذرے ہیں سیوطی صفحہ ۲۲ - ۱۱۲ - ۳۱۵ دیکھو دارمی فی ذکر الحفاظ اسعدی صفحہ ۲۴ - ۱۲

لیا اور ... نے علم ... حفظ نہیں تھا - ... تھا جو ... نے ... متعصبانہ طور پر

معقول جواب کو ہارون نے نہایت خوشی سے تسلیم کیا اور شہزادوں کو حکم دیا کہ امام موصوف کی درس گاہ عام میں حاضر ہوں[1]۔

ہارون الرشید خود بہت بڑا فقیہ اور پایہ شناس فن تہا۔ مُوطا کے پڑہنے کے لیے جو علم حدیث کی نہایت معتبر اور مشہور کتاب ہے وہ اکثر امام مالک کی خدمت میں حاضر ہوا ہے[2] اور چونکہ اسکو اپنی اولاد کے تعلیم کا شروع ہی سے نہایت اہتمام تہا۔ امین و مامون بہی اس درس میں اسکے ساتھ ہوتے تھے[3]۔ ہرچند دار الخلافہ بغداد میں جس پایہ کے علما موجود تہے اسوقت اور کہیں نہ تہے تاہم ہارون کی خواہش یہ تہی کہ اور ملک میں اور جو ارباب فن ہیں ان کے فیض تعلیم سے بہی مامون وامین محروم نہ رہیں۔ جب وہ کوفہ گیا جو اسوقت فقہ وحدیث کا مرکز تہا تو وہاں کے تمام محدثین کو طلب کیا۔ چنانچہ دو شخص کے سوا اور سب حاضر ہوئے۔ یہ دو بزرگ عبد اللہ بن ادریس و عیسےٰ ابن یونس تھے جنہوں نے اپنے طریق عمل سے ثابت کیا کہ امام مالک کے سوا اور لوگ بہی ہیں جو علم حدیث کی اصلی عزت کرتے ہیں۔ ہارون نے حکم دیا کہ مامون وامین خود انکی خدمت میں حاضر ہوں۔ ابن ادریس نے سو حدیثیں روایت کیں اور جب اُسی وقت مامون نے اُن حدیثوں کو زبانی سُنا دیا تو ابن ادریس بہی اس کی قوت حافظہ اور واقفیت پر عش عش کر اٹھے[4]۔

علوم مروجہ وقت میں سے مامون نے اگرچہ ہر ایک علم میں دستگاہ مناسب حاصل کی تہی لیکن خاص فقہ ادب۔ تاریخ۔ ایام عرب میں وہ بڑے بڑے ماہرین فن کا ہمسر گنا جاتا تہا اور درحقیقت ایک ایسے شخص کو جو بالطبع ذکی ہو جس نے یزیدی اور کسائی جیسے مجتہدین فن سے تعلیم پائی ہو۔ جو ابونواس۔ ابو العتاہیہ۔ سیبویہ۔ فرا کی علمی مجلسوں میں شریک رہا ہو ایسا ہی یگانہ فن ہونا چاہیے جیسا کہ مامون تہا۔ بچپن میں ایک دن اُس نے اصمعی سے پوچہا کہ یہ شعر کس کا ہے۔

ماکنت الاکلحم میت دعا الی اکلہ اضطرار

اصمعی نے کہا ابن عیینۃ المہلبی کا۔ مامون نے کہا نہایت بلند خیال ہے مگر فلاں شعر سے ماخوذ ہے اصمعی کو اس وسعت نظر اور واقفیت پر نہایت تعجب ہوا[5]۔ مامون نے اسی زمانہ میں شعر کہنا بہی شروع کیا تہا۔ اور چونکہ طبیعت نہایت موزوں اور نظر از بس وسیع تہی برجستہ کہتا تہا اور خوب کہتا تہا۔ ایک

---

[1] حکم و اداب للیاقوت المستعصمی صفحہ ۱۲۸-۱۲۱۔ [2] سیوطی صفحہ ۲۹۰ مُوطا کا وہ نسخہ جسمیں ہارون الرشید نے پڑہا تہا مدت تک مصر کے کتبخانہ میں موجود تہا سیوطی صفحہ مذکور۔ [3] سیوطی صفحہ ۳۲۶۔ [4] مرآۃ الجنان یافعی ترجمہ مامون۔

موقع پر ہارون الرشید نے جب فوج کو حکم دیا کہ ایک ہفتہ کے بعد سفر کے لئے تیار رہے اور ہفتہ گذر جانے پر بھی لوگوں کو اُس کے ارادہ کا ٹھیک حال نہیں معلوم ہوا تو مامون نے ارکین دربار کی فرمایش سے خلیفہ وقت کی خدمت میں یہ رقعہ لکھا -

یا خیر من دبت المطی بہ   ومن تقدی بسرجہ الفرس

اے ان سب لوگوں سے بہتر جنکو سواریاں لیکر چلتی ہیں اور وہ جسکے گھوڑے پر ہمیشہ زین رہتا ہے -

هل غایة فی المسیر نعرفها   ام امرنا فی المسیر ملتبس

سفر کا کوئی وقت ہے جسکو ہم لوگ جان سکیں یا یہ امر ہمارے لئے مبہم رہے گا -

ما علم هذا الا الی ملك   من نوره فی الظلام نقتبس

اس بات کا علم صرف اُس بادشاہ کو ہے جسکے نور سے ہم لوگ تاریکی میں روشنی حاصل کرتے ہیں -

ہارون کو اسوقت تک نہیں معلوم تہا کہ مامون نے شاعری کی ہے - اگرچہ اس طباعی اور ذہانت پر نہایت خوش ہوا مگر رقعہ پر بطور جواب کے یہ لکہا "اے جان پدر تم کو شعر سے کیا کام - شعر عام آدمیوں کے لئے باعث فخر ہے مگر عالی رتبہ لوگوں کے لئے کچھ عزت کی بات نہیں -

سنہ ۱۸۸ھ میں جب ابراہیم موصلی و کسائی نحوی و عباس بن الاحنف شاعر ایک ہی دن قضا کر گئے تو ہارون الرشید نے حکم دیا کہ شہزادہ مامون جاکر ان کے جنازے کی نماز پڑہائے - مامون نماز پڑہانے کے لئے کھڑا ہوا تو پوچھا کہ "کسکا جنازہ سب سے آگے رکہا گیا ہے - لوگوں نے عرض کی کہ "ابراہیم کا" مامون نے کہا "نہیں عباس کا جنازہ آگے رکہو" نماز سے فارغ ہوکر واپس چلا تو ایک درباری نے عرض کی کہ عباس کو کیا ترجیح تھی مامون نے کہا ان دو شعروں کی وجہ سے

وسعی بها ناس فقالوا انها   لهی التی تشقی بها وتكابد

فجحدتهم لیكون غیرك ظنهم   انی لیعجبنی المحب الجاحد

اپنے معشوق کی نسبت لوگوں نے مجھے کہا کہ تم اسی پر مرتے ہو - میں نے انکار کیا تاکہ لوگ تیری نسبت گمان نہ کریں مجکو وہ عاشق پسند ہے جو وقت پر مکر جائے (علامہ ابو الفرج اصفہانی) نے اس واقعہ کو ابراہیم کے تذکرے میں نقل کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت فن ادب کو وہ عزت حاصل تہی کہ اس قسم کے مذہبی فرائض میں بہی اسکا لحاظ کیا جاتا تہا -

مامون نے ان علوم سے فارغ ہوکر فلسفہ کی طرف توجہ کی ہارون الرشید نے جو عالیشان محکمہ کتب علمیہ کے ترجمہ کا قائم کیا تہا اور جس میں ہندو - پارسی - عیسائی وغیرہ ہر مذہب وملت کے لوگ نوکر تھے جو مختلف زبانوں کی کتب فلسفیہ وطبیہ کے ترجمے کرتے رہتے تھے مامون کے تکمیل فلسفہ میں بہت مددگار ہوا لیکن اس موقع پر ہم اس کی تفصیل نہیں کرتے اور اس موقع کے لیے اٹھا رکھتے ہیں جہاں ہم ملکی تاریخ سے فارغ ہوکر اسکے عام اخلاق وعادات کا تذکرہ کریں گے اور اسی موقع پر اس کی علمی مجلسیں علما سے مناظرے مسائل علمیہ کے متعلق ایجادات - فلسفہ کی ترویج کا حال لکھیں گے یہاں مختصر طور پر صرف وہ حالات بیان کئے ہیں جو اسکی ابتدائی تعلیم سے متعلق تھے -

مامون کی ولیعہدی ۱۸۲ھ

ہارون کی اولاد ذکور ۱۲ تھی جن میں سے چار ایسے لائق وقابل تھے جنکو وہ ولیعہدی کے لیے انتخاب کرسکتا تہا - مامون - امین - موتمن - معتصم - معتصم گو نہایت قوی اندام - دلیر - شجاع - اور فنون جنگ سے واقف تہا لیکن جاہل محض تہا ہارون نے اس بنا پر اسکو خلافت سے بالکل محروم کردیا - امین کی ماں زبیدہ اور اسکا ماموں عیسی بن جعفر بن المنصور دربار میں ایک پولیٹکل طاقت رکھتے تھے کیونکہ ارکین دربار وافسران فوج جو اکثر بنی ہاشم تھے اتحاد نسب کی وجہ سے زبیدہ کے ساتھ تھے ۱۷۵ھ میں عیسی بن جعفر نے وزیر السلطنت فضل بن یحیی سے امین کی ولیعہدی کے لیے سفارش کی اگرچہ امین کی عمر اسوقت کل پانچ برس کی تھی اور اسوجہ سے خاندان شاہی کے چند ممبر اس تجویز پر راضی نہ تھے تاہم فضل کی بات ٹالی نہیں جاسکتی تھی ہارون نے تمام دربار سے امین کیلیے بیعت لی (امین اگرچہ نہایت ذکی الطبع فصیح - خوش تقریر - پاکیزہ رو - خوش شمائل تہا اسکے ساتھ نحو - ادب - فقہ میں نہایت مہارت حاصل کی تھی لیکن عیش طلب اور راحت پسند تہا ہارون کو بھی بعد زبیدہ

کی اس احتیاط کی بابت [illegible] ناگوار ہوتا گیا (مامون کی لائقی [illegible] کو پا کر [illegible] کر لیا تھا وہ کہا کرتا تھا کہ میں مامون میں منصور کا حزم - مہدی کی متانت - ہادی کی شان وشوکت پاتا ہوں - اور اگر اپنے سے بھی انکی نسبت [illegible] تو [illegible] ہوں میں نے امین کو خلافت میں اسپر ترجیح دی - حالانکہ مجھکو معلوم ہے کہ وہ [illegible] اور [illegible] کا [illegible] ہے - [illegible] اسکی [illegible] ہیں - اگر زبیدہ کا لحاظ اور بنی ہاشم کا دباؤ نہ ہوتا تو میں مامون کو ترجیح دیتا)

ہارون نے ایک دن ابوعیسیٰ[1] اپنے چہوٹے بیٹے سے جو حسن وجمال میں اپنا نظیر نہیں رکھتا تہا کہا "کاش تیرا حسن مامون کو ملا ہوتا" خود مامون سے بہی وہ کہا کرتا تہا کہ ساری خوبیاں تجہہ ہی میں ہوتیں تو خوب ہوتا اور اگر میرے اختیار کی بات ہوتی تو میں ابوعیسیٰ کا حسن بہی تجہہ ہی کو دیتا۔[2]

زبیدہ کو ان باتوں سے نہایت رنج ہوتا تہا۔ وہ ہارون کو طعنہ دیتی تہی کہ تم ایک کنیز زادہ کو میرے لخت جگر پر ترجیح دیتے ہو۔ دونوں میں اکثر اس بات پر بحثیں رہتی تہیں۔ اور چونکہ زبیدہ عام لیاقتوں میں بہی امین کو مامون سے کم درجہ پر تسلیم نہیں کرتی تہی۔ ہارون اکثر موقعوں پر دونوں کا امتحان لیتا تہا اور نتیجہ امتحان پر زبیدہ کو شرمندہ ہونا پڑتا تہا ایکدن اسنے چند مسواکوں کی طرف اشارہ کرکے جو اسکے پاس رکہی تہیں امین سے پوچہا کہ یہ کیا چیزیں ہیں امین نے کہا "مساویک" یعنی مسواکیں۔ پہر اُسنے مامون کو بلا کر یہی سوال کیا اُسنے جواب دیا کہ "ضد محاسنک یا امیر المومنین"[3]

ایک اور دن ہارون نے دو خاص غلاموں سے کہا کہ امین سے تنہائی میں بطور خود پوچہو کہ جب خلافت آپکو ملیگی تو حضور ہمارے ساتہ کیا سلوک فرمائیں گے امین نے نہایت خوش ہوکر کہا کہ میں تم کو اسقدر انعام اور جاگیریں دونگا کہ نہال ہوجاؤ گے۔ مگر جب مامون کے پاس گئے تو اُسنے دوات جس سے لکہہ رہا تہا اُٹہا کر اُس کے منہ پر پہینک ماری اور کہا کہ بدمعاش جس دن امیر المومنین نہ ہونگے تو ہم لوگ جی کر کیا کرینگے ہم ان پر فدا نہ ہوجائیں گے[4]۔

اس پر بہی ہارون امین کی ولیعہدی کو مسترد نہیں کرسکتا تہا مامون کے لئے اتنا کیا کہ ۱۸۲ھ میں امین کے بعد اس کی ولیعہدی پر لوگوں سے بیعت لی۔ اور مرو دست خراسان وہمدان کے صوبہ جات کا گورنر مقرر کیا تیسرے بیٹے قاسم کو جزیرہ ثغور وعواصم کی حکومت دی اور مامون کو اختیار دیا کہ اگر قاسم لائق نہ ثابت ہو تو وہ معزول کرسکتا ہے اگرچہ ہارون نے اس طور پر ملک کی تقسیم کردی تہی مگر وہ امین کی طرف سے مطمئن نہ تہا وہ جانتا تہا کہ امین خود غرض اور عیش پرست ہے اور چونکہ تمام عمائد بنی ہاشم اور افواج کا بڑا حصہ اُس کا طرفدار ہے اُسکو دوسروں کی حق تلفی پر بآسانی جرائت ہوسکتی ہے اس خیال سے ۱۸۶ھ میں

[1] درازی صفحہ ۸۴ [2] تمام عباسی نسل میں خاندان خلافت اور خاندان خلافت میں ابوعیسیٰ نہایت حسین اور صاحب جمال تہا اسکے ساتہ شاعر نکتہ سنج اور موسیقی کا بڑا ماہر تہا مامون الرشید کو ابوعیسیٰ سے نہایت محبت تہی علامہ آغانی نے لکہا ہے کہ مامون الرشید اپنے بعد اسکو خلیفہ مقرر کرنا چاہتا تہا مگر افسوس کہ وہ یوسف جمال مامون کی زندگی ہی میں مرگیا مامون نے کئی دن تک اُسکے غم میں کہانا نہیں کہایا ۱۲ [3] مراۃ الجنان ترجمہ المامون ۱۲ [4] درازی صفحہ ۸۴-۱۲ منہ

جب وہ مکہ معظمہ گیا تو امین کو تنہا خانہ کعبہ کے اندر لیجا کر فہمایش کی پھر مامون کو بلایا اور اس سے بھی اس معاملہ کے متعلق دیر تک باتیں کیں اسکے بعد دونوں سے جدا جدا معاہدے لکھوائے جس میں ہر ایک نے اُس تقسیم کو تسلیم کیا جو ہارون نے ان کے لئے تجویز کی تھی۔ صاحب روضۃ الصفا نے لکھا ہے کہ تقسیم کی رو سے مامون کو جو ملک ملے اُس میں کرمان شاہ۔ نہاوند۔ قم۔ کاشان۔ اصفہان۔ فارس۔ کرمان۔ رے۔ قومس۔ طبرستان۔ خراسان۔ زابل۔ کابل۔ ہندوستان۔ ماوراء النہر۔ ترکستان داخل تھے۔ امین کو بغداد۔ واسطہ۔ بصرہ۔ کوفہ شامات۔ سواد عراق۔ موصل۔ جزیرہ حجاز۔ مصر اور بغداد کی انتہائے حدود تک کی حکومت ملی۔ اس معاہدے پر دونوں سے دستخط کرائے۔ اور وہ ایک جم غفیر کے سامنے جس میں یحییٰ برمکی وزیر السلطنت جعفر بن یحییٰ۔ فضل بن الربیع حاجب۔ اور خاندان خلافت کے تمام اعیان اور فقہاء و علماء شامل تھے باآواز بلند پڑھکر سُنایا گیا۔ تمام حاضرین نے بطور شہادت کے اسپر دستخط کئے اور جب ہر طرح سے مصدق ہوگیا سونے کے نلوے میں جو زمرد و یاقوت سے مرصع تھا رکھ کر حرم کعبہ میں دروازے کے اوپر آویزاں کیا۔ کعبہ کے دربانوں سے حلف لیا گیا کہ اسکی نہایت احتیاط کرینگے اور حج کے زمانہ میں کسی منظر عام پر وہ آویزاں کر دیا جاویگا اگرچہ یہ معاہدے نہایت طولانی اور بالکل فضول باتوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ تمام تحریر میں ایک بات بھی ایسی نہیں جس سے کوئی دقیق پولٹیکل خیال پیدا ہوتا ہم اس خیال سے کہ وہ ایک قدیم زمانہ کی تحریر ہے اور اس سے اسوقت کے عام خیالات اور طریق معاملات کا اندازہ ہوتا ہے ہم بجنسہ اسکا ترجمہ اس مقام پر لکھتے ہیں[1]۔

دستاویز جو امین نے لکھی

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ ایک تحریر ہے جسکو محمد بن امیر المومنین ہارون نے امیر المومنین ہارون کے لئے لکھا۔ بحالت ثبات عقل صحت جسم و درستی فعل اطاعت سنہ انہ بلا جبر و اکراہ کہ مجکو امیر المومنین ہارون نے ولیعہد سلطنت کیا ہے۔ اور عموماً تمام مسلمانوں پر میری بیعت لازم کی میرے بھائی عبد اللہ بن امیر المومنین کو میرے بعد میری رضامندی سے نہ جبر و اکراہ سے۔ خلافت اور ولیعہدی۔ اور مسلمانوں کے ہر ایک معاملہ کی افسری حاصل ہوگی۔ اور اس کو امیر المومنین نے اپنی زندگی میں اور اپنے بعد خراسان

[1] علامہ ازرقی جو ۲۲۳ھ میں موجود تھا ان دونوں معاہدوں کو تمام تاریخ مکہ میں نقل کیا ہے دیکھو تاریخ مذکور از صفحہ ۱۶۰ تا ۱۶۴ مطبوعہ جرمن مقام لیپزگ۔ ابن واضح کاتب عباسی نے بھی ان معاہدوں کو اپنی تاریخ میں قدرے اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے ۱۲ منہ

اور اسکے اضلاع و فوج و خراج و محکمہ ڈاک و پرچہ نویسی و بیت المال و بیت الصدقہ و عشرہ عشور کی ولایت دی ہے۔ پس میں اقرار کرتا ہوں کہ جو کچھ امیر المومنین نے بیعت و خلافت و ولیعہدی اور مسلمانوں کے عام معاملات کی افسری میرے بھائی عبداللہ کو دی ہے میں ان سب امور کو تسلیم کرونگا۔ خراسان اور اس کے اضلاع کی حکومت جو اس کو امیر المومنین نے عطا کی ہے یا زمین خاصہ میں سے جو جاگیریں اسکو دی ہیں یا کوئی جائداد خاص کردی ہے یا کوئی زمین یا جاگیر اسکو خرید دی ہے اور جو چیزیں اپنی زندگی میں بحالت صحت از قسم مال و جواہرات و اسباب و کپڑے و غلام و مویشی کم ہوں خواہ زیادہ اسکو عنایت کی ہیں وہ سب عبداللہ بن امیر المومنین کی ہیں جو اسکے لئے تسلیم کر لیا گیا ہے اور جس میں کچھ عذر نہیں ہو اور میں نے اور عبداللہ بن امیر المومنین نے ان تمام چیزوں کو ایک ایک کرکے بقید نام و نشان و جگہ جان لیا ہے اور اگر ہم دونوں میں سے کسی چیز کی نسبت ان چیزوں میں اختلاف رائے ہو تو عبداللہ کا قول قابل تسلیم ہوگا۔ میں ان چیزوں میں سے کسی چیز کو اپنا مال نہ قرار دونگا نہ اس سے چھینونگا نہ کم کرونگا۔ وہ شے خواہ چھوٹی ہو خواہ بڑی۔ اور نہ ولایت خراسان نہ اور کسی صوبہ سے جس کی حکومت امیر المومنین نے اس کو دی ہے مجکو کچھ بحث ہوگی میں عبداللہ کو ان صوبوں سے نہ معزول کرونگا نہ خلع بیعت کرونگا نہ کسی اور کو اس کا قائم مقام کرونگا۔ نہ کسی اور شخص کو ولیعہدی اور خلافت میں اسپر مقدم کرونگا نہ اس کی جان۔ یا خون۔ یا صورت یا ایک سر مو کو ضرر پہنچاؤنگا نہ اس کے جزئی یا کلی امور میں۔ یا حکومت مال و جاگیر و زمین خاصہ کے متعلق کوئی رنج وہ بات کرونگا کسی وجہ سے اس کی کسی چیز میں تبدیلی نہ کرونگا نہ اس سے نہ اس کے عمال سے نہ اس کے منشیوں سے کچھ حساب کتاب سمجھونگا خراسان اور اس کے صوبوں اور ان علاقوں میں جن کی حکومت امیر المومنین نے اپنی زندگی میں بحالت صحت میں اس کو دی ہے جو کچھ انتظامات خود اس نے یا اس کے عمال نے کئے ہونگے مثلاً خراج۔ خزانہ۔ ڈاک۔ صدقات۔ عشر عشور وغیرہ اس کے درپے نہ ہونگا اور نہ کسی اور کو اجازت یا حکم دونگا۔ نہ ایسا خیال دل میں لاؤنگا نہ اپنے لیے وہاں کوئی جاگیر کی زمین طلب کرونگا۔ اور امیر المومنین ہارون نے جو کچھ زمانہ خلافت میں اس کو عطا کیا ہے جس کا اس دستاویز میں ذکر ہے اور جسپر مجھ سے اور عام لوگوں سے بیعت لی گئی ہے اس میں کچھ کمی نہ کروں گا نہ اور کسی کو اجازت دونگا کہ اس سے تعرض کرے یا اس کا مخالف بنے یا اس کی بیعت کو توڑے۔ اس بارہ میں کسی شخص کی خلق اللہ میں سے کوئی بات نہ سنوں گا نہ اس پر ظاہر یا باطن میں راضی ہونگا نہ اس سے چشم پوشی کروں گا۔

نہ غفلت کروں گا۔ اور نہ کسی نیک آدمی سے و بد سے نہ اچھے شخص سے نہ جھوٹے سے نہ ناصح سے نہ فریب دہندہ سے نہ قریب سے نہ بعید سے نہ اولاد آدم میں سے کسی شخص سے نہ مرد سے نہ عورت سے کوئی ایسا مشورہ یا فریب یا حیلہ کسی بات میں ظاہر یا باطن میں حق میں یا باطل میں قبول کرونگا جس سے کسی معاہدہ یا شرط کا فاسد کرنا مقصود ہو جو میں نے عبداللہ بن امیر المومنین سے کی ہے اور جسکا اس دستاویز میں ذکر ہے اور اگر کوئی شخص عبداللہ سے برائی کا ارادہ کرے یا ضرر پہنچانا چاہے یا اُسکی طبیعت توڑنا چاہے یا اُس سے ارادہ جنگ کرے یا اسکی جان یا جسم یا سلطنت یا مال یا حکومت میں مجتمع یا تنہا ظاہر یا باطن میں کچھہ تعرض کرنا چاہے تو میرا فرض ہوگا کہ اسکی مدد کروں اور حفاظت کروں اور جو اپنی جان و جسم و مال و خون و چہرہ و حرم و حکومت سے دفع کروں وہ اُس سے بھی دفع کروں اور اسکی اعانت کو لشکر بھیجوں اور ہر مخالف کے مقابلہ میں اسکی مدد کروں اور نہ چھوڑ دوں اُس کو اور نہ الگ ہو جاؤں اُس سے اور جب تک میں زندہ ہوں اس بارہ میں اسکے کام کو اپنا کام سمجھونگا اور اگر امیر المومنین کو موت آجائے اور میں اور عبداللہ بن امیر المومنین اُس وقت امیر المومنین کے پاس موجود ہوں یا ہم میں سے صرف ایک شخص حاضر ہو یا کوئی نہ حاضر ہو ایک ہی جگہ ہوں یا مختلف مقام میں اور عبداللہ بن امیر المومنین خراسان کے علاقہ حکومت میں نہ ہو تو میرا فرض ہوگا کہ اُس کو خراسان روانہ کردوں اور وہاں کی حکومت و صوبے و فوج اُس کے حوالے کروں میں اس میں نہ تاخیر کروں گا نہ اُس کو روکوں گا نہ اپنے سامنے نہ کسی اور شہر میں خراسان کے ادھر اور فوراً اُس کو روانہ کروں گا۔ خراسان اور اُس کے مضافات کا حکم کر کے مستقل طور پر بغیر اس کے کہ کسی کو اُس کا شریک کروں۔ اور ان سب لوگوں کو اس کے ساتھہ کرونگا جن کو امیر المومنین ہارون نے عبداللہ کی ہمراہی میں مخصوص کیا ہے از قسم افسران فوج و لشکر و ندیم و منشی و عمال و غلام و خدام اور جو اُس کے ہمراہ ہوں مع اُن کے اہل و عیال کے ان میں سے میں کسی کو نہ روکوں گا اور نہ کسی کو اس میں شریک کروں گا۔ میں عبداللہ پر نہ کوئی امین بھیجوں گا نہ پرچہ نویس نہ بندار اور نہ قلیل یا کثیر میں اسکا ہاتھہ پکڑوں گا۔

جو کچھہ اس تحریر میں میں نے شرطیں کیں اور جو کچھہ لکھا ہے ان کی نسبت امیر المومنین ہارون کو اور عبداللہ بن امیر المومنین کو ذمہ دیتا ہوں خدا کا اور امیر المومنین کا اور اپنا اور اپنے آبا و اجداد کا اور تمام مسلمانوں کا اور وہ سخت عہد جو خدا نے انبیاء اور مرسلین اور عامہ خلائق سے لئے ہیں اور اس قسم

کے عہد و میثاق اور قسمیں جن کے پورے کرنے کا خدا نے حکم دیا ہے اور جن کے توڑنے اور بدلنے سے ممانعت کی ہے پھر اگر میں توڑ دوں کوئی شرط جو میں نے امیرالمومنین ہارون اور عبداللہ بن امیرالمومنین سے کی ہے اور جسکا اس تحریر میں ذکر ہے یا خیال کروں اس چیز کے توڑنے کا جسپر میں قائم ہوں یا اسکو بدلوں یا خیال کروں یا بدعہدی کروں یا کسی شخص سے چھوٹے یا بڑے نیک یا گنہگار۔ مرد یا عورت جماعت یا تنہا کسی سے کوئی بات اسکے خلاف قبول کروں تو میں بری ہوں خدائے عزوجل سے اور اسکی ولایت سے اور اسکے دین سے اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے دن مشرک ہو کر خدا سے ملوں۔ اور ہر ایک عورت جو آج میرے عقد نکاح میں ہے یا آیندہ تیس برس تک میرے عقد نکاح میں آئے مطلقہ ہو تین طلاق سے طلاق الحرج اور مجھپر فرض ہوگا بیت اللہ کو ننگے پاؤں پیادہ جانا تیس حج کو جو مجھپر نذر اور واجب ہونگے خدا نہ قبول کرے مگر اُس کا پورا کرنا اور جو مال آج میرا ہے یا جسکو میں تیس برس تک حاصل کروں وہ کعبہ کے لئے مجھکو بطور ہدیہ کے بھیجنا ضرور ہوگا اور جتنے غلام آج میرے مملوک ہیں یا آیندہ تیس برس تک ہوں سب آزاد ہونگے اور جو کچھہ میں نے ہارون امیرالمومنین اور عبداللہ بن امیرالمومنین کے لئے لکھا ہے اور شرط کی ہے اور قسم کھائی ہے اور اس تحریر میں ذکر کیا ہے مجھکو اُس کا پورا کرنا لازم ہوگا۔ میں اسکے خلاف دلمیں کوئی خیال نہ لاؤں گا اور اس کے سوا نیت نہ کرونگا۔ اور اگر دل میں ایسا خیال لاؤں یا کچھہ اور نیت کروں تو یہ عہد و پیمان اور قسمیں سب مجھہ پر لازم اور واجب ہوں گی اور امیرالمومنین کے افسران فوج اور خود لشکر اور تمام شہروں کے لوگ اور عام مسلمان سب میرے عہد بیعت و خلافت و ولایت سے بری ہونگے اور میرے خلع بیعت سے ان پر کچھہ حق مواخذہ نہ ہوگا حتےٰ کہ میں ایک بازاری آدمی کے برابر ہونگا مجھکو ان لوگوں پر کچھہ حق نہ ہوگا نہ ولایت نہ اطاعت نہ بیعت اور ان لوگوں کو بے مواخذہ شرعی ان تمام قسموں اور عہدوں کا توڑنا جائز ہوگا جو انہوں نے میرے حق میں کہے ہیں[1]۔

ماموں نے بھی ایک ایسی ہی دستاویز لکھی یا اُسکی طرف سے لکھی گئی جسکا خلاصہ یہ ہے

کہ امیرالمومنین ہارون نے مجھکو امین کے بعد ولیعہد کیا اور امین نے ایک دستاویز لکھی جسمیں اُسنے میرے حقوق کو اس تفصیل سے تسلیم کیا اور اُس پر قسم کھائی میں بھی امین کی اطاعت کروں گا اور اگر فوج وغیرہ کی مدُ

[1] اس معاہدے پر ۳۷ بڑے بڑے عمائد و اعیان کے دستخط ہیں ہم نے تطویل کے خوف سے اُن کے نام نہیں لکھے ۱۲

چاہے گا تو کافی اعانت کرونگا جب تک کہ وہ اپنے اقرار سے نہ پھرے اور اگر امین چاہے گا کہ اپنے بیٹوں میں سے کسی کو میرے بعد ولیعہد کرے تو میں اس کو تسلیم کرونگا۔ بشرطیکہ امین میرے حقوق میں خلل انداز نہ ہو لیکن اگر خود امیرالمومنین ہارون اپنے فرزندوں میں سے کسی کو میرے بعد ولیعہد قرار دیں تو مجکو اور امین کو تسلیم کرنا لازم ہوگا۔

اب تک تو بظاہر امین و مامون ملکی تقسیم اور جاہ و اقتدار میں برابر کے حصے دار تھے مگر متعدد تجربوں نے ثابت کر دیا تھا کہ امین خلافت کے بوجھ کو کسی طرح سنبھال نہیں سکتا اسی خیال سے ہارون نے اسکے اختیارات کم کرنے شروع کئے اسی کے ساتھ مامون کو ہر موقعہ پر ترجیح دی اور گویا طریق عمل سے بتا دیا کہ خلافت اعظم کا مستحق مامون ہے نہ امین سنہ ۱۸۹ھ میں بمقام قرماسین علی رؤس الاشہاد ظاہر کیا کہ مال خزانہ اسلحہ اسباب جو کچھ ہے مامون کا ہے پھر تمام دربار سے کہا کہ تم لوگ اسپر گواہ رہو ۱۹۰ھ میں جب روم پر حملہ آور ہوا تو شہر رقہ پر جسکو بجائے بغداد کے دارالخلافہ قرار دیا تہا۔ مامون کو اپنا جانشین کر گیا اور تبرکاً خلیفہ مذکور کی خاتم خلافت بہی عنایت کی امین ان کارروائیوں کو رشک کی نگاہ سے دیکھتا تہا مگر کچھ کہہ نہ سکتا تہا ۱۹۳ھ میں خراسان کے بعض اضلاع میں بغاوت برپا ہوئی جس کے فرد کرنے کو ہارون خود روانہ ہوا۔ راہ میں بیمار ہوا اور تمام ملک میں یہ خبر عام ہوگئی امین کی سازش کے لئے یہ ایک عمدہ موقعہ تہا کیونکہ دربار میں جتنے صاحب منصب تہے سب اس کے طرفدار تہے اور خصوصاً وزیر اعظم فضل بن الربیع تو گویا امین کا دست و بازو تہا وہ عرب کی نسل سے تہا۔ اور امین نے انہی کے اہتمام میں تعلیم و تربیت پائی تہی ہارون کے ساتھ اس وقت اگرچہ امین و مامون دونوں میں سے کوئی نہ تہا مگر فضل بن الربیع کی وجہ سے دربار پر امین کا اثر غالب تہا ہارون کی بیماری کی خبر سنکر امین نے فوراً ایک قاصد روانہ کیا اور بہت سے خطوط دئے جو اہل دربار کے نام تہے۔

ہارون الرشید نے اسی مرض میں ۳ جمادی الثانی سنہ ۱۹۳ھ میں انتقال کیا۔

اس کے مرنے کے بعد قاصد نے امین کے خطوط جن کا مشترک مضمون یہ تہا کہ فوج معہ تمام خزانہ و سلاح و اسباب کے دارالخلافہ بغداد میں حاضر ہو۔ تمام درباریوں کو حوالے کئے افسران فوج اور بعض عمائد اس حکم کی تعمیل میں کسی قدر متامل ہوئے لیکن فضل بن الربیع وہ شخص تہا کہ سارا دربار اس کے اشاروں پر حرکت کرتا تہا اس نے لوگوں کو یقین دلا دیا کہ امین کے سامنے جو خاص دارالخلافہ پر قابض ہیں ملکو

ہرگز فروغ نہیں ہوسکتا۔ چونکہ فوج بھی سکونت کے تعلق سے بغدادہی کی طرف سے تھی امین اپنی تدبیر میں پورا کامیاب ہوا مامون کی بدقسمتی اس سے زیادہ کیا ہوگی کہ فوج وحشم ایک طرف خزانہ عامرہ میں سے جس میں اسباب وجواہرات کے علاوہ پچاس کرور کے صرف درہم و دینار تھے ۔اس کو ایک حبہ بھی نصیب نہ ہوا۔ غرض متفقًا سب نے بغداد کا رُخ کیا۔ مامون کو جو اس وقت مرو میں تھا جب یہ خبر پہنچی تو اراکین دربار کو جمع کیا اور صلاح پوچھی۔ سب نے بڑے جوش سے کہا کہ دو ہزار سوار ساتھ ہوں تو ہم شاہی فوج کو بزور واپس لا سکتے ہیں۔ مگر فضل بن سہل نے جو وزارت اعظم کے پایہ پر ممتاز تھا۔ مامون کو الگ لیجا کر کہا کہ یہ گنتی کے آدمی شاہی فوج پر جنکا شمار نہیں ہوسکتا فتح تو کیا حاصل کر سکتے ہیں جب شکست کھا کر جان سے ناامید ہونگے تو حضور کو امین کے حوالہ کر دینگے۔ کہ اس کارگذاری کے صلہ میں اپنی جانیں بچالیں اگر یہی منظور ہے تو خط بھیجکر پہلے فوج کا عندیہ دریافت کر لیا جائے۔ دو خاص خادم یہ نامہ لیکر گئے فضل بن الربیع نے خط پڑھکر کہا میں تو رائے عام کا پابند ہوں جس طرف سب ہونگے میں بھی ہونگا لیکن عبدالرحمن ایک افسر فوج نے قاصدوں کے پہلو پر نیزہ رکھکر کہا کہ تمہارا آقا ہوتا تو یہ برچھی اُسکے پہلو سے پار ہو چکی ہوتی اب مامون کو چند در چند مشکلوں کا سامنا تھا ادھر تو اسکے مالی اور فوجی دونوں بازو ضعیف تھے اُدھر یہ ڈھنگ دیکھ کر خراسان کی اکثر سرحدی ریاستیں بغاوت پر کمربستہ ہوگئیں۔ مامون خلافت سے یک لخت مایوس ہوگیا اور اگر فضل بن سہل نے نہایت استقلال سے اُس کو تسکین نہ دی ہوتی تو غالبًا وہ حکومت سے دست بردار ہوجاتا اُسنے فضل سے صریح لفظوں میں کہدیا کہ سلطنت مجھ سے نہیں سنبھل سکتی تم سیاہ و سفید کے مالک ہو اور میں عنانِ حکومت تمہارے ہاتھ میں دیتا ہوں۔

فضل کو بظاہر کوئی سہارا نہ تھا اُس نے مامون کے افسران فوج سے جب اعانت کی درخواست کی تو سب نے کانوں پر ہاتھ رکھا اور کہا کہ حاشا ایسے دو بھائیوں کے معاملہ میں کون دخل دے سکتا ہے تاہم فضل کے عزم و ثبات میں ذرا فرق نہ آیا اُس نے اپنے مضبوط اور پیش بین دل سے یہی جواب دیا کہ مامون ضرور کامیاب ہوگا مامون کے ساتھ اگرچہ فوجی جمعیت بہت کم تھی لیکن علماء و فضلاء کا ایک بڑا گروہ موجود تھا جو اُس کی علمی مجلسوں کو رونق دیتا تھا۔ اور جن کے زہد و تقوے کا ملک پر بڑا اثر تھا فضل نے ان مذہبی مخبروں سے جو کام لیا۔ بڑے بڑے فوجی افسروں سے بھی نہیں ہوسکتا تھا یہ لوگ تمام اطراف و دیار میں پھیل گئے اور وعظ و افتا کے ذریعے وہ اقتدار حاصل کیا کہ ان کی ایک صدا پر ملک کا ملک ساتھ ہو گیا۔

مامون نے خود بھی فضل خصومات اور شاہانہ فیاضیوں سے ایسا حسن قبول کیا کہ اسکے عدل و انصاف کے گھر گھر چرچے تھے خصوصاً خراسان کا ایک چوتھائی خراج معاف کر دینے سے تمام ملک اسکے ساتھ جان دینے پر آمادہ ہوگیا اور بڑے جوش سے یہ صدائیں بلند ہوئیں کہ کیوں نہ ہو ہمارا بھانجا اور ہمارے پیغمبر صلعم کے چچا کا بیٹا ہے چونکہ مامون کی ماں عجمی تھی اسلئے تمام ایرانی اسکو اپنا بھانجا کہتے تھے۔

مامون و امین کی مخالفت

امین کو اس کامیابی کے بعد مامون سے کچھ بحث نہیں رہی تھی اُسنے تخت نشینی کے دوسرے ہی دن قصر المنصور کے سامنے ایک گنبد گھر تیار کرایا فرامین بھیجے کہ قوال مسخرے ارباب نشاط جہاں جہاں ہوں انکی تنخواہیں مقرر کر دیجائیں اور دارالخلافہ کو روانہ کئے جائیں ہاتھی عقاب سانپ۔ شیر۔ گھوڑے کی شکل کی کشتیاں بنوائیں اور انہیں بیٹھکر عالم آب کی سیر کرتا تھا۔ ان صحبتوں میں اسکو مامون کا خیال بھی نہیں رہا لیکن فضل بن الربیع جو مامون کی ناکامی کا اصلی باعث تھا اور انہیں کارروائیوں کے صلے میں وزیر اعظم مقرر ہوا تھا مامون کیطرف سے مطمئن نہ تھا اسنے امین کو اس بات پر آمادہ کیا کہ مامون خلافت سے معزول کر دیا جائے۔ امین نے پہلے تو انکار کیا مگر فضل نے کہا کہ اول جو بیعت تمام ملک سے لیگئی وہ آپکے لئے تھی اور غیر مشترک تھی پھر ہارون الرشید کو ہمیں کسی قسم کی تبدیلی کا کیا اختیار تھا یہ بات امین کے دل میں اُتر گئی اور اسپر آمادہ ہوا کہ مامون کو معزول کرکے موسیٰ کے لئے جو اُسکا صغیر سن لڑکا تھا بیعت لے دربار میں اگرچہ زیادہ وہی لوگ تھے جو امین کی ہاں میں ہاں ملاتے تھے تاہم جب عام دربار سے رائے طلب ہوئی تو عبد اللہ بن حازم نے بیباکانہ کہا کہ اسلام میں آجتک کسی نے عہد شکنی نہیں کی آپ یاد رکھیں کہ اسکی تاریخ آپ کے عہد سے شروع ہوتی ہے۔

امین نے خفا ہوکر کہا کہ چپ رہ "عبد الملک مجھسے زیادہ عاقل تھا" اُسکا قول ہے کہ ایک جنگل میں دو شیر نہیں رہ سکتے۔ پھر افسران فوج طلب ہوئے خزیمہ نے صاف مخالفت کی۔ اور کہا کہ اگر آپ مامون کی بیعت توڑتے ہیں تو ہمسے بھی اپنی نسبت کچھہ امید نہ رکھئے۔

امین اُسوقت اس ارادے سے باز رہا مگر فضل بن الربیع کا جادو بے اثر نہیں جاسکتا تھا چند روزوں کے بعد تمام ملک میں احکام بھیجد ئیے کہ خطبوں میں مامون کے بعد موسیٰ کا نام پڑھا جائے۔ مامون اپنی قوت کا اندازہ کرچکا تھا اب اُسنے علانیہ مخالفت کی کارروائیاں شروع کیں۔

امین نے جب شاہزادہ عباس کو مامون کے پاس سفیر کرکے بھیجا کہ موسیٰ کی ولیعہدی تسلیم کرے تو اسنے صاف انکار کیا اسیطرح امین نے خراسان کے بعض اضلاع طلب کئے تو مامون نے قاصدوں سے کہدیا کہ امین کو اس قسم کی خواہشوں سے باز آنا چاہیئے۔

یہ کارروائیاں گویا دیباچہ جنگ تھیں اور اسوجہ سے مامون نے احتیاطاً تمام ممالک میں فرامین بھیجے کہ کوئی شخص جبتک سند اجازت نہ رکھتا ہو یا مشہور تاجر نہ ہو ممالک محروسہ میں داخل نہیں ہو سکتا فوجی افسروں کو تاکید لکھی کہ سرحدی مقامات پر معمول سے زیادہ فوج و سامان تیار رہے۔ طاہر بن حسین کو روانہ کیا کہ جسقدر جلد ممکن ہو رے پہنچکر دشمن کا سدّراہ ہو۔

مامون پر فوج کشی ۱۹۵ھ

امین تو بہانہ ڈھونڈھتا تہا مامون کی گستاخیاں اشتہار جنگ کے لئے اور بھی محرک ہوئیں امین نے وہ دستاویزیں جو معاہدہ بیعت کی نسبت لکھی گئی تہیں مکہ معظمہ سے منگوا کر چاک کر ڈالیں اور موسیٰ اپنے بیٹے کو جو ہنوز پنج سالہ لڑکا تہا ناطق بالحق کا خطاب دیا۔ عمال کو تاکیدی فرمان بھیجے کہ خطبوں میں مامون کی بجائے موسیٰ کا نام پڑھا جائے فوج کو تیاری کا حکم دیا۔ سپہ سالار فوج علی بن عیسیٰ کو دو لاکھ دینار انعام میں دلوائے اور سات ہزار سنہرے خلعتیں معمولی افسروں کو تقسیم کیں کوچ کے دن فوج اس سروسامان سے آراستہ ہو کر نکلی کہ بغداد کے بڑے بڑے معمر اور سن رسیدہ جو فوجی جاہ و حشم کے ہزاروں تماشے دیکھ چکے تہے حیرت زدہ رہ گئے۔ علی بن عیسیٰ روانگی کے وقت زبیدہ خاتون (امین کی ماں) سے رخصت ہونے گیا۔ زبیدہ نے چاندی کی ایک زنجیر منگا کر دی کہ مامون گرفتار ہو تو انہیں مقید کرکے لانا اسکے ساتھ یہ نصیحتیں کیں کہ "امین اگرچہ میرا لخت جگر ہے تاہم مامون کا بھی مجھپر بہت کچھ حق ہے تم جانتے ہو کہ وہ کسکا بیٹا اور کسکا بھائی ہے گرفتار ہو تو پاس ادب ملحوظ رکھنا سخت کہے تو برداشت کرنا راہ میں رکاب تھام کر چلنا کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے تو جانتا ہے کہ اُسکا کیا مرتبہ ہے یاد رکھ کہ تو اُسکا کسی طرح سے ہمسر نہیں ہو سکتا۔ غرض علی پچاس ہزار فوج لیکر رے کیطرف بڑھا۔ راہ میں جو قافلے ملتے تہے متفق اللفظ بیان کرتے تہے کہ طاہر رے میں بڑی تیاریاں کر رہا ہے مگر علی۔ کثرت فوج پر اسقدر مغرور تہا کہ اُس کو مطلق پرواہ نہ تہی وہ برابر بڑھتا ہوا رے کی حد تک پہنچ گیا۔ طاہر کو لوگوں نے رائے دی کہ شہر میں رہکر علی کا مقابلہ کیا جائے کیونکہ ایسی مختصر فوج میدان میں کام نہیں دے سکتی۔ طاہر نے کہا کہ اگر دشمن کی فوجیں

شہر پناہ تک پہنچ گئیں تو اُسکا ظاہری غلبہ دیکھکر خود شہر والے ہمپر ٹوٹ پڑینگے طاہر صرف چار ہزار فوج لیکر باہر نکلا علی بھی قریب پہنچ گیا تہا دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں علی کی فوج نہایت ترتیب سے بڑہی سب سے آگے زرہ پوشوں کا رسالہ تہا پیچھے سو سو قدم کے فاصلے پر دس علم - اور ہر علم کے نیچے سو سوار تھے علموں کے پیچھے خاص شاہی گارد تہا جسکے قلب میں علی تہا اور اسکے پہلو میں بڑے بڑے تجربہ کار افسر تہے - طاہر کی فوج گو نہایت مختصر تہی مگر اسکے پرزور خطبوں نے ہر شخص میں وہ جوش بھر دیا تہا کہ دشمن کی کثرت فوج کا کسی کو خیال ہی نہ تہا سب سے پہلے جس شخص نے صف سے نکلکر لڑائی کی ابتدا کی وہ حاتم طائی - علی کی فوج کا ایک نامور بہادر تہا طاہر نے یہ انتظار نہ کیا کہ اسی کے رتبہ کا کوئی سوار اسکے مقابل ہو اُسکو صرف اپنے زور بازو پر اعتماد تہا خود مقابلہ کو نکلا اور جوش غضب میں آکر دونوں ہاتھوں سے قبضہ پکڑ کر اس زور سے تلوار ماری کہ ایک ہی ضرب نے حاتم کا فیصلہ کر دیا اسی کے صلہ میں زبان خلائق سے اُسکو ذوالیمینین کا لقب ملا یعنی دائیں ہاتھ والا -

اب عام لڑائی شروع ہوئی علی کی فوج نے طاہر کے میمنہ اور میسرہ پر اس زور سے حملہ کیا کہ طاہر کی فوج کے قدم اکھڑ گئے - تاہم وہ بذات خود ثابت قدم رہا اور دوبارہ فوج کو ترتیب دیکر اہل علم پر حملہ آور ہوا اسکے پے در پے حملوں نے علم برداروں کی صفیں اُلٹ دیں پھر کچھ ایسی ہل چل پڑی کہ تمام فوج ابتر ہوگئی علی نے ہزار ہزار سنبھالا مگر سنبھل نہ سکی - اس ہنگامہ میں دفعتًہ ایک تیر آکے لگا - اور علی کا خاتمہ ہوگیا - طاہر نے فتح قطعی حاصل کی اور مامون کو ان مختصر لفظوں میں نامہ فتح لکہا - کتابی الی امیر المومنین وراس علی بین یدی وخاتمہ فی اصبعی وجندہ مصرفون تحت امری یعنی میں امیر المومنین کو خط لکہہ رہا ہوں اور علی کا سر میرے سامنے ہے - اسکی انگوٹھی میری انگلی میں ہے اور اسکی فوجیں میرے زیر حکومت ہیں -

قاصدوں نے رے سے مرو تک کی مسافت جو ڈہائی سو فرسنگ سے کم نہ تہی تین دن میں طے کی اور چوتھے دن مامون کے دربار میں حاضر ہوئے دو دن کے بعد علی کا سر پہنچا بنظر عبرت تمام خراسان میں تشہیر کیا گیا امین حوض کے کنارے کوثر اپنے پیارے غلام کے ساتھ مچھلیوں کا شکار کھیل رہا تہا حوض میں رنگ برنگ کی مچھلیاں پڑی تھیں جنکو سونیکی نتھنیاں پنہائی تھیں نتھنیوں میں بیش قیمت موتی پڑے تہے کہ جسکے شکار میں جو مچھلی آئے موتی بھی اسکو ملے - امین خوبصورت لونڈیوں کے ساتھ ہمیشہ اُسکے کنارے شکار کھیلا کرتا تہا آج بھی وہ اسی شغل میں تہا کہ دفعتًا مسرور نے فوج کی شکست اور علی کے مارے جانے کی خبر سنائی امین نے جھلا کر کہا چپ بھی رہ کوثر دو مچھلیاں پکڑ چکا ہے اور مجھکو صبح سے ابتک ایک بھی نہیں ملی" شکار سے فارغ ہوا تو فضل بن الربیع کو طلب کیا اپنے شکست کی یہ تلافی کی

کہ مامون کے وکیل کو جو بغداد میں تھا پکڑ بلایا اور مال و اسباب کے علاوہ دس لاکھ روپے وصول کئے۔

امین نے ایک اور فوج تیار کی جسکی تعداد بیس ہزار سے کم نہ تھی عبدالرحمن سپہ سالار مقرر ہوا اس زمانہ میں طاہر ہمدان کے قریب مقیم تھا۔ یہ فوج بھی ہمدان کی سرحد پر پہنچکر ٹھیری۔ عبدالرحمن نے اس شہر کو صدر مقام قرار دیا اور ضروری موقعوں پر سوار و پیادے متعین کئے طاہر نے شہر پر حملہ کیا۔ مہینوں محاصرہ رہا آخر عبدالرحمن امن کا طالب ہوا اور شہر چھوڑ کر کسی طرف نکل گیا۔ طاہر قزوین پر بڑھا۔ یہاں کا عامل جسکا نام کثیر تھا اس کی آمد کی خبر سن کر پہلے ہی بھاگ گیا تھا قزوین پر تو قبضہ ہو گیا۔ مگر دفعتاً عبدالرحمن ایک فوج عظیم لے کر پہنچا۔ اور اس تیزی سے حملہ آور ہوا کہ طاہر کی فوجیں ہتھیار بھی نہ سنبھال سکیں صرف پیادوں کی جماعت مسلح تھی وہ نہایت ثابت قدمی سے لڑی اتنے فرصت پاکر سواروں نے بھی ہتھیار سنبھالے اور سخت معرکہ ہوا عبدالرحمن کی فوج نے شکست کھائی۔ تاہم وہ ثابت قدم رہا اور جب اس کے ساتھیوں نے کہا لڑنا بے سود ہے بھاگ چلئے۔ تو اس نے نہایت غیظ سے کہا کہ میں خلیفہ امین کو شکست کھایا ہوا منہ دکھانا نہیں چاہتا۔ نہایت بہادری سے لڑا اور مارا گیا۔

اس فتح نے دور دور تک طاہر کا سکہ بٹھا دیا جبل کے تمام علاقے اس کے قبضے میں آگئے تاہم یہ شکستیں امین کے حوصلے کو پست نہ کر سکیں اس نے ایک اور عظیم الشان فوج آراستہ کی جو بغداد میں کم و بیش چالیس ہزار تھی سپہ سالار دو مقرر کئے جو دولت عباسیہ کے مشہور اور نامور افسر تھے یعنی احمد بن زید و عبدالرحمن بن حمید۔ طاہر ان بہادروں کا کسی طرح مقابلہ نہیں کر سکتا تھا اور اس بات کو وہ خود بھی سمجھ گیا تھا اب اسنے تلوار کے بدلے تدبیر سے کام لیا جعلی خطوط اور قاصدوں کے ذریعہ سے ان دونوں افسروں میں پھوٹ ڈالدی اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ خود یہ دونوں آپس میں لڑ گئے مدتوں تک ایک دوسرے کے مقابلہ میں شجاعت کے جوہر دکھاتے رہے اور جس طاقت سے طاہر کے مقابلے کو آئے تھے باہم گر صرف کر کے بغداد واپس گئے۔

ان فتوحات نے مامون کی امیدیں وسیع کر دیں۔ امیر المومنین کا لقب اختیار کیا اور درباریوں کو بڑے بڑے عہدے دئے فضل کو ان تمام ممالک کا گورنر مقرر کیا جو ہمدان سے تبت تک طول میں اور بحر فارس سے جرجان و بحر دیلم تک عرض میں خاص خلافت مامونیہ کے زیر نگین تھے اسکے ساتھ ذوالریاستین کا لقب دیا اور تیس لاکھ درہم ماہوار تنخواہ مقرر کی۔ اسی طرح حسن بن سہل کو وزیر الخراج۔ علی بن ہشام کو وزیر الحرب۔ نعیم کو وزیر القلم مقرر کیا۔

اہواز۔ بصرہ۔ بحرین۔ عمان وغیرہ

طاہر خود شلاشان ہی میں ٹھیرا۔ اور ہرثمی کو اہواز پر بہیجا۔ محمد بن یزید بن حاتم المہلبی جو امین کا عامل تہا اسی اطراف میں موجود تہا۔ ہرثمی کی آمد سنکر اہواز پہنچا اور قلعہ بندی شروع کی۔ مگر اسکے دوسرے ہی دن ہرثمی اور قریش (جسکو طاہر نے ایک فوج گراں کے ساتھ ہرثمی کی مدد کو بہیجا تہا) پہنچے۔ نہایت سخت معرکہ ہوا محمد کی فوج نے شکست کھائی۔ مگر وہ خود چند جاں نثار غلاموں کے ساتھ میدان جنگ میں کہڑا رہا۔ اگرچہ فتح سے نا امید ہو چکا تہا تاہم اُسنے اپنے غلاموں سے کہا کہ جو بہاگ گئے اُنکے واپس پہرنے کی امید نہیں جو ساتھ ہیں اُن کا ثابت قدم رہنا یقینی نہیں میں تو لڑکر مارا جاؤنگا تمکو اجازت ہے جدہر چاہو چلے جاؤ میں تمہارے مرنے سے بہرحال تمہارا زندہ رہنا زیادہ پسند کرتا ہوں سبنے متفق اللفظ کہا کہ آپکے بعد دنیا اور زندگی دونوں پر لعنت ہو" محمد اور اسکے جاں نثار غلام گہوڑوں سے اتر پڑے اور پیادہ حملہ آور ہوئے اگرچہ محمد نے طاہر کے بہت سے آدمی ضائع کئے مگر خود جانبر نہو سکا محمد عرب کے مشہور خاندان آل مہلب سے تہا جسکی دلیری اور بہادری عرب کے کارناموں میں ضرب المثل کی طرح مشہور ہے۔ اور چونکہ وہ خود بہی شجاع اور یادگار سلف تہا طاہر کو بہی اسکے مارے جانے کا افسوس رہا اس فتح نے اہواز۔ یمامہ۔ بحرین۔ عمان تک مطلع صاف کر دیا اور یہ تمام علاقے طاہر کے قبضے میں آگئے اب وہ واسطہ کی طرف بڑہا۔ یہاں کا عامل پہلے ہی بہاگ گیا تہا کوفہ۔ بصرہ۔ موصل کے عاملوں نے خود طاہر کے پاس اطاعت کے خط بہیجے اور جب ۱۹۶ھ تک طاہر کی فتوحات سے صرف بغداد اور اسکے متعلقات بچ رہے مدائن میں برمکی نے بہت کچھہ تیاریاں کیں دار الخلافہ سے بہی ہر روز مدد چلی آتی تہی مگر طاہر کا کچھہ ایسا رعب چھا گیا تہا کہ جب برمکی اسکے مقابلے کو نکلا تو فوج کی صفیں بہی درست نہ ہو سکیں ایک کو سنبہالا تو دوسری ابتر ہو گئی مجبور ہو کر خود سب کو اجازت دیدی کہ جہاں چاہیں چلے جائیں۔

ان فتوحات کی شہرت عام ہوتی جاتی تہی۔ اور ملک میں مامون کا اقتدار بڑہتا جاتا تہا۔ حرمین میں بہی اس کا سکہ وخطبہ جاری ہو گیا۔ داؤد جو مکہ معظمہ کا حاکم تہا اس نے تمام اعیان عرب کو جمع کیا اور مجمع عام میں ایک پر اثر تقریر کی۔ جب امین کی برائیاں کیں تو ان فقروں نے ساری مجلس کو کپ کپا دیا کہ یہ وہی امین ہے جس نے حرمت حرم کا بہی خیال نہ کیا۔ اور معاہدوں کی تصدیق صحن کعبہ میں ہوئی تہی اُن کو چاک کر کے آگ میں جلا دیا۔ داؤد اس تقریر کے بعد ممبر پر چڑھ گیا اور سر سے ٹوپی اُتار کر پہینک دی کہ اسطرح میں

امین کو خاک پر پھینکتا ہوں سب نے غائبانہ مامون کے لئے بیعت کی مامون کو جب یہ خبر پہنچی تو داؤد کو پانچ لاکھ درہم بطور نذر کے بھیجے اور مکہ کی حکومت اس پر مستزاد کی چند روز کے بعد یمن وغیرہ کے عمال نے بھی طاہر کی اطاعت قبول کی۔ اور امین کی حکومت بغداد تک رہ گئی۔ تاہم اس نے ایک عظیم الشان لشکر جس میں قریباً چار سو افسر تھے علی بن محمد کی ماتحتی میں ہرثمہ کے مقابلہ کو روانہ کیا۔ رمضان ۱۹۶ھ میں بمقام نہروان دونوں فوجیں مقابل ہوئیں امین کی یہ اخیر کوشش بھی کچھ کامیاب نہ ہوئی۔ فوج نے شکست کھائی اور علی زندہ گرفتار ہوا۔ اب صرف یہ تدبیر باقی رہ گئی کہ مال و زر کی طمع دلا کر دشمن کی فوج توڑ لی جائے امین کے خزانہ عامرہ میں ہارون الرشید کے زمانہ کا اب بھی بہت اندوختہ موجود تھا جو اس ضروری موقعہ پر تیغ و خنجر سے زیادہ کام آیا۔ قریباً پانچ ہزار آدمی اس طمع پر طاہر کا ساتھ چھوڑ کر دار الخلافہ بغداد میں حاضر ہوئے امین نے خطوط میں جو وعدے کئے تھے اس سے بھی زیادہ انعام و صلہ دیا اور فخر کے طور پر ان کی ڈاڑھیاں مشک سے رنگوائیں۔ یہ لوگ اور بہت سی فوج لے کر طاہر سے لڑنے کے لئے روانہ ہوئے صرصر میں مقابلہ ہوا مگر نتیجہ جنگ نے ثابت کر دیا کہ جو لوگ طاہر کے ساتھ دغا کر چکے تھے وہ امین کے ساتھ بھی وفاداری نہیں کر سکتے تھے۔ طاہر نے فتح قطعی حاصل کی اور بیشمار غنیمت ہاتھ آئی امین نے اب ایک نئی فوج تیار کی جس میں حوالی بغداد کے عوام بھرتی تھے۔ انہیں میں سے کمانیر و جنرل بھی مقرر کئے اور ایک ایک کو گرانبہا انعامات سے مالا مال کر دیا قدیم افسر جو ان فیاضیوں سے محروم رہے نہایت ناراض ہوگئے ادھر طاہر نے ان سے خط و کتابت شروع کی جس کا یہ اثر ہوا کہ وہ علانیہ باغی ہوگئے درباریوں نے عرض کیا کہ انعام و صلہ کی طمع دلا کر ان کو قابو میں لانا چاہئے لیکن امین کو اپنی نوآزمودہ فوج پر اسقدر ناز تھا کہ اسنے قدیم تجربہ کار لشکر کی کچھ پرواہ نہ کی۔ اور ان نوآزمودوں کو حکم دیا کہ باغیوں کو گرفتار کر لائیں ادھر امین کی پرانی اور نئی فوجیں باہم معرکۃ الآرا تھیں ادھر طاہر بے روک ٹوک بڑھتا چلا آیا اور ذوالحجہ ۱۹۶ھ میں باب الانبار پہنچکر ایک باغ میں مقام کیا امین کے بہت سے افسر اسکے پاس حاضر ہوگئے اور بڑے بڑے انعامات و صلے حاصل کئے۔

بغداد کا محاصرہ ۱۹۷ھ

اگرچہ امین کی تمام قوت صرف ہو چکی تھی۔ اور بظاہر دار الخلافہ میں کوئی شخص طاہر کا سدراہ نہ تھا تاہم طاہر نے نہایت احتیاط سے کام لیا۔ بغداد ایک مدت سے خلفائے عباسیہ کا پایۂ تخت اور ان کی طاقت کا اصلی مرکز تھا۔ خاص شہر کی آبادی دس لاکھ سے کم نہ تھی جن میں اکثر مسلمان تھے اور سپہ گری کا فطرتی

جوہر کہتے تھے اس لحاظ سے بغداد پر قبضہ حاصل کرنا کچھ آسان کام نہ تھا۔ طاہر نہایت تدبیر سے چلا بڑے بڑے نامور افسر جو ساتھ تھے ان کو خاص خاص حصوں پر متعین کیا۔ اور یہ حکم دیا کہ جو لوگ حلقہ اطاعت میں آئیں ان کو امن دیا جائے باقی حصّوں پر منجنیقوں کے ذریعہ سے آگ اور پتھر برسائیں اور تمام عمارتوں کو خاک کے برابر کردیں نہایت سفاکی اور بیرحمی سے ان احکام کی تعمیل ہوئی ہزاروں عالیشان مکان برباد کردئے گئے محلے کے محلے تباہ ہوگئے۔ افراہمر۔ محمد بن عیسےٰ سعید بن مالک نہایت دلیری سے لڑے مگر عاجز ہو ہو کر طاہر کی پناہ میں آتے گئے۔ رفتہ رفتہ عبداللہ۔ یحییٰ بن ہامان۔ محمد طائی وغیرہ نے بھی جو امین کے ارکان خلافت تھے اطاعت قبول کی صرف شہر کے اوباش اور عیار باقی رہ گئے جو طاہر کے سدراہ تھے۔ لیکن ان کے زیر کرنے میں طاہر نے جو دقتیں اٹھائیں بڑے بڑے معرکوں میں نہیں اُٹھائی تھیں قصر صالح پر ان لوگوں نے اس دلیری سے مقابلہ کیا کہ طاہر کی بہت سی فوجیں ضائع ہوئیں اور چند مشہور افسر مارے گئے مورخین کا بیان ہے کہ علی کے معرکہ سے لیکر آجتک طاہر کو کبھی ایسی سخت لڑائی کا سامنا نہیں ہوا تھا اس شکست کے انتقام میں طاہر نے حکم دیا کہ دجلہ سے والرقیق تک اور باب الشام سے بالکوفہ تک جس قدر آبادی ہے کلیتًا برباد کردی جائے۔ اس پر بھی جب اہل شہر مطیع نہ ہوئے تو گذرگاہوں پر پہرے بٹھادئے کہ باہر رسد کی کوئی چیز نہ آنے پائے لیکن عیار اب بھی زیر نہ ہوئے۔ قصر شماسیۃ پر طاہر نے عبداللہ کو متعین کیا تھا عیاروں نے اسکو سخت شکست دی اور جب طاہر کی طرف سے ہرثمۃ مدد کو آیا تو عیاروں نے اسکو زندہ گرفتار کرلیا۔ طاہر خود گیا تو بڑے سخت معرکہ سے عیار پیچھے ہٹے۔

پورے برس دن معرکہ رہا اور دارالاسلام بغداد ایک ویرانہ سے بدتر ہوگیا ایسا معمور اور پر رونق شہر دور دور تک کف دست میدان پڑا تھا امین کے عالیشان قصر و محل جو تقریبًا دو کروڑ کے صرف میں تیار ہوئے تھے انکے صرف کھنڈر باقی رہ گئے اہل شہر پر جو سختیاں گذریں انکا اندازہ کون کرسکتا ہے سینکڑوں گھرانے برباد ہوگئے ہزاروں بچے یتیم بن گئے۔ ہر گلی کوچہ میں دردناک آوازیں بلند تھیں شعرا نے نہایت جانکاہ مرثیے لکھے۔ جرمی کا ایک قصیدہ اب بھی موجود ہے جو ۱۱۵ شعروں کا ہے اور اس قیامت انگیز واقع کی پوری تصویر ہے بغداد اتنا کچھ برباد ہوچکا تھا تاہم طاہر کو شہر میں داخل ہونے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ اور اگر خزیمۃ جو امین کے درباریوں میں نہایت بااثر شخص تھا ساتھ نہ دیتا تو بغداد کی فتح میں شاید بہت زیادہ دیر لگتی خزیمۃ ۲۲ محرم ۱۹۸ھ کو مشرقی دروازہ سے بغداد میں داخل ہوا اور دجلہ پر علم نصب کرکے اعلان کیا کہ خلیفہ امین معزول

کر دیا گیا اس اشتہار سے شہر کا مشرقی حصہ گویا کامل طور سے فتح ہو گیا دوسرے دن طاہر نے مغربی حصہ پر حملہ کیا بازار کرخ کے متصل سخت معرکہ ہوا طاہر نے قصر الوضاح پر تھوڑی فوج متعین کی اور بذاتِ خود مدینۃ المنصور قصر زبیدہ۔ قصر الخلد کا محاصرہ کیا۔ یہ عالیشان ایوانات جو خلفائے عباسیہ کے یادگار تھے بجائے خود ایک شہر تھے اور ان کے گرد جدا جدا شہر پناہ تھی۔

عبرت۔ اس محاصرہ میں ابراہیم بن المہدی جو ہارون الرشید کا بھائی اور فن موسیقی میں یگانہ روزگار تھا امین کے ساتھ تھا۔ اس کا بیان ہے کہ ایک رات امین دل بہلانے کے لئے محل سے باہر نکلا اور مجھے مخاطب ہو کر کہا کہ ابراہیم۔ دیکھیے! کیا سہانی رات ہے چاند کیسا صاف اور روشن ہے دجلہ پر اسکا عکس پڑتا ہے تو کیسا خوشنما معلوم ہوتا ہے ایسے پرلطف وقت میں کیا چیز ضرور ہونی چاہیے؟ شراب۔ میں نے کہا سمعا وطاعۃ۔

غرض شراب آئی۔ امین نے میری طرف پیالہ بڑھایا میں نے نہ مرنے میں آکر چند اشعار گائے۔ امین نے کہا۔ نغمہ ہے تو ساز بھی ہونا چاہیے۔ حسب الطلب ایک مغنیہ کنیز آئی۔ امین نے نام پوچھا تو اُسنے کہا ضعف۔ امین اس منحوس نام سے متوحش ہوا۔ پھر کچھ گانے کی فرمایش کی تو یہ شعر گائے ؎

کلیب لعمری کان اکثر ناصرا　　　وایسر جرما منک ضرج بالدم

یعنی اپنی عمر کی قسم۔ کلیب کے مددگار زیادہ تھے اور وہ تجھ سے زیادہ مدبر اور عاقل بھی تھا۔ تاہم خون میں رُلایا گیا۔ امین اور مکدر ہوا۔ اور دوسری چیز گانے کی فرمایش کی اُسنے یہ شعر گایا۔

ابکی فراقھم عینی فارقھا　　　ان التفرق للاحباب بکاء

یعنی ان لوگوں کے فراق نے میری آنکھوں کو رُلایا۔ اور نیند کھو دی۔ جُدائی دوستوں کو سخت رُلانے والی چیز ہے۔ امین نہایت منغص ہوا اور خفا ہو کر کہا کمبخت تجھے اسکے سوا اور بھی کچھ گانا آتا ہے۔ اُس نے عرض کیا میں نے وہی اشعار گائے کہ حضور ان کو سنکر خوش ہوں۔ پھر اُس نے اور چند ایسے ہی دردناک اشعار گائے امین نے نہایت غصہ میں آکر کہا۔ ملعونہ دور ہو۔ اُٹھی تو ایک بلور کے پیالے سے جو نہایت خوبصورت بنا ہوا تھا اور امین اسکو زب رباح کہا کرتا تھا ٹھوکر کھا کر گری۔ اسکے صدمہ سے پیالہ بھی ٹوٹ گیا۔ امین میری طرف مخاطب ہوا کہ دیکھتے ہو! آج کیا باتیں پیش آتی ہیں۔ غالباً اب میرا وقت پورا ہو چکا ہے اسی گفتگو میں کسی طرف سے آواز آئی قضی الامر الذی فیہ تستفتیان یعنے جس امر میں تم دونوں بحث کرتے ہو طے ہو گیا۔ امین نے مجھ سے کہا کچھ سنا بھی میں نے عرض کیا کہ مجھ کو تو کوئی چیز سنائی نہیں دی۔ تاہم اُٹھکر

میں نہر کے قریب گیا۔ وہاں کوئی نظر نہ آیا تو واپس آکر پھر باتوں میں مشغول ہوا۔ دوبارہ پھر وہی آواز آئی امین زندگی سے مایوس ہوکر اٹھا اس واقعہ کے دو ہی تین دن کے بعد قتل کیا گیا۔

اس یاس اور ناامیدی میں امین کو بھائی یاد آیا اسنے طاہر کو ایک خط لکھا جسکا مضمون یہ تھا "آپس کی خانہ جنگیوں سے یہ نوبت پہنچی کہ اب عزت اور ناموس کی طرف سے بھی اندیشہ ہے مجھکو ڈر ہے کہ یہ موقع دیکھکر غیروں کو خلافت کی ہوس نہ پیدا ہو بہرحال میں اسپر راضی ہوں کہ تو مجھکو امان دے تو بھائی مامون کے پاس چلا جاؤں اگر اس نے عنایت کی تو اسکے رحم اور فیاض دلی سے یہی توقع ہے۔ اگر قتل کرا دیا تو گویا ایک زور نے دوسرے زور کو توڑا اور تلوار نے تلوار کو کاٹا اگر شیر پھاڑ ڈالے اس سے اچھا ہے کہ مجھکو کتا نوچ کھائے یہ یقینی ہے کہ امین اگر مامون تک پہنچ جاتا تو مامون کی رحمدلی اور برادرانہ الفت کا جوش پھر بھی مشتعل ہوتا۔ اور اگر تخت خلافت کی عزت نہ ملتی تو کم سے کم اسکی جان ضرور بچ جاتی لیکن طاہر نے جسکی قسمت میں تھا کہ ایک خلیفہ ہاشمی کا قاتل کہلائے اس درخواست کو نامنظور کیا۔

امین کا قتل ۲۵ محرم سنہ ۱۹۸ھ

طاہر کے پیہم حملوں نے امین کے طرفداروں کو یقین دلا دیا کہ اب انکے روکنے کی کوشش قریبًا بیکار ہے محمد بن حاتم بن الصقر و محمد بن اغلب افریقی جنکی پامردی سے طاہر ابتک امین پر دسترس نہیں پا سکتا تھا۔ اب وہ بھی ہمت ہار گئے اور امین کے پاس حاضر ہوکر عرض کیا کہ "نمکخواروں نے کورنمکی کی دشمن حریم شاہی تک پہنچ گیا اب صرف یہ تدبیر ہے کہ رفقا میں سے سات ہزار جاں نثار خاص انتخاب کر لیے جائیں جنکے لیے اصطبل خاصہ میں اسی تعداد کے گھوڑے موجود ہیں انہیں کی حفاظت میں حضور رات کے وقت یہاں سے نکلجائیں اسکے ہم ذمہ دار ہیں کہ طاہر یا کوئی اور شخص ہمارے روکنے کا حوصلہ نہیں کر سکتا۔ شام کا ملک سامنے ہے حضور وہیں کا قصد کریں وہاں اسقدر خزانہ و مال موجود ہے کہ ہم اپنی قوت کافی طور سے بڑھا سکتے ہیں اور پھر دشمن کے حملوں سے بھی کچھ خوف نہ ہوگا" امین نے یہ رائے تسلیم کی اور مصمم ارادہ کر لیا کہ دارالخلافہ چھوڑکر کسی طرف نکلجائے طاہر کو یہ خبر پہنچی تو اسنے سلیمان بن منصور و محمد بن عیسے وغیرہ کو بلا بھیجا یہ لوگ ظاہر میں امین کے ساتھ تھے اور اسکے پاس آمد و رفت رکھتے تھے لیکن جان کے خوف سے طاہر کے خلاف کوئی بات نہیں کر سکتے تھے طاہر نے ان لوگوں سے کہا کہ "اگر امین بچکر نکل گیا تو تمکو اپنی زندگی سے مایوس رہنا چاہیے جسطرح بنے اسکو اس ارادے سے باز رکھو مجبورًا یہ لوگ امین کے پاس حاضر ہوئے اور کہا جن لوگوں نے حضور کو یہ رائے دی خود غرضی سے دی چونکہ طاہر کے مقابلے میں زیادہ تر انہیں لوگوں نے سرگرمی دکھائی

ہوا انکو یقین ہو کہ اگر اسنے فتح پائی تو پہلے ہمیں کی خبر لیگا اسلئے یہ چاہتے ہیں کہ جب حضور شام کے قصد سے حریم خلافت
سے باہر نکلیں تو گرفتار کر کے طاہر کے حوالے کر دیں اور اس کارگذاری کے صلہ میں اُس سے عفو تقصیر کے خواستگار
ہوں بہتر یہ ہو کہ حضور تخت خلافت سے الگ ہو جائیں اور اپنے کو طاہر کے ہاتھ میں دیدیں وہ آپکا ادب ملحوظ رکھیگا
اور مامون کے تو پورا امید ہو کہ برادرانہ سلوک کرے امین اس فریب کو نہ سمجھ سکا اور یہ رائے بھی مان لی اسقدر اختلاف
کیا کہ بجائے طاہر کے ہرثمہ کو اختیار کرنا چاہیے ان جاں نثاروں محمد بن حاتم و محمد بن ابراہیم کو جب اس ارادہ کا
حال معلوم ہوا تو امین کے پاس آئے اور عرض کیا کہ "اگر حضور نے ہم خیرخواہوں کا کہنا نہ مانا اور خودغرضوں کی رائے قبول
کی تو طاہر سے براہ راست معاملہ کرنا چاہیے" امین نے کہا میں نے ایک خواب دیکھا ہو اسوقت سے طاہر کا نام سنکر
مجکو وحشت ہوتی ہو میں نے دیکھا کہ ایک بڑی اینٹ چوڑی دیوار ہو جسکی بلندی آسمان تک پہنچی ہو میں اُس دیوار پر لباس
شاہانہ پہنے تلوار لگائے کھڑا ہوں۔ بن دیوار طاہر استادہ ہو اور دیوار کی جڑ کھود رہا ہو بالآخر وہ گر پڑی جسکے ساتھ میں
بھی نیچے آیا اور تاج شاہی سر سے گر گیا" اس خواب کے بعد سے طاہر کے خیال سے میں چونک پڑتا ہوں۔ ہرثمہ
اس خاندان کا نمک پروردہ قدیم ہو اور میں اسکو مثل سجائی ہارون الرشید کے برابر سمجھتا ہوں۔

امین اسی رائے پر قائم رہا اور ہرثمہ سے امان طلب کی اس نے نہایت اخلاص ظاہر کیا اور جواب میں لکھا
کہ "آپ اطمینان رکھیں کوئی شخص آپکا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔ خود مامون نے بھی اگر کچھ برا ارادہ کیا تو میں سینہ سپر
ہونگا اور جب تک دم میں دم ہو ساتھ دونگا"، طاہر کو یہ خبر پہنچی تو نہایت طیش میں آیا اور کہا کہ "یہ کبھی نہیں ہو سکتا
کہ آجتک تمام معرکوں میں میں نے جانبازی کی ہو اور امین کا ہاتھ آنا جو خاتمہ فتح ہو ہرثمہ کو نصیب ہو" اس نزاع
کے فیصلہ کرنے کے لیے چند بنی ہاشم شامل تھے بالآخر اس فیصلے میں کہ امین بذات خود ہرثمہ کے پاس چلا آئے اور
چھڑی و چادر و انگشتری و جو سند خلافت ہیں طاہر کے پاس بھیجدے مگر افسوس ہو امین کی بدقسمتی نے اس
تجویز کو بھی چلنے نہ دیا۔ ہرش ایک شخص نے جو اس سے پہلے امین کا معتمد خاص تھا۔ اور اب طاہر سے مل گیا تھا
اپنا تقرب بڑھانے کے لئے طاہر سے کہا کہ "آپ کو دھوکہ دیا گیا ہے لوگوں نے بندوبست کر لیا ہو کہ امین کے ساتھ
خاتم خلافت وغیرہ بھی ہرثمہ کے ہاتھ آئے۔ طاہر نہایت برافروختہ ہوا اور تیراندازوں کا ایک دستہ متعین
کر دیا کہ خفیہ طور سے قصر الخلد و قصر زبیدہ کی حفاظت رکھے اور ان کو تاکید کی کہ امین نکلکر جانے نہ پائے محرم ۱۹۸ھ
کو ۲۵ تاریخ ہفتہ کی رات قریبًا دس بجے امین نے ہرثمہ کے پاس جانے کا ارادہ کیا۔ مگر اس نے کہلا بھیجا کہ "دجلہ

سلہ ہرثمہ نسبًا ہاشمی تہا اور چونکہ امین ہمیشہ سے اس سے زیادہ مانوس تہا اس موقع پر بھی اسی سے طالب امن ہوا ۱۲

پر طاہر نے فوج متعین کر دی ہے آج کی رات حضور اور توقف فرمائیں توکل میں فوج وحشم سے تیار رہوں اور اگر مقابلہ کی نوبت آئے تو سینہ سپر ہو کر لڑوں " امین ایسے اضطراب وخوف کی حالت میں تھا کہ دار الخلافہ میں ایک لحظہ بھی ٹھیرنا اسکو گراں تھا اس نے قاصد سے کہا کہ " اس اضطراب میں کس سے رات کٹ سکتی ہے۔ بلائے یا نہ بلائے میں تو اسی وقت ہرثمہ کے پاس جاتا ہوں " امین کا یہ آخری دربار تھا کہ وہ حریم خلافت سے رخصت ہوتے وقت صحن القصر کے صحن میں ایک کرسی پر بیٹھا اور چند خدام اس کے سر پر گرز لئے کھڑے ہوئے اس نے اپنے دونوں بیٹوں کو بلایا اور سینے سے لپٹا کر پیار کیا ان کی پیشانی اور رخساروں پر بوسے دئے اور پھر گلے سے لگا کر خوب رویا۔ اور نہایت حسرت کے ساتھ یہ کہہ کر رخصت کیا کہ جاؤ خدا کو سونپا " امین جب کبھی سوار ہوتا تھا تو ہزاروں زریں کمر بستہ غلام رکاب کے برابر چلتے تھے جن کی زرق برق پوشاکیں اور چمکتے ہوئے مرصع ہتھیاروں سے تمام میدان چمک جاتا تھا۔ آج وہ اس حال سے دجلہ کی طرف چلا ہے کہ خادم کے ہاتھ میں صرف ایک شمع ہے جو راستہ دکھائی دینے کے لئے قصر خلد سے ساتھ آئی ہے دجلہ کے کنارے پر پہنچا تو ہرثمہ آدمیوں کے ساتھ اس کے لینے کو پہلے موجود تھا۔ یہ لوگ کشتی پر سوار تھے امین کو آتے دیکھکر سب تعظیم کو اُٹھے۔ ہرثمہ کو چونکہ نقرس کی شکایت تھی آداب شاہی نہ بجا لا سکا۔ اور گھٹنوں کے بل کھڑے ہو کر معافی مانگی کہ " بیماری کی وجہ سے معذور ہوں امین جب کشتی میں داخل ہوا تو ہرثمہ نے اپنی آغوش میں لیا " ہاتھ اور پاؤں کو بوسے دئے۔ اور ادب آمیز پیار سے کہتا جاتا تھا میرے آقا میرے مالک میرے سردار " ہرثمہ نے کشتی کے بڑھانے کا حکم دیا کہ دفعتًا طاہر کے آدمیوں نے ہر طرف سے گھیر لیا اور اسقدر پتھر برسائے کہ تمام تختے ٹوٹ گئے۔ ہرثمہ کو ملاحوں نے باہر نکالا۔ امین جس کا کوئی دستگیر نہ تھا کپڑے پھاڑ کر نکلا ہوا۔ اور ڈوبتا تیرتا کنارے پر پہنچا۔ احمد بن سلام کا بیان ہے کہ امین کے ساتھ میں ہی کشتی میں تھا۔ لوگ مجکو طاہر کے ایک افسر کے پاس پکڑ کر لے گئے جب اُس کو یہ معلوم ہوا کہ میں ہی امین کے ساتھ تھا تو میری گردن مارنے کا حکم دیا میں نے دس ہزار درہم کے وعدے پر جان بچائی۔ اور ضمانت میں قید رکھا گیا۔ شام ہوئی تو عجم کے چند سوار آئے اور اس حال میں امین کو گرفتار کئے ہوئے لائے کہ بدن سے ننگا صرف ایک پائجامہ پہنے تھا سر پر ایک عمامہ اور کاندھے پر ایک بوسیدہ چادر تھی عمامہ سے اُس نے اپنا چہرہ چھپا لیا تھا۔ میں جس حجرہ میں محبوس تھا اسی میں امین کو بھی بٹھا کر چلے گئے۔ اور دربانوں سے تاکید کرتے گئے کہ نہایت احتیاط رکھیں ان لوگوں کے چلے جانے پر امین ذرا مطمئن ہوا اور چہرے سے نقاب اُلٹی میں نے پہچانا تو بے ساختہ رو پڑا۔ امین نے میرا نام پوچھا۔ میں نے کہا

"حضور کا نمک خوار غلام - احمد بن سلام" امین نے کہا ہاں میں نے پہچانا بھائی غلامی کیسی - اس وقت تو تم میرے برادر اور قوتِ بازو ہو مجھے ذرا سینے سے لگالو مجھ کو سخت وحشت ہو رہی ہے میں نے لپٹایا تو اسکا کلیجہ دھڑ دھڑ کرتا تھا - پھر پوچھا کہ "مامون کا کچھ حال معلوم ہے میں نے کہا زندہ ہے" کہنے لگا خدا برچہ نویسوں کا بُرا کرے کمبختوں نے خبر دی تھی کہ مر گیا" میں نے کہا "خدا آپ کے وزیروں کا بُرا کرے - امین نے کہا "وزیروں کو کچھ نہ کہو ان کا کیا گناہ ہے - کچھ میں ہی پہلا شخص نہیں ہوں جو اپنے ارادے میں ناکام رہا ہو پھر مجھسے پوچھا کہ "کیوں احمد! لوگ مجھکو قتل کر ڈالیں گے؟ یا اپنے عہد پر قائم رہیں گے" میں نے تسکین دی کہ "نہیں ضرور اپنے اقرار کی پابندی کرینگے -

چونکہ شدت کی سردی تھی اور پانی میں بھیگا ہوا تھا چادر میں لپٹا جاتا تھا - میں نے اپنا شلوکہ اُتار کر دیا کہ اسکو بدن پر ڈال لیجیے اس نے نہایت شکر گذاری سے کہا کہ "بھائی اس موقع پر تو یہ بھی خدا کی بڑی نعمت ہے آدھی رات گذری ہوگی کہ چند اہل عجم ننگی تلواریں لیے آئے اور دروازے پر ٹھیرے - امین یہ دیکھ کر کھڑا ہو گیا اور نہایت اضطراب سے انا للہ پڑھتا جاتا تھا - اور یہ کہتا تھا "ہائے میری جان مفت جاتی ہے کیا کوئی شخص یاور نہیں - کیا کوئی فریادرس نہیں" امین گو عیش پرست اور نازک اندام تھا مگر اس کے ساتھ نہایت شجاع اور قوی بھی تھا اس بیکسی میں بھی قاتلوں کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ آگے بڑھیں ہر شخص دوسرے پر ٹالتا تھا - امین نے بجائے سلاحِ جنگ کے ہاتھ میں ایک تکیہ اٹھا لیا اور یہ کہتا جاتا تھا کہ میں تمہارے نبی کا ابن عم ہوں ہارون الرشید کا فرزند ہوں - مامون کا بھائی ہوں میرا خون کسی طرح حلال نہیں" بالآخر ایک شخص تلوار لے کر بڑھا اور امین کے سر پر ماری - اس گستاخی اور جرأت نے امین کو یقین دلا دیا کہ اس کی دردناک فریاد ان سنگدلوں پر کچھ اثر نہیں کر سکتی وہ مرنے کے لیے تیار ہوا مگر ایسا ہی مرنا جیسا کہ ایک عباسی شہزادہ کو درکار تھا اب اسکی نزاکت غضبناک جرأت سے بدل گئی دلیرانہ بڑھا - اور چونکہ تنہا تھا چاہا کہ حریف کی تلوار چھین کر ہاشمی جرأت کے جوہر دکھائے یہ دیکھ کر گروہ کا گروہ دفعتاً اس پر ٹوٹ پڑا ایک شخص نے کمر پر تلوار ماری پھر سب نے ملکر پچھاڑا اور الٹی طرف سے ذبح کیا - طاہر کے پاس سر لائے تو اس نے حکم دیا کہ ایک برج پر لٹکا دیا جائے تمام بغداد یہ عبرت انگیز تماشا دیکھنے آیا - طاہر یہ کہہ کر لوگوں سے اپنی کارروائی کی داد چاہتا تھا کہ "یہ خلیفہ معزول کا سر ہے" طاہر نے مامون کو ان دلچسپ اور مختصر لفظوں میں نامہ فتح لکھا میں امیر المومنین کے حضور میں دنیا اور دین دونوں پیشکش بھیجتا ہوں" دنیا سے مظلوم امین کا سر مراد تھا - اور دین سے چادر اور خاتم خلافت وذو الفقار یا تین

نے امیر کا سر ایک سپر پر رکھ کر مامون کے سامنے پیش کیا۔ اس غیر متوقع فتح کی خوشی نے مامون جیسے رقیق القلب شخص کو بھی ایسا سنگدل بنا دیا کہ اس نے اپنے بھائی کے خون آلود سر کو مسرت کی نگاہ سے دیکھا اور جوش خوشی میں سجدۂ شکر ادا کیا قاصد کو مژدۂ فتح کے صلہ میں دس لاکھ درہم انعام دئے اسی تقریب سے ایک بڑا دربار منعقد کیا اور تمام ارکین دولت وافسران فوج مبارکباد دینے کو حاضر ہوئے۔ ذوالریاستین نے دربار عام میں فتحنامہ پڑھا اور ہر طرف سے مبارک مبارک کا غل اٹھا اگرچہ اس وقت اتنی خوشیاں منائی گئیں۔ مگر اس خمار کے اترنے کے بعد برادرانہ جوش محبت بے اثر نہیں رہا۔ مامون کو اس موقع کا نہایت افسوس ہوا۔ اور طاہر کی تمام کوششیں اسکی آنکھ میں بے قدر ہو گئیں۔

زبیدہ خاتون امین کی ماں۔ قصر خلافت میں تشریف فرما تھیں کہ ایک خواص نے آکر کہا "حضور بیٹھی کیا کرتی ہیں امیر المومنین قتل کر دیے گئے" زبیدہ نے کہا پھر کیا کروں اسنے ترغیب دی کہ حضرت عائشہ جس طرح عثمان کے خون کی دعویدار ہوئی تھیں حضور بھی امیر المومنین کے خون کا عوض لیں۔ زبیدہ نے کہا لا اصلت ماننساء وطلب الدماء پھر مامون کو یہ منظوم خط لکھا[۲]

الوارث علم الاولین وفہمھم — وللملک المامون من ام جعفر

ام جعفر کی طرف سے یہ خط ہے خلیفہ مامون کے نام جو کہ اگلوں کے علم وفہم کا وارث ہے۔

کتبت وعینی مستھل دموعھا — الیک ابن عمی من جفون ومحجر

اے ابن عم میں تجکو لکھ رہی ہوں اور میری آنکھیں پلکوں سے خون برسا رہی ہیں۔

وقد مسنی ذل وضن کابۃ — وارق عینی یا ابن عمی تفکر

مجکو ذلت اور اذیت وہ رنج پہونچا۔ اور فکر نے میری آنکھوں کو بے خواب کر دیا۔

الی طاھر لا طھر اللہ طاھراً — فما طھر فیما اتی بمطھر

یہ طاہر کا کیا ہوا ہی (جسکو خدا طاہر نہ کرے) اور جو کچھ اس نے کیا اسکے الزام سے پاک نہیں ہو سکتا۔

---

[۱] مامون الرشید کی مستقل خلافت اسی تاریخ سے شروع ہوتی ہے ابن واضح کاتب عباسی جو مامون الرشید سے قریب تر زمانہ میں تھا اسنے اپنی تاریخ میں مامون کی خلافت مستقل کا اسی تاریخ سے حساب کیا ہی اور نجوم کے قاعدے کے موافق مسند نشینی کا ایک زائچہ نقل کیا ہی چونکہ میں نجوم کی اصطلاحات سے بخوبی واقف نہیں ہوں اسکے علاوہ زمانہ نے اس علم کی طرف سے خیالات بھی بدل دئے ہیں میں نے اس زائچہ کو نقل نہیں کیا ۱۲ [۲] ان اشعار کو ابن الاثیر نے خزیمۃ بن الحسن کیطرف منسوب کیا ہی اور صاحب عقد الفرید نے ابو العتاہیۃ کیطرف (دیکھو عقد الفرید جلد دوم صفحہ ۲)

فاجرجنی مشکوفة الوجه حاسدا   واھب اموالی احزب ادوزی

اس نے مجکو برہنہ سر اور بے پردہ گھر سے نکالا اور میرا مال لوٹ لیا - اور مکانات برباد کر دیے۔

یعز علی ھادون ما قد تقیلة   وما مربی من ناقص الخلق اعوج

اس ایک چشم ناقص الخلقت کے ہاتھ سے جو مجھ پر گذرا ہارون ہوتا تو اس پر گراں گذرتا -

فان کان ما ابدی مامرامرثه   صابرت لامن من قدیر

طاہر نے جو کچھ کیا اگر تیرے حکم سے کیا تو خدا کے مقدر پر میں صبر کرتی ہوں - مامون یہ اشعار پڑھکر رو دیا

اور کہا کہ " واللہ میں خود اپنے بھائی کے خون کا عوض لونگا -

امین کے قتل کے بعد طاہر نے بغداد میں امن کا اشتہار دیا مسجد جامع میں جمعہ کی نماز خود پڑھائی اور خطبہ میں مامون کی مدح سرائی کے بعد مرحوم امین کی بہت سی برائیاں بیان کیں یکشنبہ کے دن اہل بغداد نے عموماً مامون پر بیعت کی - امین کا قتل ۲۵ محرم کو واقع ہوا - ۲۸ برس کی عمر تھی - ۴ برس، ۷ مہینے ۸ ادن خلافت کی - موزوں اندام کشیدہ قامت - نہایت خوبرو - اور قوی تن تہا - کسائی سے فن نحو و ادب کی تکمیل کی تھی - نہایت فصیح و بلیغ اور سخن سنج تہا - **لطیفہ** امین کو بچپن سے شعر گوئی کا ذوق تھا - زبیدہ خاتون نے ابونواس سے کہہ دیا تہا کہ امین کے اشعار بنظر اصلاح دیکھ لیا کرے - ایک دن امین نے زبیدہ کے سامنے ابونواس کو کچھ اشعار جو اس نے حال ہی میں لکھے تھے بغرض اصلاح سُنائے - مگر جب ابونواس نے ان میں عروض کے متعلق چند غلطیاں بتائیں - تو وہ نہایت غصہ ہوا اور اسی جرم میں اسکو قید کر دیا چند روز کے بعد جب ہارون الرشید کو خبر ہوئی تو امین پر خفا ہوا اور ابونواس کو قید سے رہائی دی - اسکے بعد ایک موقع پر ہارون نے امین سے کہا کہ اپنے تازہ خیالات ابونواس کو سُنائے - امین نے دو ہی تین شعر پڑھے ہونگے کہ ابونواس اُٹھ کھڑا ہوا - ہارون نے پوچھا "کیوں کہاں چلے" ابونواس نے کہا "پھر قید خانہ"۔

امین میں جہاں سینکڑوں برائیاں تھیں بہت سی خوبیاں بھی تھیں - علم دوست تہا - فیاض تہا - اسی کے ساتھ چونکہ صاحب کمال اور پایہ شناس سخن تہا ہزاروں اہل فن اسکے خوان کرم سے فیضیاب تھے - تمام ملک پر شاید اسکا قتل اتنا گراں نہ گزرا ہو مگر جن لوگوں نے خود اسکے عروج و حشم ناز و نعمت و شان و شوکت کا دلفریب تماشا دیکھا تہا انکی آنکھوں کے سامنے تو زمین و آسمان میں سناٹا ہو گیا - شعرا نے جس دردناک لہجہ میں اسکا مرثیہ لکھا کون ایسا سنگدل ہے جو اسکو سنکر ضبط کا دعویٰ کر سکتا ہے ابوعیسیٰ کے دو شعر کس دل سے نکلے ہونگے کہ نشتر کا کام دیتے ہیں -

لست ادری کیف ابکیک ولا کیف اقول   لم تطب نفسی اسمیک قتیلا یا قتیل

میں نہیں جانتا تجھ پر کیونکر روؤں اور کیا کہہ کے روؤں اے مقتول دل کو گوارا نہیں کہ تجھ کو مقتول کہوں

ایک شاعر نے لکھا ہے

سالت الندی والجود مالی اراکما
تبدلتما عزا بذل مربد
ومالی اری بیت المکارم واھیا
فقالا اصبنا بالامین محمد فقلت
فھلا متما بعد فقلہ وقد
کنتما خدینۃ فی کل مشھد فقالا
قصدنا کی نعزی بفقدہ صبیحۃ یوم
ثم نتلوہ فی غد۔

میں نے جود و کرم سے پوچھا کہ یہ کیا حال ہے میں تم کو دیکھتا ہوں کہ تم نے اپنی عزت ہمیشہ کی ذلت سے بدل دی اور یہ کیا بات ہے کہ میں عزت کی عمارت کو متزلزل دیکھتا ہوں دونوں نے جواب دیا کہ ہم پر محمد امین کے مرنے کی مصیبت پڑی ہے اس پر میں نے کہا کہ تم بھی اس کے مرنے کے بعد کیوں نہ مر گئے اور تم تو ہر موقع پر اس کے ندیم رہتے تھے۔
دونوں نے جواب دیا کہ ہم اسلئے ٹھہر گئے کہ اسکے مرنے کا ہم کو پرسا دیا جائے پھر کل ہم بھی اس سے جا ملیں گے۔

مامون کی خلافت ۱۹۸ھ

امین کے قتل کے بعد ۲۰ محرم ۱۹۹ھ ہفتہ کے دن اہل بغداد نے عموماً مامون کے لئے بیعت کی اس کی مستقل خلافت اسی تاریخ سے شروع ہوتی ہے مامون نے گو عنان سلطنت اپنے ہاتھ میں لی۔ مگر فضل بن سہل کو دربار میں وہ اقتدار حاصل ہو گیا کہ خلافت بھی درحقیقت اسی کے پنجۂ اختیار میں تھی۔ انتظامات ملکی کی جو ابتدا ہوئی وہ اسی وجہ سے ناموزوں طریقہ پر ہوئی کہ فضل نے تمام ملک کو اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہا طاہر جسنے مامون کی خلافت کی بنیاد ڈالی اسکی یہ قدر دانی کی کہ اسکے تمام ممالک مفتوحہ یعنی کور الجبال فارس اہواز بصرہ کوفہ یمن وغیرہ کی حکومت حسن بن سہل کو عنایت کی جو فضل کا حقیقی بھائی تھا طاہر نصر بن سیار کے مقابلہ پر مجبور ہوا جو امین کے ہوا خواہوں میں تھا اور شام کے اطراف میں بغاوت ظاہر کی تھی ۱۹۹ھ میں حسن بغداد آیا اور ہر شہر و صوبے پر اپنی طرف سے عمال و نائب مقرر کر کے بھیجے۔ عرب کا گروہ جو دربار میں ایک بڑی قوت رکھتا تھا ہمیشہ سے اہل عجم کا حریف مقابل تھا۔ ہارون الرشید کے زمانہ میں خاندان برامکہ کی بربادی کے باعث اصلی

یہی لوگ ہوئے تھے اب مامون کے زمانہ میں بھی یہ باتیں ان کو نہایت اندیشہ دلاتی تھیں کہ عجم پھر دوبارہ محیط نہ ہو جائے کیونکہ فضل بن سہل و حسن بن سہل حقیقی بھائی اور عجمی الاصل تھے جسقدر ان دونوں بھائیوں کا رسوخ بڑھتا گیا۔ بنو ہاشم اور افسرانِ فوج زیادہ بیدل ہوتے گئے۔ لوگوں میں یہ بھی ظاہر ہوا کہ فضل مامون کے حضور میں کسی شخص کو حتیٰ کہ خاندانِ شاہی کے لوگوں کو بھی باریاب نہیں ہونے دیتا مامون خود پردے میں رہتا ہے اور انتظامات ملکی تمام فضل کے ہاتھ سے انجام پاتے ہیں۔ چونکہ مامون ماں کی طرف سے عجمی الاصل تھا یہ بدگمانی کہ رفتہ رفتہ اہلِ عجم سپید و سیاہ کے مالک ہو جائیں گے" زیادہ قوی ہوتی گئی۔ اور بالآخر اسکی باعث ہوئی کہ اطراف ملک میں جابجا بغاوت کے شعلے بھڑک اُٹھے۔

ابن طباطبا کا خروج ۱۹۹ھ

ملک میں جو یہ برہمی پیدا ہوئی تو سادات اور علویین کے خیالاتِ خلافت تازہ ہوگئے اول جس شخص نے علمِ خلافت بلند کیا وہ ابوعبداللہ محمد تھے جو ابن طباطبا کے لقب سے مشہور تھے۔ اگرچہ ان کا علو نسب اور تقدس مرجعِ عوام بننے کے لئے کافی تھا۔ مگر ملکی نظم و نسق کے لئے ایک مدبر کی ضرورت تھی۔ ابوالسرایا کی شرکت سے پولیٹکل بازو بھی قوی ہوگیا یہ شخص اگرچہ ابتدائے حال میں ایک نہایت ذلیل آدمی تھا اور کرایہ کے گدھوں سے زندگی بسر کرتا تھا لیکن چونکہ شجاعت کا جوہر رکھتا تھا رفتہ رفتہ اسنے بڑا اقتدار حاصل کیا۔ امین کے قتل کے بعد ایک مدت تک غارتگری کرتا رہا عین التمر و وقتاً انبار پر چڑھ گیا۔ عاملوں کو شکستیں دیں اور خزانے لوٹ لئے رقہ پہنچا تو یہی ابن طباطبا ملے جو خلافت کے دعویدار بنکر اُٹھے تھے۔ ابوالسرایا کو بھی مشغلہ ہاتھ آیا اسنے انکے ہاتھ پر بیعت کر لی اور ان سے کہا کہ آپ دریا کی راہ سے کوفہ کی طرف بڑھیے میں بھی خشکی کی راہ سے آتا ہوں کوفہ پہنچکر اسنے پہلے قصر العباس کو لوٹا یہ ایک شاہی محل اور گورنران کوفہ کا صدر مقام تھا۔ تمام مال۔ خزانہ۔ دفتر یہیں رہتا تھا۔ اس لوٹ میں بیشمار نقد و اسباب ہاتھ آیا جو ایک مدت سے جمع ہوتا چلا آیا تھا۔ شہر پر پورا قبضہ ہوگیا اطراف سے بھی جوق جوق لوگ آئے اور ابن طباطبا کے ہاتھ پر بیعت کی۔

۱۹۹ھ حسن بن سہل نے زہیر بن المسیب کو دس ہزار کی جمعیت سے ابن طباطبا کے مقابلے پر بھیجا۔ قریہ شاہی میں دونوں فوجیں معرکۃ الآرا ہوئیں زہیر کو شکست ہوئی اور ابوالسرایا کے حکم سے جس قدر نقد و اسباب زہیر کی فوج میں تھا لوٹ لیا گیا۔ ابن طباطبا نے یہ بیرحمی پسند نہ کی اور لوگوں کی غارتگری سے

منع کیا۔ ابوالسرایا نے یہ دیکھکر کہ انکے ہوتے میری آزادی میں فرق آتا ہے دوسرے دن ابن طباطبا کو زہر دلوادیا اور برائے نام ایک کمسن لڑکے کو جو آل ہاشم ہونے کی حیثیت سے ابن طباطبا کا ہم پلہ تہا خلیفہ قرار دیا اور خلیفہ کا نام محمد بن محمد زید بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب تہا۔ اب حسن بن سہل نے عبدوس کو چار ہزار سوار کے ساتھ اس مہم پر بہیجا مگر بدقسمتی سے اس معرکہ میں بہی جو ۱۷ رجب کو واقع ہوا شاہی فوج ناکام رہی عبدوس کو خود قتل کرڈالا۔ اور باقی اہل لشکر کچہہ لڑائی میں مارے گئے۔ کچہہ زندہ گرفتار ہوئے اس فتح نمایاں کے بعد ابوالسرایا نے کوفہ میں اپنا سکہ خطبہ جاری کیا اور بصرہ۔ واسطہ۔ اہواز یمن۔ فارس۔ مدائن پر فوج وافسر بہیجے جو اکثر کامیاب ہوئے یہ تمام افسر بنو فاطمہ یا جعفری تھے اور چونکہ خاندانی عزت کے ساتھ ان کی ذاتی شجاعت بہی مسلم تہی آسانی سے ان کو فتوحات حاصل ہوتی گئیں۔

حسن بن سہل کو اب سخت مشکل کا سامنا تہا جتنے نامور افسر تھے سب نے ابوالسرایا کے مقابلے میں شکست کہائی۔ یا عین معرکہ جنگ میں لڑکر مارے گئے۔ طاہر ذوالیمینین و ہرثمہ ابن اعین۔ صرف دو ایسے جنرل تھے کہ جو ابوالسرایا کا زور گہٹا سکتے تھے مگر طاہر نصر سے شکست کہا کر رقہ میں گویا محصور تہا اور ہرثمہ۔ خود حسن سے ناراض ہوکر خراساں کو روانہ ہوچکا تہا حسن کو ہرثمہ سے طالب اعانت ہونا اگرچہ موجب عار تہا اسکے علاوہ یہ بہی اطمینان نہ تہا کہ وہ اس درخواست کو منظور کریگا۔ تاہم مجبوری ایسی آن پڑی تہی کہ ہرثمہ سے اعانت مانگتے ہی بنی۔ ہرثمہ خراسان سے واپس پہرا اور کوفہ کو روانہ ہوا قصر بن ہبیرہ کے قریب ابوالسرایا سے مقابلہ ہوا ہرثمہ نے فتح قطعی حاصل کی ابوالسرایا بہاگتا ہوا کوفہ کو پہنچا سادات یا علویین جو لڑکے ساتھ ہرثمہ سے شکست کہاکر انتقام کے جوش سے لبریز تھے کوفہ میں جسقدر آل عباس اور انکے خدم وحشم تھے سبکے مکانات آگ لگاکر برباد کردیئے جاگیریں لوٹ لیں اور دل کہولکر غارتگری کی ہرثمہ نے ایک مدت تک کوفہ کو محاصرہ میں قائم رکہا بالآخر ۱۶ محرم سنہ ۲۰۰ھ کو ابوالسرایا کوفہ چہوڑکر بہاگ گیا اور سوس کے مضافات میں خورستان ایک مقام میں ٹہیرا حسن بن علی مامونی جو اس علاقہ کا عامل تہا اور اس زمانہ میں وہاں موجود تہا یہ خبر سنکر خورستان کو واپس آیا اور چونکہ خونریزی سے پرہیز کرنا چاہتا تہا ابوالسرایا کے پاس پیغام بہیجا کہ "ہمارا علاقہ چہوڑکر جدہر چاہو چلے جاؤ" غالبًا ابوالسرایا نے اس درخواست کو دلیل عجز قرار دیا کہلا بہیجا کہ جسقدر حق سے اس مقام پر قبضہ حاصل کیا ہے اسکی شہادت تلوار دے سکتی ہے" لیکن جب لڑائی کی نوبت آئی تو فیصلہ جنگ ابوالسرایا کے خلاف ہوا تمام فوج غارت گئی اور وہ خود بہی زخمی ہوکر ... چلا راہ میں مقام جلولا

گرفتار ہوا اور قتل کر دیا گیا یہ فتنہ تو یوں فرو ہوا۔ مگر ابو السرایا نے ابتدا میں اپنے مفتوحہ شہروں پر جو عمال و نائب مقرر کئے تھے چونکہ اکثر علوی یا فاطمی تھے اس لئے ابو السرایا کے قتل نے انکی خودسری میں کچھ فرق نہیں پیدا کیا۔ ان لوگوں نے اپنی دو روزہ حکومت میں جو ظلم و زیادتیاں کیں انکے بیان کرنے کو ایک دفتر چاہیئے زید نے (حضرت موسیٰ کاظم کے فرزند تھے) بصرہ میں ایک قیامت برپا کر رکھی تھی سینکڑوں خاندان تباہ کر دیئے۔ عباسیوں کے ہزاروں مکانات جلائے حسین بن الحسن نے مکہ معظمہ کا وقفی خزانہ لوٹ لیا محمد بن جعفر صادق کی حکومت میں جو چند روز کے لئے عرب کے فرمانروا بن گئے تھے۔ علوئین اور آل فاطمہ کو وہ زور ہو گیا کہ لوگوں کے ننگ و ناموس کا پاس اٹھا دیا گیا۔ ابراہیم بن موسیٰ یمن کے حاکم تھے اور سفاکانہ قتل و غارت کی وجہ سے قصاب کہلاتے تھے۔ مامون نے چاہا کہ صلح و آشتی سے ان لوگوں کو قابو میں لائے لیکن یہ کب رام ہو سکتے تھے لڑے اور شکست کھائی بعض گرفتار ہو کر مامون کے پاس حاضر کئے گئے مگر اس نے عظمت نسب کا پاس کیا اور چھوڑ دیا۔

خاندان عباسیہ پر عموماً سادات کے قتل کا الزام لگایا جاتا ہے جو لوگ حجروں میں بیٹھ کر اعتراض کے لئے قلم اٹھاتے ہیں وہ معذور ہیں لیکن جو شخص پولیٹیکل ضرورتوں کا اندازہ داں ہو اس اعتراض کو شکل سے تسلیم کریگا سادات اور علوئین کو دو دن کے لئے زور ہو گیا تو ملک میں کیا قیامت برپا ہو گئی۔ عباسی خاندان انکی جانب سے کبھی مطمئن نہیں رہ سکتا تھا اور جو کچھ انکے برتاؤ ہوا اسی ضرورت سے ہوا۔

ہرثمہ کا قتل اور بغداد کی بغاوت ۲۰۲ھ

سادات اور علوئین کی بغاوتیں تو فرو ہو گئیں لیکن ملک میں جو عام ناراضی پھیلی ہوئی تھی وہ روز بروز زیادہ ہوتی جاتی تھی عرب کا گروہ جو حکومت کا شریک غالب تھا خراساں کا دار الخلافہ ہونا گوارا نہیں کر سکتا تھا۔ اس سے زیادہ یہ کہ وزارت اعظم اور گورنری کے معزز منصب پر فضل و حسن ممتاز تھے جو مجوسی النسل تھے اہل عرب کو صاف نظر آرہا تھا کہ تمام اسلامی دنیا اور خود عرب پارسی نسلوں کے ہاتھ میں ہے مامون اس وقت تک حکومت کی حیثیت سے گویا بالکل معطل تھا سیاہ و سپید کا مالک فضل تھا اور اسنے دانستہ خراسان کو بغداد پر ترجیح دی تھی کیونکہ ایک عجمی الاصل کو عرب کے مجمع میں اپنا زور قائم رکھنا کچھ آسان کام نہ تھا ملک میں یہ کچھ برہمی پھیلی تھی لیکن فضل نے مامون کو ان حالات کی خبر تک نہ ہونے دی۔ مامون کے کانوں میں جو یہ صدا جہاں سے پہنچی تھی وہ فضل کی صدا تھی۔

افسرانِ فوج میں ہرثمہ ایک نامور اور مشہور افسر تھا۔ سادات اور علویین کی پر زور بغاوتوں کا جس نے خاتمہ کر دیا وہ بھی ہرثمہ تھا خلافتِ عباسیہ پر اسکے اور بہت سے حقوق تھے جن کے اعتماد پر اُسنے یہ جرأت کی کہ مامون کے پاس حاضر ہو کر فضل کی سازشوں کا طلسم توڑ دے۔ ابوالسرایا کی بغاوت سے فارغ ہو کر اُسنے خراسان کا ارادہ کیا فضل نے یہ خبر سنی تو مامون کے متعدد فرمان اسکے نام بھجوائے کہ "یہاں کچھہ ضرورت نہیں شام و حجاز انتظام طلب ہیں ادہر کا قصد کرو مگر ہرثمہ نے جسکو اپنے حقوق خدمت پر ناز تھا ان احکام کا کچھہ لحاظ نہ کیا اور سیدھا خراسان کو چلا فضل نے مامون سے کہا حضور نے دیکھا! ہرثمہ کو احکام سلطانی کا مطلق پاس نہیں ہے لیکن حضور خود خیال فرماویں ملک پر اس کا کیا اثر پڑیگا؟ ہرثمہ ذیقعدہ سنہ ۲۰۰ھ میں مرو پہنچا۔ اور اس خیال سے کہ شاید اسکے آنے کی خبر مامون سے مخفی رکھی جاوے نقارہ بجنے کا حکم دیا مامون نے درباریوں سے پوچھا کیسا غل ہے" لوگوں نے کہا ہرثمہ گرجتا آرہا ہے" ہرثمہ دربار میں حاضر ہوا تو مامون نے نہایت ذلت سے نکلوا دیا اور حکم دیا کہ قید رکھا جائے[1]۔ چند روز کے بعد اس کو فضل نے قتل کرا دیا اور مامون سے کہہ دیا کہ اپنی موت سے مر گیا۔ ہرثمہ کے قتل کی خبر بغداد پہونچی تو ایک طلاطم مچ گیا۔ محلہ حربیۃ والوں نے پہلے ہی علم بغاوت بلند کیا تھا اور مامون کے عمال و حکام برطرف کر دیئے تھے اس شورش انگیز خبر نے سارے شہر میں اور ایک نئی ہل چل ڈال دی۔ محمد بن ابی خالد ہرثمہ کا جانشین بنا اور تمام بغداد نے اسکی اطاعت قبول کی۔ حسن جو مامون کی طرف سے بغداد کا گورنر تھا واسطہ میں مقیم تھا محمد بن ابی خالد اُس کے مقابلے کے لیے سنہ ۲۰۱ھ میں بغداد سے روانہ ہوا۔ راہ میں حسن کی متعدد فوجیں مقابل ہوئیں اور شکست کھا گئیں۔ محمد دیر العاقول پہونچا اور زہیر بن المسیب کو جو حسن کا عامل تھا گرفتار کر کے پابزنجیر بغداد بھیجدیا۔ ہارون کے بیٹے نے مضافات نیل پر فتح حاصل کی۔ ان فتوحات کے بعد دونوں باپ بیٹے واسطہ کی طرف بڑھے حسن نے بھی ایک عظیم الشان فوج ان کے مقابلے کو روانہ کی۔ ۲۳ ربیع الاول سنہ ۲۰۱ھ میں دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں ایک نہایت سخت جنگ کے بعد محمد بن ابی خالد نے شکست کھائی۔ میدانِ جنگ میں ثابت قدم رہ کر بہت سے کاری زخم اٹھائے تھے اس لئے مجبورانہ بغداد کی طرف اُلٹا پھرا حسن برابر تعاقب کرتا آیا۔ محمد بن ابی خالد کے زخم شدت پکڑتے گئے اور بالآخر بغداد پہونچکر انتقال کیا۔ محمد کا فرزند عیسے باپ کا جانشین ہوا اور

---

[1] ابن واضح عباسی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ہرثمہ نے نہایت گستاخانہ طور پر مامون سے گفتگو شروع کی اور کہا آپنے اس مجوسی (یعنی فضل بن سہل) کو سر چڑھا رکھا ہے" مامون نے اس گستاخی کی وجہ سے اسکو دربار سے نکلوا دیا" ۱۲

اہل بغداد کو کہا کہ "اگر میرا باپ نہیں ہا تو میں اسکا نعم البدل موجود ہوں اگر خدا نے چاہا تو میں بغداد کو حسن کی حکومت سے آزاد کر دونگا" تمام بغداد نے نہایت خوشی سے اسکی حکومت تسلیم کی اگرچہ حسن کی قاہر فوج نے عیسٰے اور اسکے بھائی ابو زنبیل کو فاش شکستیں دیں لیکن یہ پرجوش صدا کہ "مجوسی زادہ ہم پر حکومت نہیں کر سکتا" پست نہ ہوئی۔

حضرت علی رضا علیہ السلام کی ولیعہدی ۲ رمضان المبارک ۲۰۱ھ

یہاں یہ ہنگامے برپا تھے مگر مامون ابھی غفلت کی نیند پڑا سوتا تھا کہ اسکے کان پر جوں نہ چلی ذوالریاستین تمام دربار پر اس طرح محیط ہو گیا تھا کہ اس کے خلاف کوئی خبر مامون تک نہیں پہونچ سکتی تھی۔ اب اس نے ایک نئے انتظام سے خاندان عباس کو اور بھی زیادہ برہم کر دیا۔ مامون کو بالطبع آل پیغمبر سے نہایت محبت تھی جس کا ثبوت اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ تمام پرزور بغاوتیں جو اس کے عہد میں ہوئیں اسی مقدس خاندان کی افسری میں ہوئیں تاہم اسنے ہمیشہ درگذر کی اور قابو پانے پر بھی انکی عظمت نسب کا لحاظ رکھا۔

اس زمانہ میں حضرت علی رضا امام ہشتم موجود تھے جن سے مامون دلی ارادت رکھتا تھا اور چونکہ زہد و تقدس کے علاوہ ان کا فضل و کمال بھی خلافت کے شایاں تھا مامون نے ان کو ولیعہد سلطنت کرنا چاہا اس سے پہلے سنہ ۲۰۰ھ میں اس نے فرامین بھیجے کہ تمام ممالک میں جس قدر عباسی خاندان کے لوگ ہیں آستانہ خلافت میں حاضر ہوں عیش و دولت کی ترتیب کا اثر دیکھو کہ نویں ہی پشت میں حضرت عباس کی نسل سے ۳۳ ہزار زن و مرد دنیا کے مختلف حصوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ مامون نے بڑی عزت سے اُن کا استقبال کیا اور عباسی نسلیں پورے برس دن حریم خلافت کی مہمان رہیں۔ اس اثنا میں مامون نے اپنے خاندان کے ہر ایک شخص کو تجربہ و امتحان کی نگاہ سے دیکھا اور یہ قطعی رائے قائم کر لی کہ اس بڑے گروہ میں ایک بھی ایسا نہیں جو خلافت کا بار گراں سنبھال لے اب سنہ ۲۰۱ھ میں اس نے ایک دربار (جس میں تمام اعیان سلطنت و اراکین دربار موجود تھے) منعقد کیا۔ اور سب سے خطاب کر کے کہا کہ "آج دنیا میں جس قدر آل عباس ہیں ان کی لیاقت کا صحیح اندازہ کر چکا ہوں۔ نہ ان میں اور نہ آل نبی میں آج کوئی ایسا شخص موجود ہے جو استحقاق خلافت میں حضرت علی رضا کے ساتھ ہمسری کا دعویٰ کر سکے" اس کے بعد اس نے تمام حاضرین سے حضرت علی رضا کے لئے بیعت لی اور دربار کا لباس بجائے سیاہ کے سبز قرار دیا جو فرقہ سادات کا امتیازی لباس تھا فوج کی وردی بھی بدل دی گئی تمام ملک میں احکام شاہی نافذ ہوئے کہ "امیر المومنین مامون کے بعد حضرت

علی رضا تاج وتخت کے مالک ہیں اور انکا لقب الرضا من آل محمد ہو۔ حسن بن سہل کے نام بہی فرمان گیا کہ ان کے لئے بیعت عام لیجائے اور عموماً اہل فوج وعمائد بنی ہاشم سبز رنگ کے پھریرے اور سبز کلاہ وقبائیں استعمال کریں اس انوکھے حکم نے بغداد میں ایک قیامت انگیز ہل چل ڈالدی اور مامون سے مخالفت کا پیمانہ بالکل لبریز ہوگیا بالخصوص بجبر اسکے حکم کی تعمیل کی مگر عام صدا یہی تہی کہ خلافت خاندانِ عباس کے دائرے سے باہر جا سکتی ؟

ابراہیم بن المہدی کی تخت نشینی یکم محرم الحرام سنہ ۲۰۲ ہجری

جس زمانہ میں حضرت علی رضا کی ولیعہدی کے احکام بغداد میں پہونچے۔ عباسیوں نے اسی وقت سے ایک نئے خلیفہ کی تجویز شروع کی تہی۔ ۲۵ رذی الحجہ روز سہ شنبہ سنہ ۲۰۱ھ میں خاص آل عباس نے خفیہ طور پر ابراہیم بن المہدی کے ہاتھ پر جو مامون الرشید کے چچا تھے بیعت کی۔ پھر دو شخص مقرر کئے کہ جمعہ کے دن نماز سے پہلے ایک شخص بخطاب عام کہے کہ ہم مامون کے بعد ابراہیم کو ولیعہد خلافت قرار دینا چاہتے ہیں دوسرا برابر سے بولے کہ مامون تو معزول ہو چکا خلیفہ وقت ابراہیم ہے۔ اور ولیعہد خلافت اسحق بن الہادی۔ غالباً اس طریقہ سے عباسیوں نے رضامندی عام کا اندازہ کرنا چاہا۔ مگر ان کو خلاف توقع یہ معلوم ہوا کہ ملک اگر مامون کے خلاف ہو تو ابراہیم کے ساتھ بھی لوگوں کو عام ہمدردی نہیں ہے چنانچہ جب یہ دونوں شخص سکھائے ہوئے فقرے کہہ کر بیٹھ گئے تو لوگوں نے کچھ جواب نہ دیا اور ایسی برہمی ہوئی کہ لوگوں نے نماز بہی نہیں پڑہی اور مسجد سے چلے گئے تاہم سندی وصالح کی کوشش نے ابراہیم کو منصب خلافت پر پہونچا دیا۔ اور یکم محرم سنہ ۲۰۲ھ کو عموماً اہل بغداد نے بیعت خلافت کی۔ ابراہیم نے اپنا لقب مبارک اختیار کیا اس زمانہ میں قصر بن ہبیرۃ پر حسن بن سہل کی طرف سے حمید بن الحمید معمور تہا۔ اگرچہ وہ خود حسن کا دل سے طرفدار تہا مگر اس کے ساتھ جتنے افسر تھے خصوصاً سعید و ابو لبط ابراہیم سے مل گئے۔ ان لوگوں نے اُدہر تو حسن کے پاس خطوط بھیجے کہ حمید آپ کے خلاف ابراہیم سے خط وکتابت رکہتا ہے ادہر ابراہیم سے درخواست کی کہ حضور کا کوئی افسر آئے تو ہم قصر بن ہبیرۃ پر قبضہ کرا دیں حسن نے گو ان تحریروں کا چنداں اعتبار نہیں کیا۔ تاہم اُس کو شبہ پیدا ہوا اور اطمینان کے لئے حمید کو اپنے پاس بلا لیا۔ ابراہیم نے موقع پاکر عیسے بن محمد کو بہیجا جس نے ۱۰ ربیع الثانی کو قصر بن ہبیرۃ پر قبضہ حاصل کیا۔ اور حمید کا اسباب وخزانہ جس میں نقد کی قسم سے نئو توڑے تھے غارت

عام میں آیا حمید نے یہ خبر سنی تو کوفہ کو واپس آیا یہاں حضرت علی رضا علیہ السلام کے بھائی عباس تشریف رکھتے تھے حمید نے ان کو بلایا اور کہا کہ آپ اپنے بھائی کی طرف سے کوفہ کی حکومت اپنے ہاتھ میں لیں تو تمام کوفہ آپکے ساتھ ہوگا اور میں تو جاں نثاری کے لیے حاضر ہوں" حمید نے لاکھ درہم بھی انکی نذر کیے اس کے بعد وہ حسن کے پاس چلا گیا۔ کوفہ کے اکثر لوگوں نے حسن کا ساتھ دیا مگر جن لوگوں کو شیعہ پن میں زیادہ غلو تھا انہوں نے حسن سے کہا کہ "اگر حضرت علی رضا کی خلافت مستقل مان کر بیعت لی جائے تو ہم بدل موجود ہیں لیکن بیچ میں مامون کا واسطہ ہوگا تو ہم سے امید نہ رکھنی چاہیے" چونکہ ان کی یہ خواہش حسن نے منظور نہ کی یہ لوگ ناراض اٹھے اور بالکل بے تعلق ہوکر اپنے گھروں میں بیٹھ رہے۔

ابراہیم نے اپنے نئے دشمن عباس کے مقابلہ کے لئے سعید و ابوالبط کو متعین کیا جنہوں نے حال میں اپنی کارگذاری دکھائی تھی کہ ابراہیم کے نائب کو قصر بن ہبیرۃ پر قبضہ دلا دیا تھا۔ یہ دونوں افسر قریہ شاہی میں پہونچے تو عباس نے اپنے چچیرے بھائی علی بن محمد کو انکے مقابلہ کے لیے بھیجا دوسری جمادی الاول ۲۰۲ھ کو دونوں حریف معرکہ آرا ہوئے علی بن محمد نے ذرا دیر لڑ کر شکست کھائی اب ابوالبط و سعید کوفہ پر حملہ آور ہوئے آل عباس جو یہاں موجود تھے وہ بھی انکے ساتھ ہو گئے نہایت سخت معرکہ ہوا۔ یہ لوگ حملہ کرتے ہوئے ابراہیم کی جے پکارتے تھے اور نعرے مارتے تھے کہ "مامون کی حکومت نہیں رہی" تمام دن لڑائی قائم رہی۔ تاہم فتح و شکست کا فیصلہ نہ ہوا اور دوسرے دن کی نوبت آئی چونکہ فریقین کا یہ حال تھا کہ جس نے شہر کے جس حصہ پر فتح پائی آگ لگا کر غارت کر دیا۔ رؤسائے کوفہ سعید کے پاس حاضر ہوئے اور اس شرط پر امان طلب کی کہ عباس اپنے ساتھیوں کو لیکر کوفہ سے چلے جائیں۔ فریقین نے اسپر رضامندی ظاہر کی اور کوفہ دونوں دعویداروں سے خالی ہوگیا کیونکہ اس عہد کے بعد سعید بھی حیرۃ کو واپس چلا گیا کوفہ اور اطراف کوفہ میں ابراہیم کی حکومت مسلم ہوگئی لیکن یہ فتحیں خلافت کا قطعی فیصلہ کرنے والی نہ تھیں۔ کیونکہ ہنوز واسط میں حسن بن سہل ایک فوج گراں کے ساتھ موجود تھا ابراہیم نے اس بڑی مہم کیلئے عیسے کو انتخاب کیا۔ ابن عائشہ ہاشمی و نعیم بن خازم کو بھی حکم ہوا کہ عیسے کے ہمراہ جائیں۔ راہ میں سعید و ابوالبط بھی جو کوفہ کی فتح سے آتے تھے ساتھ ہوئے غرض بیشمار لشکر واسط نے قریب نام صیادہ میں صف آرا ہوا حسن بن سہل قلعہ بند ہوا عیسے چند بار حملے کی غرض سے حسن کے لشکر گاہ کی طرف گیا مگر اسنے بالکل خاموشی اختیار کی تھی اور حکم دیدیا تھا کہ لشکر کا کوئی شخص قلعے سے باہر نہ جائے غالباً اس مدت میں اسنے عیسے کی قوت

کا اندازہ کیا بالآخر ۲۰ رجب کو فوج اُسکے حکم سے عیلے پر حملہ آور ہوئی صبح سے دوپہر تک قیامت انگیز معرکہ رہا عیسے نے شکست کھائی اور طرناباد پہونچکر دم لیا۔

مامون کا عراق روانہ ہونا اور ذوالریاستین کا قتل ۲۰۲ھ

مامون جس تاریخ سے تخت نشین ہوا تھا ایک دن بھی خونریزیوں سے خالی نہ گیا تاہم اسکو بالکل نہ معلوم ہو سکا کہ تمام ملک بغاوتوں کا دنگل بن رہا ہے۔ ابتدا میں تو حسن بن سہل کی گورنری کا جھگڑا تھا لیکن اب جو ہنگامے قائم تھے حضرت علی رضا کی ولیعہدی پر تھے درباریوں میں سے جب کسی نے مامون کے کان تک یہ صدا نہ پہنچائی تو خود حضرت علی رضا نے اس فرض کو ادا کیا انہوں نے مامون سے کہا کہ "امین کے قتل کے بعد ایک دن بھی ملک کو امن نصیب نہیں ہوا۔ رات دن خونریز لڑائیاں قائم ہیں اور اہل بغداد نے ابراہیم کو خلیفہ قرار دیا ہے" یہ بالکل ایک نئی اور غیر مانوس صدا تھی مامون دفعتًا چونک پڑا اور جیسا کہ ذوالریاستین نے اسکو یقین کرا دیا تھا اُس نے تعجب اور انکار کے ساتھ کہا کہ نہیں ابراہیم خلیفہ نہیں ہے بلکہ لوگوں نے انتظامًا اسکو نائب الریاست بنا رکھا ہے حضرت علی رضا نے فرمایا کہ "ذوالریاستین نے ملک کے اصلی واقعات آپکی نظر سے چھپائے اور اب جو کچھ آپ کہتے ہیں اُسی کی زبان سے کہتے ہیں۔ ابراہیم جسکو آپ نائب الریاست سمجھ رہے ہیں حسن بن سہل سے لڑ رہا ہے اور آل عباس میں عمومًا ذوالریاستین کی وزارت اور میری ولیعہدی پر نہایت مخالفانہ جوش پھیلا ہوا ہے" (مامون) دربار میں کوئی اور شخص بھی ان حالات سے واقف ہے۔ علی رضا علیہ السلام ہاں "یحییٰ بن معاذ و عبدالعزیز بن عمران اور بہت سے افسر" مامون نے ان لوگوں کو بلا کر پوچھا کہ جو کچھ حضرت علی فرماتے ہیں تم اسکی نسبت کیا جانتے ہو۔ ذوالریاستین کے ڈر سے کسی کو شہادت دینے کی جرأت نہیں ہوتی تھی مگر جب مامون نے خود ذمہ داری کی کہ ذوالریاستین انکو کچھ ضرر نہ پہنچا سکیگا اور اس مضمون کی ایک دستاویز بھی اپنے ہاتھ سے لکھدی تو ان لوگوں نے پوست کندہ حالات بیان کر دئے اور کہا کہ مدتہ انہیں باتوں کے عرض کرنیکے لئے حضور میں حاضر ہوا تھا مگر ذوالریاستین نے ایسے جاں نثار کو حضور کی نگاہ میں دشمن بنا دیا اور اسکی تمام امیدیں خاک میں ملا دیں ان لوگوں نے مامون کو یہ بھی جتا دیا کہ اگر جلد تلافی نہیں کیجاتی تو بنیاد خلافت کی متزلزل ہونے میں کچھہ باقی نہیں رہا ہے چونکہ ان لوگوں نے اپنی شہادت میں یہ بھی رائے دی تھی کہ حضور کا دارالخلافہ میں تشریف رکھنا ان سب مشکلوں کو حل کر دیگا مامون نے بغداد کا قصد کیا

ذوالریاستین کو اس ارادے کی اطلاع ہوئی تو اُسنے بآسانی معلوم کرلیا کہ مامون کے کان میں کوئی نئی صدا پڑی ہے اُسنے تمام افسروں کے نام بھی تحقیق کرلیے اور حضرت علی رضا کے سوا (جنپر اُسکا قابو نہیں چل سکتا تھا یا پاس ادب مانع تھا) باقی ہر ایک کو مختلف قسم کی اذیتیں پہنچائیں کسی کو قید کیا کسی کو کوڑے پٹوائے کسی کی ڈاڑھی اکھڑوائی اسپر بھی مامون ذوالریاستین سے کچھہ بازپرس نہ کرسکا اور جب حضرت علی رضا نے اسکا تذکرہ کیا تو مامون نے نرمی سے جواب دیا کہ میں غافل نہیں ہوں مگر تدبیر مناسب سے کام لینا چاہتا ہوں۔ مامون جب سرخس پہونچا تو چند آدمیوں نے جن کا پیشوا غالب مسعودی تھا حمام میں پہنچکر جمعرات کے دن ۲ شعبان ۲۰۲ھ کو ذوالریاستین کو قتل کردیا۔ یہ عجیب بات ہے کہ جو لوگ ذوالریاستین کے قتل میں شریک تھے سب مختلف اور دور دور ملکوں کے رہنے والے تھے یعنی قسطنطین۔ روم کا فرج دیلم کا۔ موفق۔ صقلیہ کا۔

مامون نے اشتہار دیا کہ جو شخص قاتلوں کو گرفتار کرکے لائے اُس کو دس ہزار اشرفیاں انعام میں ملیں گی عباس بن الہیثم نے یہ انعام حاصل کیا جب یہ لوگ مامون کے پاس حاضر کیے گئے اور پوچھا گیا کہ "کس کے ایما سے تم نے ایسا کیا" تو سبنے خود مامون کا نام لیا اور اس بیباکی پر یا اصل جرم کی پاداش میں مامون کے حکم سے قتل کردیے گئے اسکے بعد عبدالعزیز بن عمران و موسیٰ وغیرہ چند اشخاص جن پر شبہہ تھا طلب ہوئے اور استفسار ہوا کہ اس واقعہ کے متعلق کچھہ جانتے ہو سبنے کانوں پر ہاتھہ رکھا۔ مامون نے ان لوگوں کو بھی قتل کرادیا گو تمام واقعات شہادت دے رہے تھے کہ ذوالریاستین کا قتل مامون کے ایما سے ہوا مگر مامون نے اپنی متعدد کارروائیوں سے اس یقین کو شبہہ سے بدل دیا۔ قاتلوں کے سر حسن بن سہل کے پاس بھجوادیے اور نامہ تعزیت میں بہت کچھہ رنج و غم ظاہر کیا اور لکھا کہ "تم اپنے بھائی کی جگہ منصب وزارت پر مقرر کیے گئے۔" ذوالریاستین کی ماں کے پاس برسم تعزیت گیا اور تسلی دے کر کہا کہ "آپ صبر کریں بجائے ذوالریاستین کے میں آپ کا مطیع فرزند موجود ہوں ان مؤثر فقروں نے اس کو اور بھی بیتاب کردیا۔ اور روکر کہا کہ "ایسے بیٹے کا کیوں غم نہ کروں جس نے میرے لئے تم سا فرزند چھوڑا"۔ ذوالریاستین کے قتل کے تھوڑے دن بعد اس کے باپ سہل نے بھی وفات پائی۔ اسی زمانہ میں مامون نے حسن بن سہل کی بیٹی سے شادی کی۔ ان کارروائیوں سے گو مامون کی گردن ذوالریاستین کے خون سے ہلکی نہ ہوئی۔ تاہم عام خلقت کی نگاہ بہت کچھہ بدل گئی اور کم سے کم اتنی بات ضرور ثابت ہوگئی کہ اگر ایسا ہوا ہی تو وہ ایک ذاتی اور ناگزیر معاملہ تھا۔ ورنہ ذوالریاستین کے عام احسانات کو اس نے فراموش نہیں کیا ہے۔ اور اس کے خاندان کے ساتھہ اب بھی اس کو وہی

ہمدردی ہی جو پہلے تہی۔ ذوالریاستین کی موت سے یوں تو اس کے تمام خاندان کو نہایت صدمہ پہنچا۔ مگر اس کے بہائی حسن نے اس واقعہ کے بعد سے ایک دن بہی رونے پیٹنے سے نجات نہ پائی۔ اور بالآخر اسی صدمہ نے اسکو مختل الحواس کردیا سنہ ۲۰۳ھ میں اُسکے ہوش بالکل درست نہیں رہے تو احتیاط کے لئے پاؤں میں بیڑیاں ڈالدی گئیں مامون نے اسکی جگہ احمد بن ابی خالد کو وزیر اعظم مقرر کیا اور کہنا چاہئے کہ مامون کی مستقل خلافت کا زمانہ در اصل فضل کے قتل ہونے کے بعد سے شروع ہوتا ہے۔

حضرت علی رضا علیہ السلام کی وفات آخر صفر سنہ ۲۱۳ ہجری

اس سفر میں حضرت علی رضا علیہ السلام بہی مامون کے ساتھ تھے طوس پہنچکر دفعتاً انتقال فرمایا کہتے ہیں کہ انگور میں زہر دیا گیا۔ ہارون رشید کی قبر بہی یہیں ہے۔ مامون نے اسی وجہ سے یہاں قیام کیا تہا حضرت علی رضا نے وفات پائی تو مامون نے حکم دیا کہ ہارون الرشید کی قبر اُکھڑوا کر حضرت علی رضا بہی اسی میں دفن کئے جائیں جس سے مقصود یہ تہا کہ رشید بہی حضرت علی رضا کی برکت سے مستفید ہوں۔ مامون کو حضرت علی رضا کی وفات کا نہایت صدمہ ہوا وہ جنازہ کے ساتھ ننگے سر گیا اور رو رو کر کہتا تہا "اے ابوالحسن! تیرے بعد میں کہاں جاؤں" تین دن تک قبر پر مجاور رہا۔ اور صرف ایک روٹی و نمک روزانہ اسکی خوراک رہتی۔ اسپر دعبل ایک شاعر نے جو اہل بیت کا مداح اور خلفائے بنی عباس کا نہایت دشمن تہا ایک ظرافت آمیز ہجو لکہی جسکا ایک شعر یہ ہے

ما ینفع الرجس من قرب الذکی ولا ۔۔۔ علی الذکی بقرب الرجس من ضرر

(یعنی) ناپاک آدمی کو پاک کے قرب سے کچھ فائدہ نہیں پہونچتا۔ اور نہ پاک کا اس کے قرب سے کچھ نقصان ہوتا ہے۔ یہ ایک تاریخی سوال ہے کہ "حضرت علی رضا کو کس کے ایما سے زہر دیا گیا" مگر ایک خاص فرقہ نے اس واقعہ پر مذہبی رنگ چڑہایا ہے:

شیعہ بلا استثنا اسپر متفق ہیں "کہ خود مامون نے زہر دلوایا"۔ افسوس ہے کہ ہم کو شیعوں کی تاریخی تصنیفات نہیں ملیں کہ ہم اس بحث کو دونوں فریق کی روایتوں کے لحاظ سے منفصل کر سکتے۔ تمام وہ بڑی بڑی تصنیفیں جن کو دنیا نے اسلامی تاریخ کا لقب دیا ہے سنیوں کی ہی تصنیفیں ہیں اور بظاہر اُن میں مذہبی حیثیت کا خاص لحاظ نہیں رکھا گیا ہے۔ تاریخی واقعات کی نسبت ہم کو انہیں کی طرف رجوع کرنا پڑے گی جہاں تک ہم کو معلوم ہے ایک مورخ نے بہی مامون پر اس الزام لگانے کی جرأت نہیں کی ہے بلکہ علامہ ابن اثیر نے صاف لفظوں میں

میں اس غلط خیال پر استعجاب ظاہر کیا ہے مامون الرشید کے زمانہ سے نہایت قریب تر تاریخ جو آج دستیاب ہو سکتی ہے - ابن واضح عباسی کی تاریخ ہے یہ مصنف مامون کے زمانہ کے واقعات ان لوگوں کی زبانی روایت کرتا ہے جو خود مامون کے عہد میں موجود تھے - ہم اس کی تاریخ میں شیعہ پن کا اثر بھی پاتے ہیں تاہم اُسنے مامون کے بجائے یہ بدگمانی علی بن ہشام کی نسبت کی ہے - تاریخی اصول تحقیق سے اگر ہم کام لیں تو بھی یہی ماننا پڑیگا مامون نے حضرت علی رضا کو ولیعہد خلافت مقرر کیا تو اس سے اسکو کوئی سازش مقصود نہ تھی حضرت علی رضا کوئی ملکی شخص نہ تھے اور نہ اُن سے حکومت عباسیہ کو خطرہ کا احتمال تھا جیسا کہ شیعوں کا دعویٰ ہے - مامون کو اہل بیت کے ساتھ جو دلی خلوص تھا اس سے کون انکار کر سکتا ہے حضرت علی رضا کے بعد مامون کا طریق عمل سادات کے ساتھ کیا رہا؟ اس خاص حیثیت سے مامون کے ان تمام حالات اور واقعات کو ترتیب دو جو حضرت علی رضا کی وفات سے پہلے اور پیچھے پیش آئے تم سب اور نتیجہ خیز سلسلہ خود بتا دیگا کہ مامون پر یہ غلط اتہام ہے بے شبہ مامون کے خاندان والے حضرت علی رضا کی ولیعہدی سے ناراض تھے انہیں میں سے کسی نے یہ بیہودہ حرکت کی ہوگی -

حضرت علی رضا اللہ اثنا عشری ہیں - اور حضرت موسیٰ کاظم کے خلف الرشید ہیں مدینہ منورہ میں ۱۴۸ھ میں جمعہ کے دن پیدا ہوئے نہایت بڑے عالم اور اتقائے روزگار میں سے تھے - مامون کے لئے طب میں ایک رسالہ تصنیف کیا تھا ابو نواس عرب کے مشہور شاعر سے لوگوں نے کہا کہ تو نے ہر مضمون کے شعر لکھے اور حضرت علی رضا جو فخر روزگار ہیں انکی شان میں دو شعر بھی نہ کہے اسنے جواب دیا کہ "انکا پایہ کمال میری مدح سے بہت اونچا ہے" چونکہ ذوالریاستین اور حضرت علی رضا کی وفات نے اہل بغداد کی کل شکایتوں کا فیصلہ کر دیا - مامون نے بغداد کے لوگوں کو ایک خط لکھا کہ "اب کیا چیز ہے جسکی تم شکایت کر سکتے ہو" مگر مامون کو خلاف توقع اپنی تحریر کا نہایت سخت جواب ملا -

ابراہیم کی معزولی ۲۰۳ھ ہجری

مامون جس زمانہ میں بغداد کو روانہ ہوا تھا تو ابراہیم مدائن میں موجود تھا اور عیسٰے بن محمد و مطلب بن عبداللہ وغیرہ افسران فوج اُس کے ساتھ تھے یہ لوگ اُس وقت تک اگرچہ نہایت ثابت قدم رہے - مگر غالباً اس بات کا سب کو یقین تھا کہ ابراہیم کی خلافت اسی وقت تک ہے جب تک مامون بغداد سے دور ہے جب اس کی آمد کی خبر مشہور ہوئی تو لوگ ابراہیم کا ساتھ چھوڑنے لگے - مطلب بیماری کا بہانہ کر کے مدائن سے چلا آیا - اور بغداد پر

سلہ (حاشیہ متعلق صفحہ ۴۹) ابن واضح عباسی نے یہ واقعہ خود اس شخص سے روایت کیا ہے جو حضرت علی رضا کی تجہیز و تکفین میں شریک تھا - میں نے ابن واضح کی تاریخ سے اسکو نقل کیا ہے ۱۲

لوگوں سے خفیہ مامون کے لئے بیعت لینی شروع کی۔ خود منصور بن المہدی ابراہیم کے بھائی نے اول بیعت کی مطلب نے علی بن ہشام وحمید کو بھی لکھا کہ بغداد چلے آؤ۔ ابراہیم کو یہ حالات معلوم ہوئے تو مدائن سے روانہ ہو کر ۱۵ صفر سنہ ۲۰۲ھ کو زندرود پہنچا اور جن لوگوں نے مامون کے لئے بیعت کی انکو طلب کیا جنمیں سے منصور و خزیمہ تو حاضر ہوگئے اور انکا قصور معاف کر دیا گیا لیکن مطلب کو اسی کے خاندان نے روکا کہ "اپنی بات پر قائم رہنا چاہئے" ابراہیم نے اذن عام دیدیا کہ ۱۷ صفر کو مطلب کا گھر بار لوٹ لیا جاوے۔ حمید و علی بن ہشام اب ابراہیم کی خلافت مدائن پر قابض ہو گئے۔ ابراہیم کا نہایت نامور افسر عیسیٰ بن محمد بھی حسن بن سہل سے مل گیا۔ شوال سنہ ۲۰۲ھ میں باب الجسر پر اُس نے یہ اعلان دیدیا کہ میں اس معاملہ میں دونوں فریق سے الگ رہونگا اور حمید نے بھی اس بات کو منظور کر لیا ہے۔ ابراہیم نے اسکی طلب کے لئے متعدد قاصد بھیجے بڑے اصرار سے آیا تو ابراہیم نے عتاب ظاہر کیا اُسنے معذرت کی۔ ابراہیم نے غیظ میں آکر اسکو قید خانہ بھیجدیا اور اُسکے چند افسر و اعزا کو بھی سزا دی عیسیٰ ایک نہایت معزز رتبہ کا آدمی تھا اور بہت سے نامور افسر اسکے ساتھ تھے اسکے قید ہونے نے سب کو برہم کر دیا۔ بالخصوص عباس جو عیسیٰ کا خلیفہ تھا اسنے اپنی پرجوش تقریروں سے تمام بغداد کو ابراہیم کا مخالف بنا دیا جسر و کرخ وغیرہ پر ابراہیم کے جو عامل تھے سب نکالدیئے گئے اور لوگوں نے حمید کو خط لکھا کہ آپ یہاں کا قصد کیجئے کہ ہم بغداد آپکے حوالے کردیں۔ حمید نہر صرصر پہنچکر ٹھیرا عباس اور تمام افسرانِ فوج اسکے استقبال کو گئے یہ قرار پایا کہ جمعہ کے دن مقام یاسریہ میں مامون کا خطبہ پڑھا جاوے اور ابراہیم معزول کر دیا جاوے۔ حمید نے اہل فوج کو پچاس پچاس روپے دینے کا وعدہ بھی کیا۔ تاریخ معینہ پر حمید یاسریہ میں داخل ہوا مگر انعام کی تعداد میں اسلئے اختلاف پیدا ہوا کہ اہل فوج نے پچاس کے عدد کو منحوس بتایا کیونکہ علی بن ہشام نے بھی یہی تعداد مقرر کی تھی اور بالآخر فساد کی باعث ہوئی۔ اہلِ فوج نے کہا کہ ستو ہمکو چالیس دلائے جاویں تاکہ پچاس کے منحوس عدد سے یہ تعداد مختلف رہے عیسیٰ نے فیاضی سے پچاس کے عدد کو بڑھا کر ساٹھ کر دیا جسکے ساتھ نحوست کا شبہ بھی رفع ہو گیا ابراہیم نے اس مشکل وقت میں عیسیٰ کو قید سے رہائی دیکر حکم دیا کہ حمید کے مقابلے پر جاوے۔ عیسیٰ نے ایک سازشی حملہ کیا اور وسط فوج میں گھس گیا جس سے ظاہر میں یہ کہنا مقصود تھا کہ ابراہیم کی وفاداری میں اُسنے جان تک کی بھی پروا نہ کی لیکن فوج نے اسکی دلی خواہش کے موافق زندہ گرفتار کر لیا ابراہیم نے باقیماندہ فوج سے حمید کا مقابلہ کیا یہ اسکی اخیر کوشش تھی لیکن اب وہ بھی کامیاب نہ ہوا۔ اخیر ذیقعدہ سنہ ۲۰۲ھ میں جو معرکہ ہوا اسنے ابراہیم کی قسمت کا قطعی فیصلہ کر دیا۔ ذی الحجہ کی ۱۷ تاریخ بدھ کی رات سنہ ۲۰۳ھ ابراہیم کی تاریخ حکومت کا اخیر صفحہ تھا جس دن اسنے تبدیل لباس کی اور کہیں غائب ہو گیا ابراہیم کی خلافت نے کل ایک برس

گیارہ مہینے بارہ دن کی عمر پائی +

مامون کا بغداد داخل ہونا صفر ۲۰۴ھ

مامون قریباً رجب ۲۰۲ھ میں مرو سے روانہ ہوا اور صفر ۲۰۴ھ میں بغداد پہنچا اسکا یہ سفر ایک طرح پر ملک کا دورہ تھا جسمیں اسنے حالات ملک سے بہت کچھ واقفیت پیدا کی اور مختلف شہروں میں مناسب انتظامات کئے۔ نہروان پہنچا تو بغداد کے تمام اعیان و عمائد و افسران فوج بڑے جوش سے اسکے استقبال کو گئے۔ طاہر بن الحسین بھی جسکو مامون نے رقہ سے طلب کیا تھا یہیں باریاب حضور ہوا۔ نہروان میں آٹھ دن قیام کر کے مامون بغداد کو چلا گیا۔ اور ۱۵ صفر ۲۰۴ھ کو بڑی شان و شوکت سے دار الخلافہ میں داخل ہوا جہاں ایک مدت سے ہزاروں نگاہیں اسکا انتظار کر رہی تھیں مامون خود اور اسکے تمام افسر سبز لباس میں تھے اہل بغداد بھی مامون کے لحاظ سے سبز لباس پہنے دربار میں آئے مگر عام خواہش اسکے خلاف تھی لوگ آرزومند تھے کہ اپنی آنکھیں عباسیہ حکومت کو اسکے اصل لباس میں دیکھیں چنانچہ جب مامون نے طاہر کو بلا کر اسکی کارگذاریوں کا صلہ دینا چاہا۔ اور کہا کہ "جو مانگنا ہو مانگ" تو اس نے یہی خواہش ظاہر کی کہ آل عباس کی یہ آرزو پوری کر دی جائے۔ مامون نے یہ معقول درخواست منظور کی اس نے خود دربار عام میں سیاہ لباس منگوا کر پہنا اور طاہر ذوالیمینین و تمام افسران فوج کو سیاہ رنگ کے خلعت مرحمت کئے ۲۳ صفر ۲۰۴ھ کو کل اہل بغداد سیاہ لباس میں تھے اور اس دن گویا یہ عملی اعلان عام دیدیا گیا کہ "اب تمام اسلامی دنیا میں آل عباس کی حکومت ہے۔

طاہر کا خراسان کی حکومت پر مقرر ہونا ۲۰۵ھ

اس سال ایک عجیب تقریب سے طاہر کو اپنے کارہائے نمایاں کا مناسب صلہ ملا یعنی وہ کل مشرقی حکومت پر جسکی دار الخلافہ بغداد سے شروع ہو کر سندھ تک منتہی ہوتی ہے نائب السلطنت مقرر ہوا اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ایک رات طاہر مامون کی بزم عیش میں حاضر ہوا۔ مامون بادہ نوشی کے مزے لے رہا تھا۔ بے تکلفی میں اس نے دو پیالے طاہر کو بھی مرحمت کئے اور اپنے سامنے بیٹھنے کی اجازت دی۔ طاہر نے باادب عرض کیا کہ "میرا منصب اس عزت کا مستحق نہیں ہے" مامون نے کہا یہ قیدیں دربار عام کے لئے مخصوص ہیں بے تکلفی کے جلسوں میں اس قسم کے قواعد کی پابندی ضروری نہیں" طاہر آداب بجا لا کر بیٹھ گیا مامون نے اسکی طرف نگاہ کی تو آنکھوں میں آنسو

پھر آئے طاہر نے عرض کیا کہ اب کیا آرزو باقی رہی ہے جسکا حضور رنج کر سکتے ہیں۔" مامون نے کہا کچھ ایسی بات ہے جسکے پوشیدہ رکھنے میں تکلیف اور ظاہر کرنے میں ذلت ہے۔ طاہر اُسوقت تو چپ ہو رہا مگر دل میں خلش پیدا ہوئی کہ آخر کیا بات ہے۔ حسین جو مامون کا ساقی اور ندیم خاص تھا طاہر نے اُسکو دو لاکھ درہم نذر بھیجے اور درخواست کی کہ اُس دن کے واقعہ کا سبب دریافت کرے۔ حسین نے موقعہ پاکر پوچھا۔ مامون نے کہا۔ اگر یہ بات آگے بڑھی تو تیرا سر اڑا دونگا۔ سچ یہ ہے کہ جب طاہر میرے سامنے آتا ہے تو بھائی امین کا ذلت و بیکسی سے مارا جانا یاد آتا ہے" میرے ہاتھ سے ضرور طاہر کو کسی دن ضرر پہونچیگا۔ طاہر کو یہ بات معلوم ہوئی تو احمد بن ابی خالد الاحول کے پاس گیا (حسن بن سہل کے بعد وزیر اعظم مقرر ہوا تھا) اور کہا کہ تم جانتے ہو کہ میں احسان فراموش نہیں ہوں اور میرے ساتھ بھلائی کرنی فائدہ سے خالی نہیں۔ میں تم سے صرف اتنا چاہتا ہوں کہ مامون کی آنکھوں سے دور رہوں۔ احمد بن ابی خالد نے اس کا ذمہ لیا اور دوسرے دن صبح کے وقت مامون کے پاس حاضر ہوا چونکہ چہرہ سے تردد اور پریشانی نمایاں تھی (مامون نے پوچھا کیوں؟ کیا کوئی نئی بات ہے (احمد) حضور مجھے تو ساری رات نیند نہیں آئی (مامون) آخر کیوں (احمد) میں نے سنا کہ حضور نے خراسان کی حکومت غسان کو دیدی جسکے ساتھ مٹھی بھر آدمی سے زیادہ نہیں ہیں اگر سرحد کے ترکوں نے حملہ کیا تو کیا غسان انکو روک سکیگا (مامون) یہ خیال تو مجھکو بھی تھا۔ اچھا تم کسی کو تجویز کرتے ہو (احمد) طاہر ذو الیمینین سے بہتر کون شخص انتخاب ہو سکتا ہے (مامون) مگر اسکے خیال تو باغیانہ ہیں۔ اور وہ نقض بیعت پر آمادہ ہے (احمد) اسکا میں ذمہ دار ہوں (مامون) اچھا تم اپنی ذمہ داری پر مقرر کرو۔ طاہر طلب ہوا اور سند حکومت کے ساتھ ایک کروڑ درہم بھی جو عموماً خراسان کے گورنروں کو ملتے تھے عطا ہوئے طاہر نے ایک مہینہ میں ساز و سامان سفر درست کیا اور ۲۹ ذیقعدہ ۲۰۵ھ ہجری کو خراسان روانہ ہوا۔ طاہر کا بیٹا اسکے بعد صاحب الشرطہ مقرر ہوا لیکن تھوڑے ہی دنوں میں اسکی ذاتی لیاقت نے مصر کی گورنری پر پہنچا دیا۔ تقرر کے وقت مامون نے اُسکو اپنے سامنے بلایا اور کہا کہ "یوں تو ہر شخص اپنی اولاد کی نسبت حسن ظن رکھتا ہے لیکن طاہر نے جو کچھ تمہاری تعریف میں کہا اُس سے کم کہا جسکے در اصل مستحق ہو" طاہر نے یہ مژدہ سنا تو بیٹے کو ایک نہایت مفصل خط لکھا جو آئین حکومت۔ انتظامات ملکی۔ رفاہ رعایا کے متعلق ایک نہایت عمدہ دستور العمل تھا یہ خط اسقدر مقبول عام ہوا کہ تمام لوگوں نے اسکی نقلیں لیں خود مامون نے اسکی باضابطہ نقلیں عموماً حکام سلطنت کے پاس بھجوائیں اور کہا کہ طاہر نے دین و دنیا و تدبیر و رائے و سیاست و اصلاح ملک و حفاظت سلطنت و قیام خلافت کے متعلق کوئی بات اٹھا نہیں رکھی۔

له [illegible]

عبدالرحمن بن احمد کی بغاوت ۲۰۶ھ

اسکی بغاوت نہ چنداں بیجا تھی نہ بہت پر زور تھی لیکن وہ اسلئے زیادہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس سے مامون کی تاریخ زندگی میں ایک نیا انقلاب شروع ہوتا ہے یمن کے لوگ عمال کی بے اعتدالیوں سے باغی ہوگئے تھے انکو ایک صاحب اثر شخص سمجھکر خلیفہ قرار دیا۔ مامون نے دینار بن عبداللہ کو مقابلے کے لئے بھیجا لیکن ایک معاہدہ امن بھی لکھکر دیدیا کہ اگر عبدالرحمن قبول کرے تو لڑائی کی کچھ ضرورت نہیں زمانہ حج میں دینار یمن کو روانہ ہوا اور معاہدہ امن عبدالرحمن کے پاس بھیجدیا عبدالرحمن نے خود دینار کے ہاتھ پر بیعت کرلی اور بغداد چلا آیا۔ مامون سادات کی پیہم بغاوتوں سے نہایت تنگ آگیا تھا اب اسنے ۲۸ ذیقعدہ ۲۰۱ھ کو حکم دیدیا کہ عموماً آل علی اپنا امتیازی لباس چھوڑکر سیاہ لباس اختیار کریں اور آج سے دربار میں نہ آنے پائیں مامون کو اس خاندان سے جو بےلاگ محبت تھی سیاست ملکی نے اسکو اس صورت میں بدلدیا جسکی تاریخ ۲۸ ذیقعدہ سے شروع ہوتی ہے۔

ذوالیمینین طاہر کا وفات پانا۔ روز شنبہ جمادی الثانی ۲۰۷ھ مقام مرو

مامون نے اگرچہ احمد بن ابی خالد کی ذمہ داری پر طاہر کو خراسان ایسے بڑے صوبے کی حکومت دیدی تاہم وہ اسکی طرف سے مطمئن نہ تھا طاہر خراسان کو روانہ ہوتے ہوتے جب مامون سے رخصت ہونے گیا تو مامون نے ایک خاص غلام اسکے ساتھ کردیا جسکی نسبت طاہر کو یقین دلادیا کہ اسکی کارگذاریوں کا صلہ ہے مگر دربردہ غلام کو ہدایت کی کہ اگر طاہر کے خیالات بغاوت کی طرف مائل دیکھے تو زہر دیدے خراسان پہنچکر غالباً طاہر نے بغاوت کا ارادہ کیا مگر مورخین اسکا کوئی ثبوت بجز اسکے نہیں پیش کرتے کہ ایک جمعہ میں طاہر نے خطبہ میں مامون کا نام نہیں پڑھا کلثوم بن ثابت خراسان کا پرچہ نویس اس موقع پر موجود تھا اسنے گھر پر آکر غسل کیا اور کفن پہنکر مامون کو اس واقعہ کی عرضی لکھی اسکو یقین تھا کہ طاہر کو بھی ضرور اس حال سے خبر ہوگی اور وہ اسکو زندہ نہ چھوڑیگا مامون نے عرضی پڑھی تو احمد بن ابی خالد کو بلا بھیجا اور کہا کہ اسیوقت خراسان روانہ ہو۔ احمد نے بڑے اصرار سے رات بھر کی مہلت لی تھوڑی دیر کے بعد دوسرا پرچہ پہنچا کہ طاہر نے دفعتاً انتقال کیا احمد کا جانا ملتوی رہ گیا طاہر کو جمعہ کے دن بخار چڑھا ہفتہ کی صبح کو لوگ عیادت کے لئے گئے تو دربانوں سے معلوم ہوا کہ آج خلاف معمول ابھی تک خوابگاہ میں ہیں زیادہ دیر ہوئی تو لوگ اندر گئے طاہر سر سے پاؤں تک کپڑے میں لپٹا ہوا مردہ پڑا تھا بعض لوگوں کا بیان ہے کہ پلکوں میں

کچھ عارضہ پیدا ہوا جس سے وہ دفعتاً گر پڑا اور مر گیا۔[1]

مامون نے طاہر کے بعد اسکے بیٹے طلحہ کو خراسان کی حکومت دی دوسرے بیٹے عبداللہ کو بھی معزز عہدے دئے طاہر کی تین پشتوں یعنی خود طاہر و عبداللہ بن طاہر و عبید اللہ بن عبداللہ نے دولت عباسیہ میں بڑا اقتدار حاصل کیا ہم کو بھی کچھ شبہ نہیں کہ طاہر کو زہر دیا گیا اور خود مامون نے زہر دلوایا لیکن اگر مامون کی جگہ کوئی دوسرا بادشاہ ہوتا تو کیا کرتا۔ اگر اس نظیر کے لئے ہم دور نہ جائیں اور خود مامون کے نامور باپ ہارون الرشید کی طرف نگاہ اٹھائیں تو کیا ثابت ہوگا اور ہم دیکھتے ہیں کہ انے ایک خیالی الزام پر برامکہ کا وہ فیاض خاندان جسکی نظیر سے کل تاریخ اسلام خالی ہے ایک لحظہ میں دنیا سے ناپید کر دیا لیکن مامون نے جو کچھ کیا سیاست ملکی کے لحاظ سے اسکا ضروری فرض تھا تاہم اسکے خاندان سے کچھ تعرض نہ کیا بلکہ اُسکی اولاد کو اس رتبہ پر پہنچایا کہ کچھ زمانہ کے بعد خراسان میں انکی مستقل حکومت قائم ہوگئی مامون کے پاس جب طاہر کے مرنے کی خبر آئی تو اُسنے کہا کہ "خدا کا شکر ہے جسنے طاہر کو مجھسے پہلے بلا لیا" اس بات سے بھی ظاہر ہے کہ طاہر کی بغاوت کا اسکو کافی یقین ہو چکا تھا۔ اس کتاب کے دوسرے حصہ میں معلوم ہوگا کہ مامون ملک کے ہر ایک جزئی حالات سے کسقدر واقفیت رکھتا تھا۔ اور اسوجہ سے اُسکی رائے ان معاملات میں نہایت وقعت کے قابل ہے۔

افریقیہ اور منصور بن نصیر کی بغاوت ۲۰۸ھ ہجری

افریقیہ کو ممالک اسلامیہ میں داخل ہوئے قریباً سو برس گذر چکے تھے مگر عہد فتح سے آجتک ہمیشہ خطرناک بغاوتیں برپا رہیں یہاں کی آب و ہوا میں پہلے ہی اطاعت کا مادّہ نہ تھا اور قبائل عرب کے ملجانے سے جو ایک مدت سے ان اطراف میں جا کر آباد ہوتے جاتے تھے انکی سرکشی اور پُرخطر اور تیز ہوگئی تھی یہاں کا جو خراج تھا وہ یہیں کے امن انتظام قائم رکھنے میں صرف ہوتا تھا بلکہ مصر کے خزانہ سے اور پانچ لاکھ روپیہ سالانہ منگانے پڑتے تھے۔

۱۸۴ھ ہجری میں ہارون الرشید نے ابراہیم بن الاغلب کو افریقیہ کا گورنر مقرر کیا تھا جس نے افریقیہ سے چالیس ہزار دینار بطور خراج کے دینے منظور کئے تھے۔ ابراہیم نے نہایت نیک نامی کے ساتھ حکومت کی

---

[1] مصنفہ عیون والحدائق۔ کامل۔ ابن خلدون۔ ابوالفدا کسی نے نہیں لکھا کہ طاہر کیونکر مرا۔ مگر عربی مورخین کی یہ عام عادت ہے کہ وہ واقعات کو بالکل سادہ لکھتے ہیں اور اس بات سے بحث نہیں کرتے صرف ابن خلکان ایک شخص ہے جسنے اس واقعہ کی پوری تفصیل لکھی ہے اور چونکہ اسنے نہایت معتبر تاریخ کا یعنی ہارون بن عباس بن مامون الرشید کی تاریخ کا حوالہ دیا ہے میں نے اس موقع پر جو کچھ لکھا ہے اس سے لکھا ہے ۱۲

اور پھر افریقیہ کی گورنری اُس کے خاندان کا موروثی ترکہ ہو گیا چنانچہ مامون کے زمانہ میں جو شخص اس منصب پر متمکن تہا۔ وہ ابراہیم کا نامور فرزند زیادۃ اللہ تہا۔ سنہ ۲۱۲ ہجری میں ٹونس میں ایک تازہ بغاوت کی ابتدا ہوئی جس کا بانی منصور بن نصیر تہا۔ زیادۃ اللہ نے ایک افسر کو جس کا نام محمد بن حمزہ تہا تین سو سوار دے کر بھیجا کہ دفعتًا ٹونس پہونچ کر منصور کو گرفتار کر لائے۔ لیکن محمد کے پہونچنے سے پہلے منصور کو خبر ہو گئی اور وہ طنبدہ چلا گیا۔ محمد کو ٹونس میں بالکل ناکامی ہوئی۔ اب اس نے یہاں کے قاضی کو منصور کے پاس بطور سفارت کے بھیجا۔ چالیس اور بڑے بڑے ثقات قاضی صاحب کے ساتھ گئے کہ وعظ و پند کا افسوں پھونک کر منصور کو مسخر کر لائیں مگر منصور ان سادہ دل ملاؤں سے زیادہ چالاک تہا اُس نے قاضی صاحب سے کہا کہ "میں تو قدیم نمک خوار ہوں۔ آج کی رات آپ ماحضر قبول فرمائیں۔ کل میں خود آپ کے ہمرکاب چلوں گا" منصور نے محمد کو بھی دعوت کے کہانے اور فواکہ بھیجے اور کہا کہ کل قاضی صاحب کے ساتھ شرف خدمت حاصل کروں گا" محمد اور اس کی مختصر فوج نے نہایت اطمینان کے ساتھ دعوت کے مزے اڑائے۔ اور خوب شرابیں پیں۔ ہنوز خمار نہیں اترا تہا کہ دفعتًا طبل جنگ کی مہیب آواز نے ان بدمستوں کو چونکا دیا اُٹھے تو منصور ایک جمعیت کثیر کے ساتھ سر پر موجود تہا۔ محمد کی فوج نے بھی ہتیار سنبھالنا چاہا۔ مگر اعضا قابو میں نہ تھے۔ تاہم ایک سخت معرکہ ہوا اور ساری رات لڑائی رہی۔ محمد کی فوج بالکل قتل ہو گئی صرف وہ لوگ بچ گئے جو دریا میں کود پڑے اور تیر کر اُس پار نکل گئے۔ ٹونس میں جو شاہی فوج تہی اُس نے بھی منصور کی خدمت میں حاضر ہو کر اطاعت پر آمادگی ظاہر کی۔ مگر اس اندیشہ سے کہ آئندہ منصور اگر زیادۃ اللہ سے مل گیا تو وہ کسی طرف کے نہ ہوں گے۔ یہ شرط پیش کی کہ آپ زیادۃ اللہ کے کسی عزیز کو قتل کرا دیجیے۔ اسمعیل کے قتل سے جو زیادۃ اللہ کا رشتہ دار اور ٹونس کا عامل تہا۔ یہ خواہش پوری کر دی گئی۔ ٹونس کے اضلاع میں منصور کی قوت روز افزوں ترقی کر رہی تہی۔ اور اس وجہ سے ضرور تہا کہ زیادۃ اللہ بھی برابر کی طاقت سے اُس کا مقابلہ کرے۔ اُس نے اپنے وزیر خاص غلیون کو اس مہم کے لیے انتخاب کیا۔ مگر دسویں ربیع الاول کو جو معرکہ ہوا۔ اُس میں غلیون نے شکست کہائی اور فوج جو ساتھ تہی باغیانہ افریقیہ کے مختلف شہروں میں پہیل گئی۔ غلیون کو شکست دیکر منصور کے حوصلے بلند ہو گئے اس نے خود زیادۃ اللہ کی دار الحکومت قیروان کو جا گھیرا ۴۰ دن تک محاصرہ رہا اور بڑے بڑے معرکے ہوے مگر اخیر لڑائی میں جو ۱۵ جمادی الثانی کو پیش آئی زیادۃ اللہ اس سر و سامان سے نکلا کہ منصور نے پہلے ہی ہمت

ہارون - مقابلہ ہوا لیکن نتیجہ جنگ وہی تہا جو منصور کے خیال میں چونکہ محاصرہ کے زمانہ میں قیروان والے منصور سے مل گئے تھے زیادۃ اللہ نے ان سے انتقام لینا چاہا لیکن علماء اور فقہاء بیچ میں پڑے اور اسکو اس ارادے سے باز رکہا، تاہم عبرت کے لئے قیروان کی شہر پناہ بالکل برباد کر دی گئی -

اگرچہ منصور خود شکست کھا کر قیروان سے چلا گیا - مگر اس کے سرداروں نے افریقیہ کے اکثر اضلاع دبا لئے تھے انہیں سے ایک شخص عامر بن نافع تہا جس نے سبیہ پر قبضہ کر لیا تہا ۲۰۹ھ ہجری میں زیادۃ اللہ نے محمد بن عبداللہ اپنے ایک عزیز کو اسکے مقابلہ پر بہیجا - ۲۰ محرم کو ایک سخت معرکہ ہوا محمد نے شکست کھائی اور قیروان کو الٹا واپس آیا اس اثنار میں منصور نے دوبارہ قوت حاصل کی اور چونکہ فوج جو منصور کے ساتھ تہی اسکے اہل وعیال قیروان میں رہ گئے تھے اُسنے پہر قیروان کا محاصرہ کیا ۱۷ دن محاصرہ رہا - اگرچہ کوئی لڑائی نہیں ہوئی مگر منصور اپنے مقصد میں کامیاب ہوا اہل فوج کے عزیز واقارب قیروان سے نکل آئے اور اپنے عزیزوں سے آکر ملگئے منصور بہی ٹونس کو واپس چلا آیا افریقیہ کے اکثر ضلاع زیادۃ اللہ کے ہاتھ سے نکل گئے خود شاہی فوج نے جو منصور کے ساتھ ہوگئی تہی زیادۃ اللہ کو مغرورانہ پیغام کہلا بہیجا کہ "جو تدبیر تم کو جانبر کر سکتی ہے وہ صرف یہ ہے کہ تم افریقیہ سے اور کہیں چلے جاؤ اس سعادت کے صلے میں ہم تمہاری جان سے کچھہ تعرض نہ کریں گے چند اتفاقی واقعات نے اگر مساعدت نہ کی ہوتی تو آل اغلب کا خاتمہ ہو چکا تہا مگر ۲۱۱ھ ہجری میں عامر جو منصور کا دہنا ہاتھ تہا خود منصور سے ناراض ہوگیا اور بالآخر اسکو قتل کرا دیا یہ محسن کش بہی کچھہ زیادہ نہ پہلا دو ہی تین برس کے بعد قضا کی اور زیادۃ اللہ کیلئے افریقیہ کی حکومت بے خلش چہوڑ گیا زیادۃ اللہ کو ان واقعات نے بالکل مطمئن کر دیا اُسنے کچھہ بیجا نہیں کیا کہ "اب لڑائی نے اپنے ہتیار رکہدئے"

نصر بن شبیث کا گرفتار ہونا ۲۰۹ھ

نصر حلب کے شمال میں کیسوم کے علاقہ کا رہنے والا تہا اور امین الرشید کا نہایت جان نثار دوست تہا محاصرہ کے زمانہ میں تو امین کی کچھہ مدد نہ کر سکا لیکن امین کے قتل کے بعد علانیہ بغاوت ظاہر کی اور چونکہ عرب کے بعض قبائل اور بہت سے خانہ بدوش بدو بہی اسکے ساتھ ہوگئے اس نے حلب وسمیساط وغیرہ پر قبضہ کر لیا حسن بن سہل نے طاہر کو جو حال ہی میں بغداد کی فتح کا فخر حاصل کر چکا تہا اسکے مقابلہ کے لئے بہیجا ایک سخت جنگ کے بعد طاہر نے شکست کھائی اور رقہ کو واپس گیا ۱۹۹ھ میں جزیرہ کے تمام اضلاع نصر کے قبضہ واقتدار میں آگئے اور ۲۰۹ھ تک اسکی بغاوت شاہی قوت کی حریف مقابل رہی ۲۰۴ھ میں جب طاہر رقہ سے چلا آیا تہا تو اسکا بیٹا عبداللہ اس مہم پر مامور ہوا لیکن

چار برس کی متواتر کوششوں نے بھی کوئی نتیجہ نہیں پیدا کیا۔ سنہ ۲۰۶ھ میں مامون نے محمد حاضری کو نصر کے پاس سفیر کر کے بھیجا نصر نے گو اطاعت پر آمادگی ظاہر کی مگر شرطیں وہ پیش کیں جو مامون کے نزدیک بغاوت کی سرکشی سے کچھ کم نہ تھیں پہلی شرط یہ تھی کہ میں دربار میں حاضر نہ ہونگا مامون نے اسکے قبول کرنے سے بالکل انکار کیا۔ محمد حاضری واپس گیا۔ اور نصر سے کہا کہ مامون کو تمہاری حاضری ہی پر زیادہ اصرار ہے۔ نصر دفعتاً جھلا اٹھا اور کہا کہ "چند ہینڈ کون (قوم زط[۱]) پر جسکا زور نہ چل سکا اُس کے آگے عرب کے ہزاروں جانباز کیونکر سر جھکا سکتے ہیں" لیکن نصر کا یہ غرور قائم نہ رہا عبداللہ بن طاہر نے اسکو اتنا تنگ کیا کہ بلا کسی شرط کے ہتھیار رکھدیے

ابن عائشہ و مالک کا قتل اور ابراہیم کی گرفتاری سنہ ۲۱۰ھ

ابراہیم جس نے بغداد میں علم خلافت بلند کیا تھا۔ گو مدت سے روپوش ہوگیا تھا۔ لیکن اُس کے قدیم رفقا اب بھی اپنی کوششوں میں سرگرم تھے اور چاہتے تھے کہ ابراہیم کو دوبارہ تخت خلافت دلائیں مامون کو اس سازش کی بہت جلد اطلاع ہوگئی اور صفر سنہ ۲۱۰ہجری میں یہ سب گرفتار کرے گئے ابن عائشہ و مالک اس جماعت کے سرگروہ تھے۔ ان لوگوں نے ایک بڑی فہرست طیار کر کے مامون کی خدمت میں بھیجی کہ اور بہت سے لوگ اس کوشش میں ہمارے ساتھ ہیں" لیکن مامون نے اس خیال سے کچھ التفات نہ کی کہ شاید اپنے ساتھ دوسروں کو بھی گرفتار کرانا چاہتے ہیں۔ باغی قید خانے بھیجدیے گئے مگر وہاں بھی نچلے نہ بیٹھے۔ ایک دن اندر سے چاروں طرف کے کواڑ بند کر دئے اور چاہا کہ دیوار توڑکر باہر نکل جائیں۔ مامون کو خبر ہوئی تو خود جیلخانے پہنچکر ابن عائشہ کے سوا سب کو قتل کرا دیا۔ ابن عائشہ ہاشمی تھا اسلئے امتیاز رکھا گیا کہ بجائے قتل کے اُس کو سولی دی گئی۔ لیکن اسکے ساتھ یہ قاعدہ ٹوٹ گیا کہ ابتک کسی ہاشمی نے پھانسی پانے کی ذلت نہیں اُٹھائی تھی۔

یہ واقعہ ابراہیم کی گرفتاری کا دیباچہ تھا۔ خود ابراہیم کی زبانی منقول ہے کہ "مامون جب عراق پہنچا تو لاکھ درہم کے انعام پر اسنے میری گرفتاری کا اشتہار دیا۔ میں نے خیال کیا کہ اب بغداد میں جان کی خیر نہیں گرمی کے دن تھے اور ٹھیک دوپہر تھی کہیں گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ مگر یہ کون بتا سکتا تھا کہ کہاں جاؤں ایک گلی میں پہونچا لیکن اسکی دوسری طرف راستہ نہ تھا۔ اب نہ آگے بڑھ سکتا تھا نہ الٹا پھر سکتا تھا۔ اسی

---

(۱) چونکہ قوم زط کی بغاوت کو مامون فرو نہ کر سکا تھا نصر نے طعنہ دیا۔ (۲) ۲۰۹ھ ربیع الاول سنہ ۲۰۹ھ میں گرفتار ہوا ۱۲

اضطراب میں ایک مکان نظر پڑا جسکے دروازے پر ایک حبشی غلام کھڑا تھا میں نے بڑھ کر اُس سے التجا کی کہ "ذرا دیر کے لئے اپنے مکان میں جگہ دے سکتے ہو" اُس نے نہایت خوشی سے منظور کیا اور مجھکو ایک کمرہ میں لیجا کر بٹھایا جو عمدہ اور بیش بہا ساز و سامان سے مزین تھا لیکن چونکہ خود باہر چلا گیا اور کواڑ بند کرتا گیا میری تازہ امید پھر یاس سے بدل گئی کہ غلام میرے گرفتار کرانے کو پولیس کے پاس گیا ہے میں اسی پیچ و تاب میں تھا کہ اسی نے کواڑ کھولے اور ایک مزدور کے ساتھ مکان میں داخل ہوا میں نے مسرت آمیز تعجب سے دیکھا کہ وہ گوشت دیگچی۔ کورے پیالے۔ اور تمام ضروری چیزیں اپنے ساتھ لایا ہے اسنے یہ تمام سامان میرے سامنے حاضر کیا اور کھڑے ہو کر دست بستہ عرض کی کہ میں ذات کا حجام میری جرأت نہیں کہ اپنے گھر کا پکا ہوا کھانا حضور کی دعوت میں حاضر کروں اسلئے بازار سے سب نئی چیزیں مول لایا ہوں اب حضور جو پسند فرمائیں"

میں نے خود کھانا تیار کیا۔ اور خوب سیر ہو کر کھایا پھر اُس نے مجھ سے پوچھ کر شراب حاضر کی اور کھڑے ہو کر کہا کہ "اگر اجازت ہو تو میں بھی ایک کنارے بیٹھ جاؤں اور حضور کی تفریح خاطر کے لئے دور ہی دور سے شراب میں شریک ہوں" میں نے اجازت دی۔ شراب کا دور چلتا رہا۔ ذرا دیر کے بعد وہ ایک نے اٹھالایا۔ اور دست بستہ کہا کہ "میرا یہ منصب نہیں کہ حضور سے گانے کے لئے عرض کروں لیکن حضور کا فیاض اخلاق خود میری آرزو کو پورا کر سکتا ہے" میں نے تعجب سے پوچھا کہ تمنے کیونکر معلوم کیا کہ میں اس لطیف فن سے واقف ہوں۔ اُسنے کہا سبحان اللہ کیا حضور چھپائے چھپ سکتے ہیں۔ کیا حضور کا اسم مبارک ابراہیم نہیں ہے۔ کیا بغداد کے تخت نے حضور کے قدموں سے عزت نہیں حاصل کی۔ مامون الرشید نے کس کے لئے لاکھ درہم کا اشتہار دیا ہے۔[1]

یہ سُنکر میں حیرت زدہ ہو گیا اور دل میں کہا کہ یہ غلام بھی خدا کی عجیب قدرتوں کا ایک نمونہ ہے۔ میں نے ایسے فیاض میزبان کا رنجیدہ کرنا خلاف انسانیت سمجھا اور نے کے ساتھ حسب حال کچھ اشعار گائے۔ غلام بدست ہو گیا مزے میں آکر خود بھی گانا شروع کیا اور اس درد سے گایا کہ در و دیوار بول اُٹھے۔ میں تمام خطرات کو یک لخت بھول گیا اور فرمائش کی کہ کچھ اور گاؤ۔ اُسنے نہایت دلکش آواز میں یہ اشعار گائے۔

تعیرنا انہ قلیل عدیدنا — فقلت لہا ان الکرام قلیل

وہ ہمکو عیب لگاتی ہے کہ ہمارا شمار کم ہے — مینے اس سے کہا کہ بڑے لوگ کم ہی ہوتے ہیں

[1] اس قصے کو کسی قدر اختلاف کے ساتھ خود یوسف کاتب نے جو ابراہیم کا خاص ندیم تھا اپنی ایک تصنیف میں جو صرف ابراہیم کے حالات میں ہے لکھا ہے۔ دیکھو مروج الذہب مسعودی خلافت مامون ۱۲

وانا لقوم ماتری القتل سبتہ　　　اذا ما راتہ عامر و سلول

عامر و سلول قتل ہونے کو عیب سمجھتے ہیں　　　لیکن ہم ایسا نہیں سمجھتے

ان پر اثر شعروں نے میرے ہوش وحواس بالکل کھو دیئے۔ اور غفلت زدہ ہو کر سو گیا جاگا تو شام
چکی تھی۔ میں نے جیب سے ایک تھیلی نکالی اور غلام کو یہ کہہ کر دینا چاہا کہ " لو خدا حافظ " سر دست یہ
پیشکش قبول کرو خدا نے اگر وہ دن کیا کہ میری بدقسمتی اقبال مندی سے بدل گئی تو میں تمہارے احسانا
کا کافی صلہ دے سکوں " غلام نے نہایت رنجیدہ ہو کر کہا " افسوس غریب آدمی آپ لوگوں کی نگاہ میں نہ
حقیر مخلوق ہے مجھ کو حضور کی ذرہ نوازی سے جو عزت ملی۔ کیا میں اس کو درہم و دینار کے عوض بیچ سکتا
خدا کی قسم یہ الفاظ دوبارہ سننے کی میں طاقت نہیں رکھتا۔ اور اگر آپ مکرر فرمائیں گے تو میں اپنی حقیر زند
کو قربان کر دونگا " میں نے ندامت کے ساتھ اپنا بے موقع عطیہ واپس لیا اور چاہا کہ غلام سے رخصت ہوں
لیکن اس نے عاجزانہ لہجہ میں کہا کہ " میرے آقا آپ یہاں زیادہ امن و آرام کے ساتھ رہ سکیں گے کچھ دنوں
اور صبر کیجئے یہ فتنہ فرو ہوئے تو حضور کو اختیار ہے " میں چند روز اور اس کے مکان پر مقیم رہا لیکن اس خیا
سے کہ میرا میزبان میرے مصارف کی وجہ سے گرانبار ہوا جاتا ہے چپکے سے نکل کھڑا ہوا اور اخفائے حال کے
لئے زنانہ لباس پہن لیا۔ تاہم راہ میں ایک فوجی سوار نے مجھے پہچان لیا اور چلا کر لپٹ گیا کہ لینا مامون کا اشتہ
جانے نہ پائے " میں نے پوری قوت سے اسکو پرے دھکیل دیا وہ ایک گڑھے میں جا پڑا۔ اور بازار کے آد
شور وغل سنکر ہر طرف سے دوڑ پڑے۔ میں فرصت پاکر بھاگتا ہوا اس پار جا پہنچا۔ اور ایک عورت سے جو اپ
مکان کے دروازے پر کھڑی تھی درخواست کی کہ " میری جان بچالے " اس نے نہایت خوشی سے میرا استقبال
کیا لیکن بدقسمتی سے یہ نیک دل عورت اسی سوار کی جورو نکلی جس نے میرا پردہ فاش کرنا چاہا تھا۔ ذرا د
کے بعد وہ بے رحم سوار آ پہونچا مکان میں گھستے کے ساتھ اس کی نگاہ مجھ پر پڑی۔ اور بیوی کو الگ لیجا
ساری داستان سنائی تاہم اس فیاض عورت نے مجھ کو آکر تسکین دی کہ جب تک میں ہوں آپکو کچھ ضر
نہ پہونچیگا۔ میں تین دن تک اس کا مہمان رہا۔ لیکن چونکہ شوہر کی جانب سے اسکو اطمینان نہ تھا چوتھے د
مجھ سے کہا کہ افسوس میں آپ کی حفاظت کا ذمہ نہیں اٹھا سکتی " مجبورانہ وہاں سے بھی نکلنا پڑا اس اضطر
میں مجکو اپنی ایک کنیز خاص یاد آئی۔ میں سیدھا اسکے مکان پر گیا۔ مجھ کو دیکھ کر باہر نکل آئی۔ اور روتی ہوئی
آواز اور ریائی آنسوؤں سے میرا استقبال کیا۔ تھوڑی دیر تک غمخواری کی باتیں کرتی رہی۔ پھر باہر چلی

گئی میں نے بغیر کسی تردد کے خیال کیا کہ دعوت کے اہتمام میں جاتی ہے لیکن کچھ عرصہ کے بعد جو تحفہ وہ میرے لئے بازار سے لائی وہ پولیس کے خونخوار سپاہی تھے۔ میں اُسوقت تک زنانہ لباس میں تھا اور اسی ہیئت میں گرفتار ہوکے مامون کے دربار میں حاضر کیا گیا۔ سامنے پہونچا تو دربار کے قاعدے کے موافق سلام کیا۔ مامون نے کہا خدا تیرا برا کرے میں نے کہا" امیرالمومنین ذرا ٹھیر جا میں بے شبہ سزا کا مستحق ہوں لیکن تقوے عفو کا باعث ہے میرا گناہ ہر گناہ سے بڑھ کر ہے لیکن تمام فیاضیاں تیرے رتبہ سے فروتر ہیں اگر تو مجھ کو سزا دے تو تجھکو حق ہے اور اگر بخشدے تو نوازش ہے پھر میں نے یہ اشعار پڑھے۔

ذنبی الیک عظیم وانت اعظم منه
میرا گناہ بڑا ہے لیکن تو اُس سے بالاتر ہے
فخذ بحقک اولا فاصفح بحلمک عنه
یا اپنا حق لے یا اپنے علم کی وجہ سے درگذر
ان لم اکن فی فعال من الکرام فکنه
اگر میرے کام شریفانہ نہیں ہیں تو آخر تیرے تو ہونے چاہئیں

میرے عاجزانہ فقرے اور پرتاثیر اشعار مامون کے دل پر قبضہ پاتے جاتے تھے محبت سے میری طرف نگاہ کی۔ میں نے اور چند شعر دردناک لہجہ میں پڑھے۔ اُس کا دل بھر آیا اور ارکان دولت کی طرف مخاطب ہوکہ کیا رائے ہے؟ سب نے متفق اللفظ کہا "قتل" مگر احمد بن ابی خالد وزیر اعظم نے عام رائے کے خلاف شفاعت کی اور کہا تاریخ میں ایسی مثالیں بہت موجود ہیں کہ بغاوت کے جرم پر قتل کا حکم دیا گیا لیکن اے امیرالمومنین اگر تو بخشدے تو ہم تیری فیاضی کی نظیر پچھلی تاریخوں میں بھی نہیں دکھا سکینگے" مامون نے سر جھکا لیا اور شعر پڑھا

قومی هم قتلوا امیم اخی فاذا رمیتهم یصیبنی سهمی
میرے بھائی امیم کو میری قوم نے قتل کیا میں اگر ان پر تیر چلاؤں تو مجھ ہی کو لگیگا

میں نے دفعتاً چہرے سے نقاب الٹ دی اور چلا اٹھا کہ" اللہ اکبر" خدا کی قسم امیرالمومنین نے بخش دیا مامون سجدہ میں گرا اور دیر تک سربسجدہ رہا۔ پھر مجھ سے مخاطب ہوا اور کہا کہ" چچا جان آپ جانتے ہیں کہ میں نے کیوں سجدہ کیا" میں نے عرض کیا کہ" شاید میری اطاعت پر" مامون نے کہا" نہیں اس بات پر کہ خدا نے مجھکو عفو کی توفیق دی" مامون نے پھر میری ساری داستان سنی اور غلام و عورت۔ کنیز کو طلب کرکے

غلام بھی ہزار دینار سالانہ مقرر کر دیا عورت کو بھی انعام عطا کیا لیکن کینز کو اپنی توقع کے خلاف خیر خواہی کا کچھ صلہ نہ ملا بلکہ الٹی سزا پائی[1]۔

مصر و اسکندریہ کی بغاوتیں ۲۱۱ھ

۲۰۶ھ میں عبید اللہ سری مصر کا عامل مقرر ہوا تھا اگرچہ نہایت رعب داب اور حسن انتظام کے ساتھ حکومت کی مگر امید سے زیادہ کامیابی نے خود سری کا خیال پیدا کر دیا طاہر کا نامور فرزند عبد اللہ اسکے مقابلہ پر مامور ہوا مصر جب ایک منزل رہ گیا تو اسنے ایک سردار کو تھوڑی سی فوج دیکر آگے روانہ کیا کہ پڑاؤ کے لئے کوئی محفوظ مقام معین کر رکھے عبید اللہ سری نے یہ خبر پا کر دفعتًا سردار پر چھاپہ مارا لیکن اس نے نہایت استقلال سے مقابلہ کیا اور ایک قاصد دوڑا دیا کہ عبد اللہ کو جا کر خبر کرے عبد اللہ عین وقت پر پہنچا یا عبید اللہ ایسا نادان نہ تھا کہ اب بھی جنگ قائم رکھتا سیدھا مصر کو واپس چلا گیا اور شہر پناہ کے دروازے بند کرا دئے۔ عبد اللہ نے شہر کا محاصرہ کیا۔ کچھ بہت دن نہیں گذرنے پائے تھے کہ عبید اللہ نے انجام کار پر غور کر کے سپر ڈالدی اور عبد اللہ کی خدمت میں ایک گرانبہا تحفہ جسکو رشوت کہنا زیادہ بجا ہے ارسال کیا یہ بیش قیمت تحفہ جس میں ہزاروں لونڈی غلام اور ہر ایک کے ہاتھ میں ہزار ہزار اشرفیاں تھیں گو قصدًا رات کے وقت بھیجا گیا۔ لیکن عبد اللہ نے صاف انکار کیا اور لکھ بھیجا کہ "اگر میں دن کو تیرا ہدیہ قبول کر سکتا تو رات کو بھی مجھکو انکار نہ ہوتا" خط کے اخیر میں قرآن مجید کی یہ پُر رعب آیتیں لکھیں" ارجع الیھم فلنا تینھم بجنود لا قبل لھم بھا ترجمہ تو انکی طرف واپس جا میں ایک ایسا لشکر لیکر ان پر آتا ہوں جسکا وہ لوگ سامنا نہیں کر سکتے" اس غضبناک خط نے تلوار سے بڑھکر کام دیا عبید اللہ نے مجبور ہو کر امان طلب کی مصر سے تو اطمینان ہوا مگر ہنوز اسکندریہ کا مرحلہ باقی تھا عبید اللہ کے زمانہ بغاوت میں اسپین سے دولت بنی امیہ کی ایک فوج آئی اور اسکندریہ پر قابض ہو گئی لیکن عبد اللہ کی آمد آمد نے اسکے حواس کھو دئے اور امن کی طالب ہو کر اسکندریہ سے نکل گئی اب یہ ممالک فتنہ و فساد سے یک لخت پاک ہو گئے اور ہر طرف امن و امان ہو گیا۔

زریق کی بغاوت اور سید بن انس کا مقتول ہونا ۲۱۱ھ

زریق عربی النسل تھا اور ۲۰۹ھ میں آرمینا و آذربائیجان کا گورنر مقرر ہوا تھا لیکن باغی ہو گیا اور اپنی حکومت

---

[1] دیکھو شمار الاوراق برحاشیہ مستطرف صفحہ ۳۰، الکامل ابن الاثیر، اغانی ابن خلدون وغیرہ میں ابراہیم کی گرفتاری کے حالات مختلف طریقوں سے بیان کئے گئے ہیں۔

کے کل علاقے دبالئے - سید بن انس جو موصل کا لفٹنٹ تہا چند بار اس سے معرکہ آرا ہوا مگر فتح حاصل نہ کرسکا ۲۱۱ھ میں زریق نے ایک فوج کثیر تیار کی جو کم و بیش چالیس ہزار تہی ایک بہادر شخص مدت سے زریق کے پاس نوکر تہا اور لاکھ درہم سالانہ فقط اس بات کے پاتا تہا کہ اسنے سید کے قتل کا بیڑا اٹہایا تہا قسم کھائی تہی کہ جب سید کو دیکھ پائیگا تنہا اسکے قتل کی عزت حاصل کریگا - اب زریق نے جو یہ فوج گراں سید کے مقابلہ پر بہیجی تو یہ بہادر شخص بہی ساتھ گیا سید لڑائیوں میں ہمیشہ تنہا حملہ آور ہوتا تہا اس معرکہ میں حریف کی فوج گو چالیس ہزار سے کم نہ تہی مگر اسنے اپنا طریقہ چھوڑنا پسند نہ کیا اور تنہا اتنے بڑے لشکر پر حملہ آور ہوا زریق کی فوج سے وہی بہادر شخص نکلا ہر ایک نے جان توڑ کر شجاعت کے جوہر دکہلائے اور دونوں کے ایک ساتھ قتل ہونے نے یہ ثابت کردیا کہ دونوں برابر کے حریف تھے -

مامون نے محمد بن حمید طوسی کو موصل کی حکومت عطا کی - محمد ۲۱۲ھ میں موصل پہنچا اور فوج شاہی کے علاوہ عرب کے بہت سے قبائل ساتھ لئے جو ایک مدت سے موصل میں آکر آباد ہوگئے تھے - سید بن انس کا فرزند محمد بہی جو برسوں سے باپ کے خون کا عوض لینے کے لئے بیقرار تہا اس فوج کے ہمراہ گیا - زریق محمد کی آمد سنکر خود مقابلے کے لئے بڑہا اور مقام زاب پر دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں ایک سخت جنگ کے بعد زریق امن طلب کرنے پر مجبور ہوا مامون نے اس فتح نمایاں کے صلے میں زریق کا تمام مال و اسباب محمد کو عنایت کیا مگر اس نے زریق کی اولاد کو بلاکر سب واپس دیدیا اور کہا کہ میں اپنی طرف سے تم کو دیتا ہوں" محمد نے آذربائیجان پہنچکر ان تمام باغیوں کو بہی گرفتار کیا جو زریق کے نائب بنکر ان اضلاع پر قابض تھے -

بابک خرمی کی بغاوت

جاویدان ایک مجوسی تہا جو ایک نئے مذہب کا بانی ہوا - اور نہایت شہرت حاصل کی اسکے مرنے پر بابک نام ایک شخص نے دعوی کیا کہ "جاویدان کی روح میرے جسم میں آگئی ہے" ۲۰۱ھ میں اسنے بڑی قوت حاصل کرلی اور اسلامی سلطنت کے زوال کے درپے ہوا ۲۰۶ھ میں عیسٰی (گورنر آذربائیجان و آرمینیہ) اسکے مقابلے پر مامور ہوا مگر شکست کھائی ۲۰۹ھ میں احمد اسکافی نے حملہ کیا مگر بابک کی فوج نے زندہ گرفتار کرلیا ۲۱۲ھ میں محمد جس نے زریق کی پرزور بغاوت کا خاتمہ کردیا تہا بڑے ساز و سامان سے روانہ ہوا اور بڑے بڑے میدان اور دشوار گذار گھاٹیاں طے کرتا ہوا بابک کی مستقر حکومت تک پہونچ گیا -

ہشتادسر کے آگے پہاڑوں کا ایک بڑا وسیع سلسلہ ہے - بابک نے یہیں ایک محفوظ اور بلند موقع پر اپنا

ہیڈکوارٹر قائم کیا تہا۔ محمد نے بڑی ترتیب سے فوج کو اوپر چڑہایا۔ قلب فوج پر ابوسعید اور میمنہ و میسرہ پر سعد و عباس کو متعین کیا۔ خود عقب میں رہا کہ ہر طرف سے دیکھ بھال رکھے بابک نے پہلے سے کچھ فوج کمینگاہوں میں بٹھا رکھی تہی۔ محمد کی فوج قریبًا تین فرسنگ تک اوپر چڑہتی چلی گئی۔ بابک کا صدر مقام بالکل قریب آگیا تہا۔ کہ دفعتًا اسکے رسالے کمینگاہوں سے نکل کر محمد کی فوج پر ٹوٹ پڑے اُدہر خود بابک بہی ایک جماعۃ کثیر لیکر بڑہا۔ محمد کا لشکر دونوں طرف سے بیچ میں آگیا اور سخت ابتری پڑگئی۔ ابوسعید و محمد نے بہت کچھ سنبھالا مگر فوج نہ سنبھل سکی محمد تنہا رہ گیا۔ اور چونکہ لڑائی کے مرکز سے دور پڑگیا تہا چاہا کہ کسی طرف نکلجائے اس ارادے سے چند قدم چلا تہا کہ سامنے شاہی فوج نظر آئی جس کو بابک کی فوجیں پامال کئے دیتی تھیں محمد فطری شجاعت کا جوش ضبط نہ کرسکا اور الٹا پھرا۔ ایک بہادر افسر بہی اسکے ساتھ تہا دونوں بابک پر حملہ آور ہوئے اور نہایت جانبازی کے ساتھ لڑکر مارے گئے۔

مامون الرشید ۲۱۸ھ تک زندہ رہا مگر اس کی زندگی تک بابک کا فتنہ فرو[1] نہ ہوا معتصم باللہ کے عہد خلافت کا یہ ایک مشہور اور یادگار واقعہ گنا جاتا ہے کہ اس کے سرداروں نے متعدد پرخطر لڑائیوں کے بعد بابک کو زندہ گرفتار کیا۔

فتوحاتِ ملکی[ہ]

اگرچہ مامون کا عہد حکومت شروع ہی سے خانہ جنگیوں اور بغاوتوں میں الجہا رہا تاہم اسکے وسیع حوصلوں نے فتوحات اسلامی کا دائرہ تنگ نہیں ہونے دیا صحابہ اور بنی امیہ کی سی عظیم فتوحات تو دولت عباسیہ کی تاریخ میں سرے سے ناپید ہیں لیکن یہ ضرور ہے کہ اس میدان میں مامون اپنے نامور اسلاف ہارون الرشید، منصور، مہدی سے کچھ پیچھے نہیں ہے بنو امیہ کے قبضہ میں صرف تلوار تہی بخلاف اسکے دولت عباسیہ کے ایک ہاتھ میں قلم بہی تہا اس لحاظ سے اگر اس خاندان کی ملکی فتوحات زیادہ وسیع نہوں تو نہ کچھ تعجب ہوسکتا ہے نہ ہم اسپر کوئی الزام عاید کرسکتے ہیں۔

عباسیوں کو جس چیز نے دنیا کی تاریخ میں زیادہ نامور کردیا وہ انکی قلم کے فتوحات ہیں جس کا اقرار ایشیا یورپ

ہ عمومًا مورخین نے مامون کی فتوحات کو اور خلفار کی فتوحات کی طرح مختلف سنوں کے ذیل میں لکہا ہے جسکی وجہ سے نہایت متفرق اور پریشان ہوگئے ہیں صرف علامہ ابن خلدون نے عمومًا ہر خلیفہ کی فتوحات کو ایک جگہ جمع کرکے لکہا ہے اور میں نے انکی تقلید کی ہے۔

[1] بابک کا ظہور ۲۰۱ھ میں ہوا اور اس لحاظ سے مناسب تہا کہ یہ عنوان بابک کی بغاوت، اسی سنہ کے واقعات کے ساتھ لکہا جاتا لیکن چونکہ اسکی بغاوت کا سلسلہ مامون کی وفات تک ساتھ ختم نہیں ہوا میں نے اسکو آخر ہی میں لکہنا مناسب خیال کیا۔

دونوں کو ہے اور جس کی وجہ سے یوروپ کی استادی کا مردہ فخر آج بھی مسلمانوں کے دماغ کو مختل رکھتا ہے۔
سنہ ۱۹۷ھ میں مامون کی اکثر فوجیں گو بغداد کے محاصرے میں مصروف تھیں۔ تاہم ممالک مشرقیہ میں اُس کی عظمت کا اثر کامیابی کے ساتھ پھیلتا جاتا تھا۔ کابل پر فوجیں بھیجیں۔ والیِ کابل اسلام لایا اور تاج و تخت نذر بھیجا۔ یہ بھی درخواست کی کہ کابل و قندہار دار الخلافت خراسان کے اضلاع میں داخل کر لئے جائیں اس سے پہلے بھی اسلامی فتوحات کا سیلاب ان کوہستانوں کے بلند مقامات سے گذر گیا تھا لیکن یہ فخر مامون ہی کی قسمت میں تھا کہ اس کے عہد میں والیِ کابل اسلام لایا۔ قندہار۔ غزنین وغیرہ سے بت پرستی قریباً معدوم ہوگئی اور یہ ممالک ہمیشہ کے لئے علم اسلام کے سایہ میں آگئے سینکڑوں ہزاروں مسجدیں تعمیر ہوگئیں اور توحید کی خالص آواز سے تمام دشت و جبل گونج اُٹھے۔ سندھ ایک مدت سے ممالک اسلامیہ میں داخل تھا منصور عباسی کے زمانہ میں اس کے عامل نے یہاں ایک شہر بھی آباد کرایا تھا جس کا نام منصورہ رکھا تھا سندھ کے گورنر ہمیشہ اپنا صدر مقام اسی کو اختیار کرتے رہے۔ مامون کے عہد میں موسیٰ بن یحییٰ برمکی وہاں کا گورنر مقرر ہوا اور ایک مشرقی رئیس پر فتح حاصل کی فضل بن ماہان نے سندان فتح کیا اور ہاتھی مامون کی خدمت میں بھیجا جو اہل عرب کے لئے ایک نادر تحفہ خیال کیا جاتا تھا فضل کے بیٹے محمد نے ستر جہاز تیار کئے اور میدِ ہند پر چڑھائی کی۔ دشمنوں کے بہت سے آدمی مارے گئے اور قالری فتح ہوا افسوس ہے کہ ان مقامات کے اصلی نام ہم معلوم نہ کرسکے۔ اس لئے معرب نام پر اکتفا کی) اسی زمانہ میں فوالکریا تین کشمیر و تبت کی طرف بڑھا۔ بوخان در اور پر قبضہ کر لیا گیا۔ بلاد ترک بھی محفوظ نہ رہے۔ غاراب۔ شاغر اطرار وغیرہ پر علم اسلام نصب ہوا۔ جیغویہ۔ خزنجی۔ (فرمانروائے ترک) کی اولاد اور حرمیں گرفتار ہوئیں اور فرغانہ پر سبز پھریرے اُڑائے گئے۔ اشروسنہ جو ایک مستقل حکومت ہے۔ کاوس وہاں کا فرمانروا اسلام

ملہ اردو کی بعض کم رتبہ تاریخوں میں لکھا ہے کہ مامون نے خاص ہندوستان پر بھی حملہ کیا اور متعدد لڑائیوں میں راجپوتوں سے شکست کھا کر واپس گیا مگر کسی معتبر تاریخ میں اس کا ذکر نہیں ہے فتوح البلدان میں صرف اس قدر لکھا ہے کہ فضل بن ماہان نے سندان کو فتح کیا اور مامون کی خدمت میں ایک ہاتھی بطور یادگار فتح روانہ کیا اپنے سندان میں ایک جامع مسجد بنوائی (دیکھو کتاب مذکورہ صفحہ ۴۳۶) لیکن یہ امر خود مشتبہ ہے کہ سندان کہاں ہے اور ابکس نام سے پکارا جاتا ہے۔ یاقوت حموی نے معقول طریقہ سے ایک مصنف کے اس خیال کو رد کیا ہے کہ وہ ہندوستان کا شہر ہے۔ یاقوت نے اسکو سندھ کے حدود کے قریب خیال کیا ہے۔ سندان کہیں ہو مگر راجپوتوں سے شکست کھانا شاید نری گڑھت ہے گو ایک ہندو مصنف نے اپنی برائے نام تاریخ میں اسکا تذکرہ علانیہ کیا ہے ۱۲ ملہ اسوقت تک مامون الرشید کی فوج کا لباس اور پھریرے فاطمیوں کی طرح سبز رنگ کے ہوتے تھے ۱۲

لایا جس کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ کاؤس کا چھوٹا بیٹا حیدر[1] ایک فوجی افسر سے ناراض ہوا اور اُسکو قتل کرا دیا یہ افسر معزز رتبہ کا آدمی تہا اور کاؤس نے اپنے بڑے بیٹے کی شادی اس کی لڑکی سے کی تہی حیدر نے باپ کے خوف سے شہر چھوڑ دیا اور مامون کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کی کہ تھوڑی سی فوج اشروسنہ کی فتح کے لئے کافی ہے مامون نے احمد ابن ابی خالد کو ایک بڑا لشکر دیکر روانہ کیا۔ کاؤس نے یہ خبر سنی تو اپنے بڑے بیٹے کو ترک بادشاہوں کے پاس بہیجا کہ اشروسنہ کو اسلام کے غارتگروں سے بچائیں۔ ترکوں نے ایک جمعیت عظیم ساتھ کر دی مگر اسلامی فوجوں نے اسکے پہنچنے سے پہلے اشروسنہ کا فیصلہ کر دیا۔ کاؤس بغداد چلا گیا اور اسلام لایا جس کے صلے میں مامون نے اسکی حکومت قائم رکہی۔ تبت کے رئیسوں میں سے بہی ایک والیٔ ملک اسلام لایا۔ وہ ایک بت کی پرستش کیا کرتا تہا جس کی ظاہری صورت سے ایک عجیب ارج وشان کا اظہار ہوتا تہا۔ سر پر سونے کا تاج تہا جس میں نہایت بیش قیمت زمرد و یاقوت لگے تھے ایک تخت سیمین جلوس کے لیے تہا اور اُسپر ہر وقت دیبا کا فرش بچہا رہتا۔ بادشاہ تبت جب اسلام لایا تو بت اور تخت دونوں مامون کے پاس بہیجدئے اور نامہ لکہا کہ "میں فلاں ابن فلاں حلقۂ اسلام میں داخل ہوا اور بت کے تخت کو جو میری گمراہی کا ایک ذریعہ تہا کعبہ پر نذر چڑہانے کے لئے بہیجتا ہوں"۔ نصیر بن ابراہیم عجمی نے ۲۰۱ھ میں اس تخت کو لیکر مکہ معظمہ پہنچا اور حکم دیا کہ صفا مروہ کی گذرگاہ عام میں رکہا جاوے۔ تین دن تک ایک شخص صبح شام دونوں وقت تخت پر کہڑا ہوکر بآواز بلند کہتا تہا کہ "فرمانروائے تبت اسلام لایا اور یہ اسکے پہلے معبود کا تخت ہے۔ عامۂ مسلمانوں کو خدا کا شکر کرنا چاہئے کہ اس کو اسلام کی توفیق دی[2] اسی سنہ میں عبداللہ بن خرداذبہ گورنر طبرستان نے دیلم پر چڑہائی کی بڑے بڑے مشہور اضلاع فتح کئے والیٔ دیلم جس کا نام ابولیلے تہا زندہ گرفتار ہوا طبرستان اگرچہ مدت سے ممالک اسلامیہ میں محسوب ہوتا تہا لیکن پہاڑی آبادیاں ابتک شہریار و مازدیار کے قبضہ حکومت میں تھیں جو مجوسی النسل و مجوسی المذہب تھے۔ عبداللہ ان اضلاع پر بڑہا شہریار و مازدیار دونوں نے اطاعت قبول کی مازدیار مامون کی خدمت میں روانہ کیا گیا کہ فتح کا ثبوت اس سے زیادہ کیا ہوگا۔ ابودلف نے بہی دیلم

---

[1] غالباً یہ نام اسلام کے بعد کا ہوگا ۱۲ [2] فتوح البلدان صفحہ ۴۳۰ میں یہ پوری تفصیل مرقوم ہے ۱۲ [3] ہمنے یہ تمام حالات ان فرامین سے اخذ کئے ہیں جو مامون نے اس تخت و تاج کے کعبہ پر چڑہائے جانے کی نسبت لکہے تھے تاج کے ساتھ یہ فرامین بہی کعبہ پر آویزاں کئے گئے اور قریباً ۲۶۰ھ تک بعینہا کعبہ میں محفوظ تہے ملا ازرقی نے ان فرامین کو خود دیکہا تہا اور تاریخ مکہ میں انکی پوری عبارت نقل کی ہے (دیکہو کتاب مذکور صفحہ ۱۵۰) ان فرامین میں کشمیر و بلاد ترک کی فتوحات کا بہی مجمل تذکرہ ہے جسکے بیان کا اس موقع پر لکہنا ہی افسوس ہے کہ اور کسی مورخ نے یہ واقعات نہیں نقل کئے فتوح البلدان میں صرف اسقدر ذکر ہے کہ مامون کے عہد میں بادشاہ کابل ایمان لایا

کے چند مشہور قلعے مثلاً اقلیم - بورمج - ابلام - انداق فتح کیے مامون نے یوروپ میں بھی نامور فتوحات کی یادگاریں قائم کیں جزیرہ کریٹ کو جو بحر الغرب میں واقع ہے اور جس کا دور ۷۰۰ میل سے کم نہیں ہے ابو حفص اندلسی نے (مامون کا ایک فوجی افسر تھا) اس طرح فتح کیا کہ پہلے ایک قطعہ پر قبضہ کیا اور وہیں پر برسوں تک مقیم رہا پھر بتدریج فتوحات حاصل کرتا گیا یہاں تک کہ سنہ ۲۱۰ھ میں پورا جزیرہ تسخیر کر لیا گیا۔[1]

جزیرہ صقلیہ (سسلی) کی فتح سنہ ۲۱۲ھ

یہ فتح مامون کے عہد کی نامور یادگار ہے سنہ ۲۱۲ھ میں میکل شہنشاہ روم نے جس کا نام عربی مورخ میخائیل لکھتے ہیں قسطنطین کو سسلی کا گورنر مقرر کیا تھا قسطنطین نے فیمی نام ایک شخص کو امیر البحری کی خدمت دی فیمی ایک مشہور بہادر تھا اس نے افریقہ کے سواحل پر فتوحات نمایاں حاصل کیں لیکن اس جرم پر کہ ایک پارسا عورت کو عبادت گاہ سے بھگا لایا شہنشاہ نے حکم بھیجا کہ اس کی زبان کاٹ ڈالیں۔ فیمی اس وحشیانہ سزا کا متحمل نہ ہوا اور علانیہ بغاوت ظاہر کی۔ جزیرہ کے ایک مشہور شہر مرقوسہ پر قبضہ کر لیا اور اپنی قوت کو ترقی دیتا گیا قسطنطین

---

[1] اکثر عربی مورخوں نے اس فتح کا تذکرہ نہیں کیا گبن صاحب نے سچ لکھا کہ مسلمان مورخوں نے جو ہیٹر اور مالس کی شہرت سے ناواقف تھے جزیرہ کریٹ کی فتح کو حقیر سمجھا ہے۔ مگر رومی مورخوں نے اس سے چشم پوشی نہیں کی، عربی تاریخوں میں سے میں نے اس فتح کا تذکرہ صرف فتوح البلدان میں دیکھا ہے اور یہ اجمالی حالات اسی سے نقل کیے ہیں ۱۲

[2] سسلی کی فتح کا حال علاوہ عربی تاریخوں کے میں نے گبن صاحب کی رومن امپائر سے بھی لیا ہے خصوصاً فیمی سے شاہنشاہ روم کی ناراضی کی وجہ اور اسلامی بیڑہ جہازات کی تفصیل صرف گبن صاحب کے حوالہ پر میں نے لکھی ہے جزیرہ سسلی قریباً دس ہزار میل مربع ہے سات ضلعوں میں منقسم ہے جنکے نام ہم ذیل میں لکھتے ہیں جن شہروں کے نام ہم نے اصل کتاب میں لکھے ہیں وہ معرب نام ہیں ذیل کی تصریح سے ان کے نام معلوم ہونگے۔

بلرم	سینا
قطانیہ	مرقوسہ
جرجنت	کلتا نیتا

ترتیبی۔ یہ جزیرہ جب مسلمانوں کے ہاتھ آیا تو اس کی آبادی میں اسلامی نسلیں نہایت کثرت سے پھیل گئیں زمانہ کا انقلاب دیکھو کہ جب بغداد کا ایک مشہور تاجر اس جزیرہ میں پہنچا تو خاص بلرمو میں ایک تیر کے فاصلے پر دس دس مسجدیں دیکھیں (دیکھو معجم البلدان حالات صقلیہ) اور اب اس جزیرہ میں ایک شخص بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کا ادب کرنے والا نہیں ۱۲

نے سرقوسہ پر حملہ کیا مگر شکست کھائی اور قسطانیہ میں پناہ گزیں ہونا پڑا۔ فیمی نے قسطانیہ پر چڑھائی کی قسطنطین گرفتار ہوا اور مارڈالا گیا۔ اب تمام جزیرہ میں فیمی کی مستقل حکومت قائم ہوگئی۔ سرقوسہ کو پایہ تخت قرار دیا اور اضلاع پر عمال و نائب مقرر کرکے بھیجے دشمنوں میں سے کوئی شخص اس کا حریف مقابل نہ تھا مگر بدقسمتی سے خود اس کا ایک عزیز جس کا نام بلاطہ تھا مخالف ہوگیا اور اپنے بھائی کی مدد سے سرقوسہ پر حملہ آور ہوا فیمی نے شکست فاش کھائی اور مجبور ہوکر زیادۃ اللہ کو جو مامون کی طرف سے افریقیہ کا گورنر تھا خط لکھا کہ "اسلامی فوج اس موقع پر اگر میری آبرو رکھے تو اس کے صلے میں سسلی کا جزیرہ نذر کرتا ہوں"
زیادۃ اللہ نے ربیع الاول ۲۱۲ھ میں سو جنگی جہاز جن میں سات سو سوار اور دس ہزار پیادے تھے فیمی کی اعانت کو بھیجے فوج کے سپہ سالار اسد بن فرات تھے جو مشہور محدث اور امام مالک کے شاگرد رشید تھے سسلی پہنچکر اسلامی فوج نے جس کی طرف رخ کیا وہ بلاطہ تھا جس نے فیمی کو شکست دیکر سرقوسہ سے نکال دیا تھا دونوں فوجیں نہایت جوش سے ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئیں فیمی اس معرکہ میں موجود تھا مگر مسلمانوں نے اس خیال سے اسکو الگ کردیا کہ جس فتح میں غیر قوم کا کوئی شخص شریک ہو وہ فخر کا مستحق نہیں جنگ کا خاتمہ بلاطہ کی شکست پر ہوا اب اسد کی فتوحات کا کوئی سد راہ نہیں رہا جس طرف گذر فتح وظفر نے خود آگے بڑھکر اس کا استقبال کیا۔ اس جزیرہ میں کراث ایک مشہور قلعہ تھا اور چونکہ اسد کے ڈر سے جزیرے والے اکثر ہر طرف سے آکر وہاں جمع ہوگئے تھے وہ ایک محفوظ مقام بن گیا تھا اسد نے اس پر حملہ کرنا چاہا مگر قلعہ والوں نے فریب سے یہ ظاہر کیا کہ "ہم خود جزیہ دینے پر راضی ہیں" ادھر فیمی نے مخفی طور سے اہل قلعہ کو لکھا کہ مسلمان قبضہ نہ کرنے پائیں۔ اسد نے جزیہ قبول کیا اور ان کی یہ شرط بھی منظور کرلی کہ اسلامی فوج قلعہ سے دور ٹھیرگی۔ فرصت پاکر اہل قلعہ نے پوری قوت سے جنگ کے سامان بہم پہنچائے اور جزیہ دینے سے انکار کیا اسد نے بڑے جوش سے دشمن کا پیغام سنا اور دفعتاً تمام جزیرے میں فوجیں پھیلا دیں سرقوسہ کا ہر طرف سے محاصرہ کرلیا عین موقعہ پر افریقیہ سے امدادی لشکر بھی پہونچ گیا اور قریب تھا کہ اس شہر پر اسلامی پھریرا اڑا دیا جائے لیکن بلاطہ کا بھائی میکل ایک فوج کثیر کے ساتھ آپہنچا اور اسلامی فوج خود محاصرے میں آگئی اسد نے حفاظت کے لئے خندق تیار کرائی اور اس سے کچھ فاصلے پر بہت سے گڑھے کھدوائے اور ان پر گھاس پھونس بچھوادی میکل کی فوج نے بڑے جوش سے حملہ کیا مگر جس قدر آگے بڑھی اپنی ہی لاشوں سے گڑھوں کو بھرتی گئی۔ یہ مہم تو سر ہوئی لیکن ۲۱۳ھ میں ایک عام وبا پھیلی اور اسلامی

فوج کا بڑا حصہ تباہ ہوگیا سپہ سالار اسد بھی بیمار ہوا اور مرگیا رہی سہی فوج کی کمان محمد بن ابی الجواری نے لی۔ اسی اثنا میں قسطنطنیہ سے بادشاہ روم کا جنگی جہاز پہونچا مسلمانوں نے سسلی سے ہاتھ اٹھایا اور چاہا کہ افریقہ کو واپس چلے جائیں لیکن رومی فوجوں نے تمام راستے روک لئے۔ مایوسی نے مسلمانوں کو مرنے پر آمادہ کیا انہوں نے اپنے جہازات خود جلادئے اور جانبازی کے ساتھ تمام جزیرے میں پھیل پڑے مینا کا محاصرہ کیا اور تین دن میں قلعہ چھین لیا جرجنت پر بھی خفیف مقابلے کے بعد قابض ہوگئے۔ قصریانہ کا محاصرہ ہوا اس معرکہ میں فیمی بھی مسلمانوں کے ساتھ تھا قصریانہ والوں نے فیمی سے اپنی قدیم اطاعت کا اظہار کیا اور کہا کہ تخت حکومت حضور کا منتظر ہے۔ فیمی اس فریب میں آگیا اور آخر ان کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ اسی اثنا میں روم سے ایک بیشمار لشکر پہنچا اور قصریانہ والوں کا مددگار ہوا تاہم میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ رومی فوج زیادہ تر برباد ہوئی اور جس قدر رہ گئی وہ قصریانہ میں محصور ہوئی۔ ان متواتر فتوحات نے مسلمانوں کے حوصلے اور جوش انتقام دونوں کو اعتدال سے زیادہ بڑھا دیا۔ فتوحات کی بجائے غارتگری پر جھکے فوج کے متعدد ٹکڑے ہوئے اور جس نے جدھر موقع پایا لوٹ مار شروع کی رومیوں نے یہ دیکھ کر کہ ان کی طاقت یکجائی نہیں رہی ہر طرف سے ان پر حملے کئے اور پے درپے شکستیں دیں ایک لڑائی میں اسلامی فوج کے کم وبیش ہزار سوار وپیادے کام آئے اب رومیوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا اور اور رسد تک بند کردی مسلمانوں نے چاہا کہ شبخون مار کر نکل جائیں مگر ناکامی ہوئی رومی پہلے خبر پا چکے تھے اور اپنے خیموں کو چھوڑ کر ادھر ادھر پھیل گئے تھے مسلمان ان کے پڑاؤ تک پہنچے تو خیمے بالکل خالی پائے واپس آنا چاہا تو رومیوں کے حصار میں تھے مجبور ہوکر لڑنا پڑا مگر اکثر قتل ہوئے اور جو بچ رہے وہ بھاگ کر مینا میں محصور ہوئے لیکن ایسی سختی سے دن گذرے کہ کتا بلی تک مار کر کھا گئے اس مایوسی میں ایک غیبی مدد نے ان کو مرنے سے بچالیا اسپین کے اسلامی جہازات ہمیشہ نئے جزیروں اور نوآبادیوں کی تلاش میں سمندر کے ہر حصہ میں پھرتے رہتے تھے اتفاق سے ایک بیڑا جہازات ادھر آنکلا۔ ساتھ ہی افریقہ سے بھی بہت سے جنگی جہاز مدد کو آگئے ان سب جہازوں کا شمار قریباً تین سو تھا۔ رومیوں نے فتح کا خیال چھوڑ دیا اور محاصرہ سے دست بردار ہوگئے مسلمان محاصرہ سے چھوٹے تو انتقام کے جوش میں لبریز تھے شہر بلرم ان کے حملوں کا پہلا آماجگاہ ہوا اور سنہ ۲۱۶ھ میں بالکل فتح کرلیا گیا سنہ ۲۱۹ھ میں اور اس کے بعد سسلی کے بڑے بڑے شہر فتح ہوئے۔ مگر چونکہ مامون کی تاریخ زندگی اس سنہ سے پہلے ختم ہوگئی۔ ہم ان فتوحات کا ذکر نہیں کرتے ❊

روم پر حملے[1]

یہ حملے اس لحاظ سے زیادہ دلچسپی کے قابل ہیں کہ انہیں مامون خود بذات خاص شریک تھا اور سچ یہ ہے کہ اگر ان لڑائیوں میں اسکی دلیری شجاعت کے جوہر ظاہر نہ ہوتے تو وہ مورخین کے قلم سے صرف شاعر یا صاحب القلم کا لقب پاتا لیکن ان فتوحات کی سند پر عام مورخین مان گئے ہیں کہ وہ تیغ و قلم دونوں کا مالک تھا۔

جمادی الاولی ۲۱۵ھ میں روم پر حملہ آور ہوا روم کی سرحد کے قریب پہنچا تو بادشاہ روم کے قاصد صلح کی درخواست لیکر آئے اور یہ شرطیں پیش کیں۔

(۱) دار الخلافہ سے یہاں تک آنے میں جو کچھ صرف ہوا ہم ادا کرینگے۔

(۲) جسقدر مسلمان ہمارے ملک میں مدتوں سے قید ہیں بغیر کسی عوض کے سب رہا کر دئے جائیں گے۔

(۳) اسلامی شہروں میں سے جو شہر روم کے اگلے حملوں میں برباد ہوئے ہیں ہم اپنے صرف سے انکی مرمت کر دیں گے

ان تین شرطوں میں جو پسند ہو ہم اس پر راضی ہیں جس کے عوض میں ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ آپ دار الخلافہ کو واپس جائیں،، مامون نے دو رکعت نماز پڑھی اور خود دیر تک سوچتا رہا کہ کون پہلو اختیار کرے مگر اسکی بلند حوصلگی نے یہی رائے دی کہ یہ سب شرطیں فتح سے کم قیمت ہیں اس نے قاصد کو بلا کر کہا "پہلی شرط کی نسبت میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرح تم سے کہتا ہوں کہ تم اپنا تحفہ اپنے پاس رکھو،، دوسری شرط بھی بے سود ہے کیونکہ جو مسلمان تمہارے ہاں قید ہیں اگر وہ دین کے لئے لڑنے گئے تھے تو قید ان کے لئے مایہ فخر ہے اور اگر ان کا مقصد دنیا حاصل کرنا تھا تو وہ قید ہی کے مستحق ہیں۔ تیسری شرط بھی میں منظور نہیں کر سکتا قید ہوتے وقت جس مسلمان عورت نے "ہائے محمد" کہہ کر پکارا ہوگا میں اُس کی اس دردناک آواز کو روم کے بڑے سے بڑے قلعہ کے عوض میں بھی نہیں بیچ سکتا[2]"

بڑے ساز و سامان سے لڑتا بھڑتا روم کی حدود حکومت میں پہنچ گیا۔ قلعہ قرۃ کا محاصرہ کیا۔ اور ۲۶ جمادی الاولی کو فتح کے بعد برباد کر دیا۔ قلعہ ماجدۃ کے لوگوں نے جو اطاعت قبول کی قلعہ سنان لڑکر فتح ہوا

[1] یاد رکھنا چاہیئے کہ عربی قدیم مورخ روم کے لفظ سے ایشیائے کوچک مراد لیتے ہیں یہاں بھی یہی مقصود ہے جن شہروں کے نام ان فتوحات میں لئے گئے ہیں اُنکو ایشیائے کوچک کے جغرافیہ میں ڈھونڈھنا چاہیئے۔ ناظرین اگر اس نکتہ سے واقف نہ ہونگے تو اٹلی یا قسطنطنیہ کی خاک چھانتے پھرینگے کیونکہ اب روم کے لفظ سے یہی معنے مراد ہوتے ہیں ۱۲ [2] یہ زائد تفصیل صرف مروج الذہب مسعودی سے لی گئی ہے ۱۲

اشناس اپنے غلام کو قلعہ سندس پر بہیجا جو فتح کے ساتھ مالک قلعہ کو بہی گرفتار کرکے ساتھ لایا اسی طرح عجیف وجعفر نے جو مامون کے ممتاز افسروں میں تھے قلعہ سنادیر فتح کے پھریرے اُڑائے۔

مامون اتنی کامیابیوں کے ساتھ دمشق کو واپس آیا مگر ۲۱۶ھ میں یہ خبر سُنکر کہ بادشاہ روم نے طرطوس و مصیصہ پہنچکر نہایت بیرحمی سے دو ہزار مسلمان قتل کردئے بڑے جوش اور غصہ کے ساتھ پھر روم پر چڑہائی کی خود ہر قلعہ کا محاصرہ کیا اور عباس اپنے بیٹے اور ابو اسحٰق معتصم اپنے بہائی سے کہا کہ وہ تمہارے حوصلوں اور بہادری کے لئے دشمن کا ملک وسیع جولانگاہ ہے فتوحات کے لئے جس قدر ملک چاہو تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے" ابو اسحٰق نے کم و بیش تیس نامور قلعے فتح کئے جن میں خرونلہ نہایت مشہور اور نامی قلعہ تہا اور بارہ قلعوں پر مشتمل تہا ابو اسحٰق نے اس قلعہ کو بالکل برباد کردیا اور آگ لگادی۔ عباس الطیفو قلعہ احرب قلعہ حصین کو فتح کرتا ہوا خود بادشاہ روم پر حملہ آور ہوا اور نہایت سخت پر خطر جنگ کے بعد حریف کو شکست فاش دیکر بیشمار غنیمت کے ساتھ واپس آیا۔

۲۱۷ھ میں بادشاہ روم نے صلح کی درخواست کی مگر اتنی گستاخی پر کہ خط میں اپنا نام پہلے لکہا تہا مامون غصہ سے بیتاب ہوگیا اور انتقام کے فراموش شدہ حوصلے پر پھر تازہ ہوگئے بڑے ساز و سامان سے روانہ ہوا ممالک محروسہ میں فرامین بہیجے کہ ہر شہر سے اسلام کے حوصلہ مند جہاد پر کمربستہ ہوں اور روم کی طرف رخ کریں۔

اس زمانہ میں روم کا سب سے نامی قلعہ لولوۃ تہا جو ہر قلعہ کی گذشتہ عظمت کا ہمسر گنا جاتا تہا مامون نے پہلے اُسکا محاصرہ کیا اور جب متواتر حملوں کے بعد کچھ کامیابی نہ حاصل ہوئی تو حکم دیا کہ قلعہ کے سامنے کچھ دور ہٹکر دو نئے قلعے تیار کئے جائیں غیر ملک میں اس حکم کی فوراً تعمیل ہونے سے ہم اندازہ کرسکتے ہیں کہ اسلامی فوج اپنے پاس کیا سر و سامان رکہتی ہوگی ان دونوں قلعوں میں سے ایک پر جبلۃ اور دوسرے پر ابو اسحٰق معتصم کو متعین کیا اور عام افسری عجیف کو دی خود ایک دوسرے قلعہ کی فتح کرنے کو چڑہا جسکا نام سلغوس تہا۔ عجیف دشمنوں کے ہاتھ میں گرفتار ہوگیا اور پورے ایک مہینہ اس عذاب میں گرفتار رہا۔

بادشاہ روم خود قلعہ لولوۃ تک آیا مگر جبلۃ و ابو اسحٰق اپنے قلعوں سے نکلکر نہایت دلیری سے مقابل ہوئے اور شاہ روم کے فوجی سامان بالکل لوٹ لئے لولوۃ والے یہ دیکہکر کہ خود اُن کا بڑا شہنشاہ اسلامی تلواروں کے سامنے نہ ٹھیر سکا ہمت ہار گئے اور عجیف کو اس درخواست کے ساتھ رہا کردیا کہ "ہم کو تمہارے صدقہ میں امن ملجائے" مامون نے اُن کی درخواست قبول کی اور یادگار فتح کے طور پر وہاں بہت سے مسلمان آباد کرائے۔

حدود روم کے قریب طوانہ جو ایک معمولی قصبہ تھا ۲۱۸ھ میں مامون نے حکم دیا کہ وہاں ایک شہر بسایا جائے۔

شہزادہ عباس تعمیر پر مامور ہوا شہر سے تین فرسنگ کے فاصلے پر شہر پناہ تیار کی گئی جس میں صدر دروازہ چار تھے اور ہر دروازہ پر ایک مستحکم قلعہ تھا۔

فرامین صادر ہوئے کہ ہر شہر سے ایک خاص تعداد یہاں آباد ہونے کے لئے بھیجی جائے جن کی تنخواہیں اس شرح سے مقرر ہوئیں۔ سوار سو درہم۔ پیادہ چالیس درہم۔

مامون کی وفات ۱۸ رجب ۲۱۸ھ

اس وقت مامون نے زندگی کے کل ۴۸ مرحلے طے کئے ہیں۔ مامون کا ابتدائی زمانہ زیادہ تر بغاوتوں اور خانہ جنگیوں کی نذر ہو گیا۔ ان جھگڑوں سے نجات پا کر عنانِ سلطنت اس نے خاص اپنے ہاتھ میں لی اور یہی دن تھے کہ وہ اپنے حوصلوں کو پوری آزادی دیتا اور وہ کر دکھاتا جو اسلام کے گذشتہ ناموروں نے کر دکھایا تھا۔ بلاد روم کے حملے اس کی بہادری کی ابتدائی بازی گاہ ہیں۔ تاہم اس میدان میں وہ اپنے اسلاف سے ایک قدم پیچھے نہیں ہے۔ یادگار فتوحات حاصل کرنے پر بھی اب تک وہ انہیں اطراف میں موجود ہے اور شاید اس خواہش میں سرگرم ہے کہ شہنشاہ روم کی قوت کا بالکل استیصال کر دے۔ خاص قسطنطنیہ پر حملہ کرنے کا وہ قطعی ارادہ کر چکا تھا لیکن زمانہ نے کس کی سب آرزوئیں پوری ہونے دی ہیں بہت سے پر فخر خیالات اس کے دل میں پھر رہے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ موت نے یہ پیغام سنا کر سب کو مٹا دیا کہ "اب میری حکومت ہے"

ایک دن وہ اپنے بھائی معتصم کے ساتھ نہر بذندوں کی سیر کو نکلا۔ پانی نہایت صاف تھا اور چمکتی ہوئی لہروں کی حرکت عجیب دلفریب سماں دکھا رہی تھی۔ مامون و معتصم دونوں ایک کنارے زمین پر بیٹھ گئے اور پانی میں پاؤں لٹکا دیئے۔ سعد قاری۔ مامون کا خاص ندیم بھی اس موقع پر موجود تھا مامون نے اس کی طرف مخاطب ہو کے کہا "کیوں سعد ایسا سرد اور صاف پانی تم نے دیکھا ہے" سعد

ط مامون کی فتوحات گو ابن خلدون۔ ابوالفدا۔ ابن الاثیر سب نے کسی قدر تفصیل سے لکھے ہیں لیکن میرا خاص ماخذ عیون الحدائق ہو چکے بیان میں زیادہ تفصیل کے ساتھ واقعات کا تسلسل اور حسن اتساق عموماً دوسروں سے بڑھا ہوا ہے ۱۲

تھوڑا سا پانی پی کر "حقیقت میں بینظیر ہے" (مامون) "اس پانی پر غذا کیا" (سعد) حضور خود اس سوال کا جواب عمدہ دے سکتے ہیں" (مامون) "ازاذ کی کھجوریں" یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ ڈاک ہے۔ اس حسن اتفاق پر سب کو حیرت ہوئی کہ سرکاری کا غذات کے علاوہ مامون کی فرمائش بھی ڈاک کے ساتھ ہی سب نے بڑے شوق سے کھایا اور نہر کا سرد پانی نوش جان کیا۔ لیکن اُٹھتے تو حرارت محسوس ہوئی۔ قیام گاہ پہنچ کر ۱۳ جمادی الثانی مامون کو سخت بخار چڑھا اور اسی عارضہ میں انتقال کیا۔

مرنے سے چند روز پہلے جب زیست سے بالکل مایوسی ہوگئی تو ممالک میں فرامین روانہ کیے جنکا یہ عنوان تھا "امیر المومنین۔ مامون اور اس کے بھائی ابو اسحٰق کی طرف سے" شہزادہ عباس بھی اگرچہ اس سفر میں ساتھ تھا اگر اُس کو ولیعہدی کا دعویٰ ہوتا تو ناموزوں بھی نہ تھا لیکن مامون کی فیاض دلی محبت پدری پر غالب ہوئی اُس نے اپنے نامور فرزند کو چھوڑ کر اپنے بھائی ابو اسحٰق کو انتخاب کیا۔ حالانکہ خود ہارون رشید اپنی زندگی میں اسکو خلافت کے آیندہ استحقاق سے بالکل محروم کر چکا تھا۔

اس کام سے مامون نے صرف اپنی فیاض دلی نہیں ثابت کی بلکہ یہ انتخاب اُس کے صائب الرائے ہونے کا بھی ایک کافی ثبوت تھا۔ یہی ابو اسحٰق ہے جو معتصم باللہ کے لقب سے مشہور ہے اور اس کے عظیم الشان کارناموں کے یاد دلانے کے لئے صرف اس کا نام لینا کافی ہے۔ مامون نے مرنے سے ذرا پہلے تمام افسران فوج۔ علماء۔ قضاۃ۔ خاندان شاہی کو جمع کیا۔ اور نہایت مؤثر لفظوں میں وصیت کی جس کا مختصر مضمون یہ ہے "مجکو اپنے گناہوں کا اقرار ہے اور بیم و امید دونوں مجھ پر حاوی ہو رہے ہیں لیکن جب میں خدا کے عفو کا خیال کرتا ہوں تو امید کا پلہ گراں ہو جاتا ہے جب میں مرجاؤں تو مجھ کو اچھی طرح سے غسل دو اور وضو کراؤ کفن بھی اچھا ہو۔ پھر خدا کی حمد و ثنا پڑھ کے مجکو تابوت پر لٹاؤ اور تدفین میں جہاں تک ممکن ہو جلدی کرو جو شخص کبیر السن اور رشتہ میں سب سے زیادہ قریب ہو وہ نماز پڑھائے۔ نماز میں تکبیر پانچ بار کہی جاوے۔ قبر میں وہ شخص اتارے جو رشتہ میں قریب تر ہو۔ اور مجھ سے بہت محبت رکھتا ہو۔ قبر میں میرا منہ قبلہ کی طرف رہے اور سر اور پاؤں کی طرف سے کفن ہٹا دیا جائے۔ پھر قبر کو برابر کرکے لوگ چلے آئیں اور مجھ کو میرے اعمال کے ہاتھ چھوڑ دیں۔ کیونکہ تم سب لوگ مل کر بھی نہ مجھ کو کچھ آرام پہنچا سکتے ہو نہ مجھ سے کوئی تکلیف دفع کر سکتے ہو۔ ہو سکے تو بھلائی سے میرا نام لو ورنہ چپ رہو۔ کیونکہ بُرا کہنے سے

تم پر بھی مواخذہ ہوگا۔ مجھ پر کوئی شخص چلا کر نہ روئے شاید میں بھی اُس کے ساتھ مواخذہ میں آؤں۔ تعریف کے قابل صرف خدا کی ذات ہے جس نے سب کی قسمت میں مرنا لکھ دیا اور بقا میں آپ یگانہ رہا۔ دیکھو میں کس اوج کا تاجدار تھا لیکن حکم الٰہی کے سامنے کچھ زور نہ چل سکا بلکہ حکومت نے میری آئندہ زندگی اور پرخطر کر دی اے کاش عبداللہ (مامون کا اصلی نام ہے) نہ پیدا ہوتا۔ اے ابواسحٰق میرے سامنے آ۔ اور میرے حال سے عبرت پذیر ہو۔ خدا نے خلافت کا طوق تیری گردن میں ڈالا ہے۔ تجکو اُس کی طرح رہنا چاہیے جو مواخذۂ الٰہی سے ہر وقت ڈرتا رہتا ہے۔ رعایا کی بھلائی کا جو کام پیش آئے اُس کو سب کاموں پر مقدم رکھنا۔ زبردست عاجزوں کو ستانے نہ پائیں ضعیفوں سے ہمیشہ محبت اور آشتی سے پیش آنا جو لوگ تمہارے ساتھ ہیں اُن کی خطاؤں سے اغماض کرنا۔ اور سب کے روزینے اور تنخواہیں برقرار رہیں" اس کے بعد اُس نے قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھی تھیں کہ غش آگیا۔ حاضرین میں سے کسی نے کلمہ توحید کی تلقین کی۔ ایک نصرانی حکیم جس کا نام ابن ماسویہ تھا اس بات پر متعجب ہوا اور حقارت سے کہا کہ "اپنی ہدایت کو رہنے دو اس وقت مامون کے نزدیک خدا اور مانی دونوں یکساں ہیں" مامون اس آواز سے دفعتاً چونک پڑا اور اسقدر غضبناک ہوا کہ اُس کے تمام اعضا تھرّانے لگے۔ چہرہ اور آنکھیں بالکل سُرخ ہو گئیں ہاتھ بڑھا کر چاہا کہ ابن ماسویہ کو پکڑ لے اور اس بدگمانی کی پوری سزا دے مگر اعضا رقابو میں نہ تھے منہ سے کچھ کہنا چاہا زبان نے یاری نہ دی نہایت حسرت سے آسمان کی طرف دیکھا آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اسی حالت میں خدا نے اُس کی زبان کھولدی وہ خدا کی طرف مخاطب ہوا اور کہا "وہ جس کی سلطنت کبھی نہ زائل ہوگی اُسپر رحم کر جس کی سلطنت زائل ہو رہی ہے" اسی فقرہ پر اُس کے نفس واپسین نے دنیا کو الوداع کہا۔ اور خدا کے سایۂ رحمت میں چلی گئی سچ کیا خوب آدمی تھا خدا مغفرت کرے"۔

(اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ)

عباس اور ابواسحٰق معتصم اُس کی لاش طرطوس لے گئے۔ اور خاقان کے مکان میں جو ہارون رشید کا خادم خاص تھا دفن کیا۔ مورخین اس بات کو عبرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ مامون جو باپ کا سب سے زیادہ لاڈلا تھا اُس کی قبر ہارون الرشید کے مدفن سے جو طوس میں ہے بعد المشرقین کا فاصلہ رکھتی ہے۔

ؔ نزع کے بعض حالات میں نے مروج الذہب مسعودی سے لئے ہیں ۱۲

مامون کا حلیہ

رنگ سپید سُرخی مائل تہا۔آنکھیں بڑی تھیں۔ڈاڑہی لمبی مگر تپلی تھی۔پیشانی تنگ اور چہرہ پر ایک تل تہا۔ موزوں اندام اور خوش رو تہا۔

مامون کی اولاد ذکور

(1) محمد اکبر۔ (2) محمد اصغر۔ (3) عباس۔ (4) علی۔ (5) حسن۔ (6) اسمٰعیل۔ (7) فضل۔ (8) موسیٰ۔ (9) ابراہیم۔ (10) یعقوب۔ (11) حسین۔ (12) سلیمان۔ (13) جعفر۔ (14) اسحٰق۔ (15) احمد۔ (16) ہارون۔ (17) عیسےٰ +

مختصر فہرست

نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب
تصانیف حضرت مولانا شبلی نعمانی کی شہرہ آفاق کتابیں الفاروق۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مفصل سوانح عمری کے علاوہ ان جملہ واقعات کی تشریح جو حضرت عمرؓ کے وجود سے متعلق ہیں ان تمام لڑائیوں کی تفصیل جو رسول خدا کے خلاف کفار عرب نے انجام دیئے اور ان میں حضرت عمر کے عقلی و عملی کارنامے رسول خدا کی وفات حضرت ابوبکرؓ کی خلافت اسلامی قانون کا اجرا تمام محکمہ جات کی ایجاد۔ ڈاک کے سلسلے ٹیکس اور لگان کے طریقے وغیرہ بالتفصیل		درج ہیں کاغذ چکنا ولایتی سفید ضخامت تقریباً ۸۰۰ صفحات ۔ **سیرۃ النعمان**۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کوفی کے حالات اور فن فقہ پر ریویو کاغذ چکنا ولایتی سفید۔ حجم تقریباً ۴۰۰ صفحے ہر دو حصہ کامل۔ **الغزالی**۔ امام غزالی کی ولادت۔ غزالی کی وجہ تسمیہ۔ ابتدائی تعلیم امام صاحب کی یادداشتوں کا لٹ جانا امام صاحب پر ایک قزاق کے طعنہ کا فوری اثر تکمیل تحصیل علم کی غرض سے نیشاپور کا سفر۔ تصوف اور حالت بیخودی میں بغداد سے نکلنا۔ کاغذ سفید ۱۶۸ صفحوں پر خاتمہ ہے	عا/ عہ/ عہ/	**سوانح مولوی روم**۔ مثنوی شریف پر نہایت تفصیل سے تقریظ اور مولانا کی پیدائش سے وفات تک کے مفصل حالات شمس تبریز کی ملاقات شمس تبریز کا قتل یا گم ہو جانا صفحات ۱۳۶ **سفرنامہ روم و شام** حضرت شبلی کے حالات سفر ممالک اسلامیہ اپنے قلم سے قیمت۔ **اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر**۔ شاہنشاہ عالمگیر پر جو اعتراضات کئے جاتے ہیں اُن کا جواب نہایت تحقیق اور استدلال سے دیا گیا ہے۔ قیمت **رسائل شبلی**۔ اس میں گیارہ رسالے ہیں ۲۹۴	عہ/ عہ/ ۸/	صفحات قیمت **آغاز اسلام**۔ ترجمہ اردو بدر الاسلام۔ **بیان خسرو**۔ حضرت امیر خسروؒ کے کلام پر محققانہ ریویو اور پیدائش سے وفات تک کے حالات **مقالات شبلی**۔ اس میں ۱۴ جداگانہ مضامین **مجموعہ نظم شبلی**۔ اس میں مولانا کی وہ تمام نظمیں موجود ہیں جو انہوں نے مختلف جلسوں میں پڑھی ہیں آخر میں مولانا مرحوم کے مختصر حالات زندگی مولوی ... دہلوی مولف فرہنگ آصفیہ اور مولوی عبدالحلیم صاحب شرر لکھنوی کے قلم سے نکلے ہوئے قیمت **سیرۃ نبوی** دو جلدیں

المستقصی۔ [illegible] ارکان رحانی [illegible] محمد [illegible]

المامون یعنی سوانح عمری خلیفہ ہارون رشید اعظم مع نقشہ سلطنت بطالبیم ومنتظر دار الخلافہ بغداد قیمت ۱/

[illegible] تفصیل ... جوش بیان وارداتِ تحقیق ... روزمرہ خوش بیانی قیمت (۱/) ... اساتذہ کا ... خواجہ صاحب کی ... حیات حافظ ... نام و نسب ... شعرا اور شاعری کی ... وفات ... زندگی مولوی شبلی نعمانی ... [illegible]

المامون کا دوسرا حصہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

ہماری تاریخ کا پہلا حصہ گو نہایت معتمد اور مستند تاریخوں سے ماخوذ ہے۔ اور اس اعتبار سے وہ اُن تمام تاریخوں کا ایک جامع انتخاب ہے جس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتا۔ تاہم وہ مامون کے عہد سلطنت کی ایک رُخی تصویر ہے جس میں چند معمولی واقعات اور باہمی خانہ جنگیوں کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا پولیٹکل انتظامات اور قوانین ملکی ایک طرف مامون کے سوشل حالات کا خط و خال بھی اس میں دکھائی نہیں دیتا۔ اس لئے ضرور ہے کہ اپنے رہنما مورخوں کے نقش قدم کو چھوڑ کر ہم خود دلیل راہ بنیں اور ناظرین کو وہ مرقع دکھائیں جس میں وہ مامون کو جس رنگ میں دیکھنا چاہیں دیکھ سکیں۔ تمام خلفاء و سلاطین کی فہرست میں مامون جامعیت کی حیثیت سے ایک خاص امتیاز رکھتا ہے ادب۔ حدیث۔ فقہ۔ ایام العرب۔ شاعری۔ انساب۔ فلسفہ۔ ریاضی جس فن کی بزم میں جاؤ گے وہ صدر نشین نظر آئے گا۔ اُس کی دلیرانہ فتوحات نے دنیا کے ممتاز حصوں میں اپنی ناموری اور محسوس یادگاریں چھوڑی ہیں۔

بہادری کے معرکوں میں اُس کی تیز دستیاں دیکھ کر یقین نہیں آسکتا کہ ان ہاتھوں نے تلوار کے سوا کبھی قلم بھی چھوا ہو اُس کے ذاتی اخلاق بھی ایسے پاک اور برگزیدہ ہیں کہ سلاطین تو کیا فقراء اور درویشوں میں بھی دو ہی چار ایسے فرشتہ خو گزرے ہوں گے تواضع۔ حلم۔ عفو۔ فیاضی۔ دریا دلی۔ بلند ہمتی۔ دلیری۔

فرزانگی۔ کوئی ایسی صفت نہیں جو قدرت نے اُس سے دریغ رکھی ہو۔ ان سب خوبیوں کے ساتھ شخصی حکومت کے اقتدار میں بعض ایسی بے اعتدالیاں بھی اس سے سرزد ہوگئی ہیں جن کے خیال کرنے سے دل کانپ جاتا ہے اور دفعتًا اُس کی تمام خوبیاں آنکھوں سے چھُپ جاتی ہیں تاہم مجموعی حیثیت سے اسلامی ہیروز (نامور لوگ) ہیں وہ ایک نامور ہیرو ہے۔ اور ظلم ہے اگر ایسے بینظیر شخص کو بقائے دوام کے دربار میں پیش کرنے کے وقت ہم بھی عام نقیبوں کی طرح چند معمولی الفاظ پر اکتفا کر جائیں۔

افسوس ہے کہ ملکی نظم ونسق کے متعلق ہماری واقفیت بہی محدود ہے جس کا التزام ہماری قلت نظر یا اگر پاس ادب نہ ہو تو قدیم مورخوں پر ہوگا جو آنے والی نسلوں کے تاریخی مذاق کا اندازہ نہ کرسکے دوسری قسم کے حالات کے لئے بھی گو مجکو ہزاروں ورق الٹنے پڑے ہیں لیکن جو سرمایہ جمع ہوگیا ہے میں اُس کو بہر حال کافی خیال کرتا ہوں اور قدما کا مشکور ہوں کہ جو کچھ ہے انہیں کا ہے۔

اگرچہ یہ حضرات ریزہ چینی اور مختلف پریشان اور گمنام موقعوں سے پتہ لگانے کی محنت پھر بھی میرے لئے چھوڑ گئے۔

اس حصہ کے آغاز پر بغداد کا پراثر نام زیادہ موزوں ہوگا جو ایک مدت تک نہ صرف عباسیوں کا بلکہ عمومًا اسلامی جاہ وجلال کا مظہر رہا ہے۔

مامون اگرچہ ابتدائی زمانہ میں خراسان کا بادشاہ کہلایا۔ اور اسی بنا پر بعض یورپین مورخوں نے اُس کی نسبت اس باب میں ہمیشہ غلطی کی ہے۔ لیکن امتداد زمانہ اور استقلال خلافت دونوں حیثیت سے اُس کا دار الخلافہ بغداد کہا جاسکتا ہے نہ خراسان۔ اس لئے پہلے مختصر طور پر ہم اس مشہور شہر کا حال لکھتے ہیں۔

بغداد

بغداد کی جس نے بنیاد ڈالی وہ مامون الرشید کا پردادا ابوجعفر منصور تھا۔ منصور اگرچہ خاندان عباسیہ کا دوسرا ہی خلیفہ تھا اور ۱۳۶ھ میں تخت نشین ہوا تھا تاہم سلطنت کو وسعت اور استحکام دونوں لحاظ سے اب ایک مستقل پایۂ تخت کی ضرورت تھی منصور نے کوفہ کے نواحی میں ایک عارضی

[1] بغداد کے متعلق میں نے جو کچھ لکھا ہے مرأت البلدان ناصری سے لکھا ہے کہیں کہیں دوسری کتابوں سے کچھ حالات اضافہ کئے ہیں تو وہاں نوٹ میں خاص حوالے دیدیئے گئے ہیں ۱۲

مقام ہاشمیہ اختیار کیا تھا لیکن فرقہ راوندیہ کی بغاوت اور اہلِ کوفہ کی مشہور بیوفائی نے کوفہ سے اُس کا دل پھیر دیا تھا۔ نہایت جستجو اور کوشش اور بہت سے اہل الرائے کے مشورے کے بعد اُس نے وہ مختصر آبادی اختیار کی جو کسی زمانے میں نوشیروانِ عادل کے انصاف سے منسوب تھی اور اب مختصر ہو ہوا کر بغداد[1] کے نام سے پکاری جاتی تھی۔

یہ انتخاب ہر لحاظ سے موزون تھا اُس کے دونوں طرف چار نہایت آباد اور زرخیز صوبے تھے وجلہ (ٹیگرس) اور فرات کے متصل ہونے کی وجہ سے ہندوستان۔ بصرہ۔ واسطہ۔ مغرب۔ شام۔ مصر۔ آذربائیجان دیار بکر وغیرہ کا مشترک تجارت گاہ ہوسکتا تھا۔ آب و ہوا بھی نہایت معتدل اور قریبًا ہر مزاج کے مناسب تھی۔ پولیٹکل مصلحتوں کے خیال سے بھی نہایت مناسب مقام تھا۔ بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ تمام ممالک اسلامیہ میں لاجواب تھا نہ تو بالکل عرب کی ناف میں تھا جہاں شاہانہ جاہ و حشم اور مخلصی حکومت اپنا زور نہیں دکھا سکتی نہ اس قدر دور تھا کہ عرب کی قوت و اثر سے بالکل فائدہ نہ اُٹھا سکے ان حیثیتوں میں اگر اور کوئی اسلامی شہر اُس کا ہمسر ہوسکتا تو صرف دمشق تھا لیکن وہاں کی آب و ہوا میں مروانی حکومت کا زہر آلود اثر اب بھی موجود تھا۔ منصور گو بخالت کے وصف میں یکتا مانا جاتا تھا لیکن نئی دارالخلافت کے شوق میں اُس کی ہمت نے غیر معمولی پلٹا لیا۔ قیمت مناسب دے کر راہبوں سے بغداد کی کل زمین مول لی اور فرامین بھیج کر شام۔ موصل۔ کوہستان۔ کوفہ۔ واسطہ سے بڑے بڑے مشہور کاریگر اور صناع بلائے۔

سنہ ۱۴۵ھ میں خود اپنے ہاتھ سے بنیاد کا پتھر رکھا۔ اور اُس پر قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی ان الارض للہ یورثہا من یشاء من عبادہ یعنی زمین کل خدا کی ہے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے عنایت کرتا ہے" چند ریاضی داں عالم معین کیے کہ عمارتیں اصول ہندسی کے لحاظ سے تیار ہوں۔ امام ابوحنیفہ صاحبؒ کو اس جرم پر کہ وہ منصب قضا کے قبول کرنے کی نسبت منصور کے اصرار پر چند بار نہایت آزادی سے روکر چکے تھے[2] خشت شماری کا ذلیل کام دیا جس کو امام صاحب نے قضا کے پرخطر کام کے

[1] بغداد کی وجہ تسمیہ میں یہ روایت غالبًا زیادہ اعتبار کے قابل ہے کہ اُسکے قریب نوشیروان کا ایک باغ تھا جہاں بیٹھکر وہ مقدمات فیصل کرتا تھا اور اسی وجہ سے وہ باغ داد یعنی انصاف کا باغ مشہور ہوگیا ۱۲ [2] منصور نے امام ابوحنیفہ صاحبؒ کو منصب قضا کے قبول کرنیکے لئے کہا امام صاحبؒ نے فرمایا میں اس قابل نہیں منصور نے غیظ میں آکر کہا تم جھوٹ کہتے ہو امام صاحبؒ نے فرمایا تو میرا یہ دعویٰ سچا ہے کہ میں قاضی نہیں ہوسکتا کیونکہ جھوٹا شخص قاضی کیونکر مقرر ہوسکتا ہے ۱۲

مقابلے میں نہایت خوشی سے قبول کیا۔ بنیاد نیچے سے پچاس ہاتھ چوڑی رکھی گئی لیکن سطح خاک سے برابر آکر صرف بیس ہاتھ کا عرض کافی سمجھا گیا۔ کہتے ہیں کہ دنیا میں یہی ایک شہر ہے جس کی آبادی بالکل دائرہ کی صورت میں ہے منصور نے خاص ایوان شاہی مرکز کی طرح عین وسط میں تعمیر کرایا جس سے غالباً یہ[1] منشأ مقصود تھا کہ حاکمانہ حیثیت سے بادشاہ کے ساتھ ہر خاص وعام کو یکساں نسبت ہو۔

شہر پناہ کے چار دروازے تھے اور ہر دروازے سے دوسرے دروازے تک ایک میل کا فاصلہ تھا تعمیر کے سلسلے میں ایوانِ خلافت۔ مسجد جامع۔ قصر الذہب۔ قصر الخلد نہایت بلند اور شاندار عمارتیں تھیں لیکن سب کا سرتاج قبۃ الخضرا ایک سبز گنبد تھا جس کا ارتفاع قریباً ۸۰ گز سے کم نہ تھا نئی آبادی کے بعد بغداد کا نام مدینۃ السلام سے بدلدیا گیا جو عام زبان پر گو محیط نہ ہوا لیکن دفاتر اور تصنیفات پر عموماً حاکمانہ عزت وزور کے ساتھ قابض ہو گیا۔

منصور نے گو نہایت کفایت شعاری سے کام لیا حالانکہ ایک افسر پر اس حساب میں سے پندرہ درہم باقی نکلے تو قید کی سزا دی تاہم جب مصارف تعمیر کا حساب کیا گیا تو معلوم ہوا کہ دفتر خزانہ میں دو کروڑ درہم کی رقم خالی ہو گئی[1]۔

یہ بغداد (جس کا ذکر ہوا) منصور کا بغداد تھا لیکن بہت جلد روز افزوں ترقی کے ساتھ اُس کی اصلی ہیئت بھی بدل گئی منصور کے جانشین مہدی نے دار الخلافہ کو دجلہ کی شرقی جانب بدل دیا جس سے شہر کی یہ صورت ہو گئی کہ دجلہ بیچ میں آگیا اور اس کے قدرتی منظر میں ایک عجیب دلفریبی پیدا ہو گئی یہ اسلامی شہر ہر عہد میں حیرت انگیز ترقیاں حاصل کرتا گیا قریباً پانسو برس تک خلفاء و اعیانِ سلطنت اور بڑے بڑے دولتمند امراء کے فیاضانہ بے روک حوصلے اس کی آبادی کی رونق بڑھانے میں رقیبانہ سرگرمی کے ساتھ صرف ہوا کئے۔

ہارون الرشید کے وزیر اعظم جعفر برمکی نے ایک قصر کی تیاری میں جو صرف کر دیا وہ منصور کی کل فیاضی کے برابر (یعنی دو کروڑ درہم) تھا[2]۔ بلکہ خود ہارون الرشید نے دو کروڑ سے زائد کی عمارتیں تیار کرائیں۔

---

[1] دیکھو نجوم زاہرۃ فی تاریخ مصر والقاہرہ صفحہ ۳۷۷۔ مصارف تعمیر میں مختلف روایتیں ہیں مگر ہم نے ایک متوسط اور معتمد روایت اختیار کی ہے۔ درہم چار آنہ کا ہوتا ہے اس حساب سے دو کروڑ درہم کے پچاس لاکھ روپیہ ہوئے ۱۲

[2] کامل ابن الاثیر۔ ذکر تباہی خاندان برمکہ ۱۲

مامون الرشید کے عہد میں خاص شہر کی مردم شماری دس لاکھ سے زیادہ تھی[1]۔ آثار الدول میں لکھا ہے کہ ایک زمانہ میں تیس ہزار مسجدیں اور دس ہزار حمام وہاں موجود تھے گبن صاحب لکھتے ہیں کہ شہر بغداد میں آٹھ سو ساٹھ طبیبوں کو مطب کرنے کی اجازت تھی۔

بغداد کی مشہور عمارتوں کا تذکرہ ایک مستقل کتاب میں ہو سکتا ہے جس کے لئے ناظرین کو ہمارے اُس سلسلۂ تصنیف کا منتظر رہنا چاہئے جس کا نام عمارات الاسلام ہوگا لیکن **دار الشجرہ** کے ذکر کے بغیر اس مختصر کتاب کو بھی گبن صاحب کی تاریخ سے کچھ کم حق حاصل نہیں ہے اس لئے اجمالاً ہم اُس کا حال لکھتے ہیں یہ عجیب و غریب عمارت خلیفۃ المقتدر باللہ نے بنوائی تھی جو ۲۹۵ھ میں تخت نشین ہوا تھا صحن کے ایک وسیع حوض میں سونے کا ایک درخت تھا جس میں سونے چاندی کے اٹھارہ گدے تھے اور ہر گدے میں بہت سی شاخیں تھیں ہر شاخ میں بیش بہا مختلف رنگوں کے جواہرات اس خوبی سے مرصع کئے تھے کہ قدرتی پھولوں اور پھلوں کا دھوکا ہوتا تھا۔ نازک ٹہنیوں اور شاخوں پر رنگ برنگ اور مختلف اقسام کے طلائی پرند تھے اور اس ترکیب سے بنائے تھے کہ ہوا چلنے کے وقت سب کے سب اپنے ذاتی نغمات سے خوش الحانی کرتے سنائی دیتے تھے۔ حوض کے دونوں جانب پندرہ مصنوعی سوار تھے جو نہایت قیمتی دیبا و حریر کی وردیاں پہنے مرصع زرین تلواریں لگائے اس طرح حرکت کرتے نظر آتے تھے کہ گویا ہر سوار اپنے مقابل کے سوار پر حملہ کرنے کے لئے بڑھ رہا ہے[2]۔

بغداد میں خلفاء کا ملکی رعب و داب گو دو ہی صدیوں کے بعد جاتا رہا لیکن عام اسلامی عظمت تاتاری سیلاب کے آنے تک قائم رہی آستانۂ خلافت پر بڑے بڑے ذی اقتدار فرمانروا سجدہ کر جاتے تھے۔ ضعیف سے ضعیف خلیفہ کے سامنے بھی **دیلم و سلجوق** کا سر جھک جاتا تھا محمود غزنوی نے یمین الدولہ کا پر فخر خطاب جس سے حاصل کیا تھا وہ بغداد کا ایک مسلوب الاختیارات تخت نشین تھا ہزاروں شعراء مجتہدین۔ اہل فن دور و دراز ملکوں سے آکر وہیں پیوند خاک ہو گئے **بغداد** کے مقبروں نے جن اسلامی جوہروں کو اپنی آغوش میں چھپا رکھا ہے زمانہ سینکڑوں برس کی مدت میں اُن کو پیدا کر سکا تھا۔ امام موسیٰ کاظم۔ امام ابو حنیفہ۔ امام احمد حنبل۔ حضرت جنید۔ شیخ شبلی۔ معروف کرخی۔ جنکو ہاتھ سے کھو دینے کا خود زمانہ کو بھی افسوس رہیگا یہیں کی قبرستانی آبادی میں سوتے ہیں۔

---

[1] دائرۃ المعارف تذکرہ بغداد ۱۲ [2] دیکھو معجم البلدان۔ ذکر دار الشجرہ و گبن صاحب کی رومن ایمپائر عہد عباسیہ ۱۲

علمی فیاضی کے لحاظ سے دیکھو تو جب وہ کچھ نہیں رہا تھا اسوقت بھی تیس بڑے بڑے کالج خاص شہر کے مشرقی حصہ میں موجود تھے علامہ ابن جبیر ۵۸۰ھ میں جب وہاں پہنچے تو ایک کالج کے شاندار ایوانات اور وسیع سلسلۂ عمارات دیکھ کر انکو دھوکا ہوتا تھا کہ " اب میں ایک مستقل آبادی میں موجود ہوں[۱]۔

انوری نے ایک قصیدہ میں بغداد کی خوشگوار آب و ہوا۔ دجلہ کی روانی کشتیوں کی سیر۔ باغوں کی رنگینی کا نہایت دلربا سماں دکھایا ہے اُس کے چند شعر یہ ہیں۔ **اشعار**

خوشا نواحی بغداد جائے فضل و ہنر — کہ کس نشاں ندہد در جہاں چناں کشور

سواد او بمثل چوں سپہر مینا رنگ — ہوائے او بصفت چوں نسیم جاں پرور

کنار دجلہ ز ترکان سیمتن خلخ — میان رحبہ خوباں ماہ رخ کشمیر

ہزار زورق خورشید شکل بر سر آب — بران صفت کہ پراگندہ سپہر اختر

بشبہ باغ شود۔ آسماں بوقت غروب — بشکل چرخ شود بوستاں بوقت سحر

بوقت شام ہمی ایں باں سیارہ و گل — بگاہ بام ہمی آں بایں دہد اختر

شگفتہ نرگس بویا۔ بطرف لالہ ستاں — چنانکہ در قدح گوہریں مے اصفر

نوائے طوطی و بلبل۔ خروس حکہ سار — ہمی کنند خجل لحنائے خنیا گر

وسعت سلطنت خراج بڑے بڑے اضلاع اقسام آمدنی یعنی خراج عشر زکوٰۃ جزیہ فوج کی تعداد تنخواہیں جنگی جہازات

مامون الرشید جن ممالک کا فرمانروا تھا وہ نہایت وسیع سلطنت تھی جو حدود ہند اور تاتار سے بحر اوقیانوس تک پھیلی ہوئی تھی اسلامی دنیا کا کوئی خطہ اسپین کے سوا اُس کی حکومت سے آزاد نہ تھا ہندوستان کے سرحدی شہروں میں اُس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا شہنشاہ روم گو خود سرفرمانروا تھا تاہم اکثر اوقات سالانہ خراج دینے پر مجبور رہتا تھا۔ ہارون الرشید کے عہد میں کل ملک کا خراج آجکل کے حساب سے اکتیس کروڑ پچاس لاکھ روپیہ سالانہ تھا[۲] مامون کی خلافت نے اُس پر بہت کچھ اضافہ کر دیا چند مشہور

۱ سفرنامہ ابن جبیر۔ حالات بغداد ۱۲

اضلاع اور ہر ایک جداگانہ خراج کا ہم ایک نقشہ درج کرتے ہیں۔ اور چونکہ وہ خاص مامون کے سرکاری کاغذات سے تیار کیا گیا ہے غالباً زیادہ تر اعتبار کے قابل ہوگا۔

ضلع	خراج
سواد	دو کرور اٹھتر لاکھ درہم[1] دو سو سے نجرانی حلے۔ ایک خاص قسم کی مٹی جو مہر کرنے کے لئے
ر	استعمال ہوتی ہے۔ دو سو چالیس رطل۔
کسکر	ایک کرور سولہ لاکھ درہم۔
دجلہ کے اضلاع	دو کرور آٹھ درہم۔
حلوان	اڑتالیس لاکھ درہم۔
اہواز	پچیس ہزار درہم۔ اور تیس ہزار رطل شکر
فارس	دو کرور ستر لاکھ درہم۔ گلاب تیس ہزار بوتل زیت سیاہ بیس ہزار رطل
کرمان	بیالیس لاکھ درہم۔ یمن کے تھان پانسو۔ کھجور بیس ہزار رطل
مکران	چار لاکھ درہم۔
سندھ	ایک کرور پندرہ لاکھ درہم۔ عود ہندی ڈیڑھ سو رطل
سیستان	چالیس لاکھ درہم۔ خاص قسم کے کپڑے تین سو تھان فانید بیس رطل
خراسان	دو کرور اسی لاکھ درہم۔ چار ہزار گھوڑے۔ ایک ہزار غلام۔ بیس ہزار تھان تیس ہزار
	رطل ہلیلہ۔ دو ہزار نقرہ چاندی۔
جرجان	ایک کرور بیس لاکھ درہم۔ ریشم ہزار شقہ
قومس	دس لاکھ درہم۔ پانچ لاکھ نقرہ چاندی

(حاشیہ متعلق صفحہ ۸۲) [2] اس تعین میں میں نے واقعات ذیل پر اعتماد کیا ہے (۱) رشید کے زمانہ میں سالانہ خراج سات ہزار پانسو قنطار رہتا (دیکھو مقدمہ ابن خلدون فصل دوم (۲) ایک قنطار آٹھ ہزار چار سو دینار کا ہوتا ہے۔ دیکھو معجم البلدان جلد اول صفحہ ۳۲۷ (۳) دینار کم از کم پانچ روپے کا ہوتا ہے جیسا گبن صاحب وغیرہ نے تصریح کر دی ہے ۱۲

(حاشیہ متعلق صفحہ ہذا) [1] علامہ ابن خلدون نے اس کاغذ کو خود دیکھا تھا اور اسکے حوالہ سے یہ تفصیل نقل کی ہے دیکھو مقدمہ ابن خلدون فصل دوم کی فصل ۱۸۔ ۱۲ [2] درہم چار آنہ کا ہوتا ہے ۱۲

ضلع	خراج
رے	ایک کرور بیس لاکھ درہم - شہد بیس ہزار رطل
طبرستان ورومان و نہاوند	تریسٹھ لاکھ درہم - طبرستان فرش چھ سو - چادریں دو سو - کپڑے پانسو تھان - رومال تین سو - جامات تین سو
ہمدان	ایک کرور تیرہ لاکھ درہم - رب الرمانین ہزار رطل - شہد بارہ ہزار رطل
بصرہ وکوفہ	ایک کرور سات لاکھ درہم
درمیانی اضلاع	
ماسیدان ودینور	چالیس لاکھ درہم
شہرزور	ستر سٹھ لاکھ درہم
موصل	دو کرور چالیس لاکھ درہم - شہد سپید دو کرور رطل
آذربیجان	چالیس لاکھ درہم
جزیرہ مع اضلاع فرات	تین کرور چالیس لاکھ درہم - غلام ایک ہزار - شہد بارہ ہزار رطل مشک بازدس - چادریں بیس
آرمینیہ	ایک کرور تیس لاکھ درہم - فرش محفور بیس - رقم[1] پانسو تیس رطل -
،،	سالیج سعور ماہی دس ہزار رطل - صونج دس ہزار رطل - خچر دو سو
،،	پچھیرے تیس
قنسرین	چار لاکھ دینار - زیت ہزار رطل
دمشق	چار لاکھ بیس ہزار دینار
اردن	ستانوے ہزار دینار
فلسطین	تین لاکھ دس ہزار دینار - زیت تین لاکھ رطل
مصر	انیس لاکھ بیس ہزار دینار
برقہ	دس لاکھ درہم

[1] رقم ایک قسم کا کپڑا ہوتا ہے ۱۲

ضلع	خراج
افریقیہ	ایک کروڑ تیس لاکھ درہم ۔ فرش ایک سو بیس
یمن	تین لاکھ ستر ہزار دینار ۔ متاع یمنی اس کے علاوہ
حجاز	تین لاکھ دینار

یہ صرف خراج کی مد سے وصول ہوتا تھا ۔ جزیہ جسکی تفصیل ہم آگے لکھیں گے اس سے الگ ہے ہر ایک قسم جو بیت المال یعنی خزانہ شاہی میں داخل ہوتی تھی اسکی چار قسمیں تھیں خراج ۔ عشر ۔ جزیہ ۔ زکوٰۃ ۔

مامون نے خراج و زکوٰۃ و جزیہ کا جسکو آجکل کی زبان میں لگان و ٹیکس کہہ سکتے ہیں کوئی جداگانہ قانون نہیں بنایا تھا ۔ بلکہ اس سے پہلے عادل و فیاض جانشینان اسلام کا جو کچھ دستور العمل تھا وہی اسکے عہد میں بھی بحال رہا اسلئے ہم ان قوانین کی تفصیل بتلانے میں مجبوراً مامون کے ماقبل زمانہ پر نگاہ ڈالیں گے اور ہمکو امید ہے کہ ناظرین خارج از بحث کا لقب نہ دینگے ہاں یہ ضرور ہے کہ مذہبی بحث سے ہمکو سروکار نہوگا اور جو کچھ لکھینگے تاریخی پہلو سے لکھینگے جسطرح یوروپین مصنفین ہمیشہ عام واقعات کے تذکرے میں بھی جستہ جستہ مذہب کا نام لیتے ہیں اور شاہان اسلام کے ذاتی افعال مذہب سے جدا نہیں کر سکتے ہم ایسا نہ کرینگے خراج اور عشر زمین سے متعلق ہیں اور باقی ایک قسم کے ٹیکس ہیں جو مسلمان رعایا اور دوسرے مذہب والوں سے وصول کئے جاتے تھے اسمیں کچھ شبہ نہیں ہے کہ مامون اور اسکے اسلاف عام اصول سلطنت میں آنحضرت صلعم اور خلفائے راشدین کے طریق عمل کو رہنما سمجھتے تھے اور اسی لئے کامل وثوق کیساتھ ہم یہ بات فرض کر سکتے ہیں کہ مامون کے عہد کا قانون لگان و ٹکس بھی قریب قریب وہی ہوگا جو کسی زمانہ پیشتر میں تیار ہوا ہوگا لیکن ہمکو یہ صاف بتا دینا چاہیے کہ عشر و خراج و جزیہ مصطلح معنوں میں مذہبی الفاظ نہیں ہیں اور اسلئے ہمکو اس دہوکہ میں نہ پڑنا چاہیئے کہ فقہ کی کتابوں میں انکے متعلق جو تفصیلیں اور قاعدے مذکور ہیں وہ فقہی یا خلفا و سلاطین اسلام کے مستقل اور مسلمہ ملکی قاعدے ہیں بے شبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں خراج ایک تمدنی قانون کی صورت پکڑ چکا تھا اور اسوجہ سے جیسا موقع ہوا خراج عشر جزیہ سب کچھ وصول کیا گیا لیکن جو دعویٰ کرنا فضول ہے کہ انکے متعلق شارع علیہ السلام نے کچھ خاص قاعدے طے کر دیے تھے تمام ملکی قوانین کیطرح یہ باتیں بھی جانشینان اسلام کی رائے پر چھوڑ دی گئی تھیں اور یہی وجہ تھی کہ خلفائے و سلاطین کے مختلف عہدوں میں خاص خاص ملکی مصلحتیں انہیں تبدیلیاں پیدا کرتی رہیں اب ہم عام طور پر خراج و عشر کے متعلق چند قواعد بیان کرتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یا خلفا کے عہد میں معمول رہے ہیں اور مامون کی خلافت میں بھی قریب قریب اسی پر عملدرآمد رہا ۔

(۱) جو زمین نہروں کے قدرتی پانی سے سیراب ہوتی ہو یا

(۲) جو زمین فوج کو (جس نے اس حصہ ملک کو فتح کیا ہے) تقسیم کر دی گئی ہو۔

(۳) جس مقام کے باشندے فوج کشی کے وقت اسلام قبول کر چکے ہوں[1]۔ ان تینوں حالتوں میں وہ زمین عشری ہوگی یعنی اسکی پیداوار سے صرف دسواں حصہ وصول کیا جائیگا اور یہی اس کا خراج سمجھا جاویگا۔

ان تینوں قسموں کے علاوہ جو زمین ہو وہ خراجی ہے۔ عام اس سے کہ مسلمان رعایا کے قبضہ میں ہو یا غیر قوم کے۔ اگر کوئی شخص عشری زمین میں پڑتی ڈالدے تو اس سے کچھ نہیں لیا جائے گا۔ خراجی زمین میں ایسا نہیں ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص ایک برس پڑتی ڈال کر دوسرے سال کاشت کرے تو ایک ہی سال کا خراج دینا ہوگا جس زمین پر دکانیں بنائی جائیں وہ عموماً عشر و خراج سے معاف ہیں۔ اگر کھیتی کو کوئی آفت پہونچے تو خراج معاف ہو جائے گا۔

مذکورۂ بالا قسموں میں سے دو پہلی قسم کی عشری زمینیں بہت کم تھیں۔ حضرت عمر رض کے عہد میں سواد عراق کی بالکل پیمائش ہو چکی تھی اور مختلف شرحوں کی جمع باندھدی گئی تھی ملک شام کے فاتحین نے البتہ سخت اصرار کیا کہ وہاں کی زمین انکو بانٹ دی جائے لیکن حضرت عمر رض کی فیاض دلی کسی طرح ان کو فاتحین کی رائے پر مائل نہ ہونے دیتی تھی۔ بالآخر ایک مقتضی سند پر یہی فیصلہ ہوا کہ پہلے قابضین بے دخل نہ کیے جاویں[2]۔

مصر میں بھی آپنے تاکیدی فرمان بھیجا تھا کہ اہل فوج قطعاً زمینداری و کاشت نہ کرنے پائیں اس حکم کے خلاف ایک شخص نے کچھ زمین کاشت کی۔ تو آپ نے اسکو پکڑوا بلایا اور نہایت سخت سزا دینی چاہی لیکن اس نے قطعی توبہ سے اپنا قصور معاف کرالیا[3]۔

عشر اور خراج کے احکام مسلمان اور دوسرے مذہب والی رعایا سے جن کو اسلام کی حمایت میں آجانے سے ذمی کا لقب ملا ہے۔ قریب قریب یکساں متعلق ہیں خراجی زمین کسی کے قبضہ میں ہو ایک شرح سے لگان لیا جاتا تھا۔ عشری زمین میں امام محمد و سفیان ثوری کی عام تجویز یہی ہے کہ چونکہ تشخیص لگان میں صرف زمین کی حیثیت سے ملحوظ ہوتی ہے۔ اس لئے اس قسم کی زمین اگر ذمی کے قبضہ میں ہو تو اس سے بھی وہی عشر لیا جاوے گا[4]۔ حضرت عمر رض نے قوم نبط سے عشر ہی لیا تھا[5]۔ امام مالک گو اسبارہ میں کسی قدر ذمیوں کے ساتھ

---

[1] جامع صغیر کنز ۱۲ [2] ازالۃ الخفاء جلد دوم صفحہ ۱۲۸ - ۱۲ [3] حسن المحاضرۃ جلد اول صفحہ ۹۳ مطبوعہ مصر ۱۲۹۹ھ ۱۲ [4]

فتوح البلدان صفحہ ۷۵ سطر ۹ و ۱۰ - ۱۲ [5] ازالۃ الخفاء جلد دوم صفحہ ۱۳۲ - ۱۲

سختی کرتے ہیں۔ تاہم اس حالت میں کہ ذمی کسی دوسرے شہر یا قصبہ میں عشری زمین خریدے ان کا فیصلہ بھی وہی ہے جو امام محمدؒ کا ہے۔

خراج کی کوئی معین شرح نہ تھی لیکن یہ اصول عامۃً ملحوظ رہتا تھا کہ کسی حالت میں نصف آمدنی سے زائد نہ لیا جاوے۔

حضرت عمرؓ نے سواد کے کل اضلاع کی پیمائش کرائی تھی جو تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب ٹھیرا اور ذیل کی شرح سے لگان مقرر کی۔

نخلستان	فی جریب یعنی پون بیگہ پختہ	۱۰ درہم سال
انگور	"	"
نیشکر	"	۶ درہم
گیہوں	"	ایک درہم و ایک صاع غلّہ[1]
جو	"	ایک درہم و ایک صاع
روئی	"	۵ درہم

مصر کا خراج بحساب فی جریب ایک دینار (یعنی پانچ روپے) مقرر ہوا۔ اور عمرو بن العاص نے جو حضرت عمرؓ کی طرف سے مصر کے گورنر تھے یہ عہد لکھ دیا کہ اس شرح سے کبھی زائد نہ لیا جاوے گا۔ اس لحاظ سے مصر کا بندوبست استمراری سمجھنا چاہئے لیکن یہ شرحیں انتہائی شرحیں ہیں۔ اور خود حضرت عمرؓ کے عہد میں اکثر اوقات اُن میں تبدیلیاں ہوتی رہیں۔

حضرت علیؓ نے اور بھی تخفیف کی۔ تمام اُن علاقوں میں جو نہر فرات سے سیراب ہوتے تھے بشرح ذیل لگان مقرر کی تھی اور روئی۔ تل۔ مقاثی۔ اور تمام قسم کے بقولات اور ترکاریوں کی زمین عموماً خراج سے معاف کر دی۔

گیہوں کی اول درجہ کی زمین	فی جریب	ڈیڑھ درہم اور صاع غلّہ
متوسط درجہ	"	ایک درہم
ادنےٰ درجہ	"	درہم کی دو تہائی

[1] اس باب میں فتوح البلدان و ہدایہ کی روائتیں مختلف ہیں میں نے ہدایہ کی روایت لی ہے ۱۲ صاع قریباً پونے چار سیر کا ہوتا ہے ۱۲ فتوح البلدان صفحہ ۲۱۵ و ۲۱۸ لیڈن دہالینڈ ۱۲

جو کی زمین پر اسی حساب سے گیہوں کا نصف تہا۔[1]

قریبًا اسی شرح کا خراج تمام ممالک اسلامی میں جاری تہا۔ اور مسلمان و ذمی (یعنی دوسرے مذہب والے) دونوں پر یکساں اثر رکہتا تہا۔ البتہ سواد کے علاقوں میں مہدی عباسی نے لوگوں کی درخواست پر نصف کے حساب سے بٹائی کر دی تہی لیکن مامون الرشید نے سنہ ۲۰۴ھ میں یہ شرح گہٹا کر دو خمس کر دی۔[2]

خراج کا ہلکا ہونا کچہہ تو اس وجہ سے تہا کہ اسلام کے جانشینوں میں ابتک اسلام کا بے حرص اور فیاضانہ اثر پایا جاتا تہا اور زیادہ تر اس وجہ سے کہ ابتدائی زمانہ میں عرب کے سادہ مزاج فاتح جو اپنے بے روک ہاتہوں سے دنیا کا مرقع الٹ پلٹ کر رہے تہے ریگستان سے اٹہہ کر گئے تہے۔ اور جو کچہہ ملجاتا تہا ان کی قانع طبیعت کے لئے کافی تہا۔ یہ لوگ تہے کہ ان میں سے جب ایک ممتاز شخص نے ایک معرکہ میں صرف ہزار درہم پر ایک نہایت دولتمند کافر سے صلح کر لی۔ اور لوگوں نے ان سے کہا کہ "تم نے بہت سستا بیچا" تو انہوں نے نہایت تعجب سے جواب دیا کہ کیا "ہزار سے بہی کوئی زائد عدد ہے" اس پر خلفائے راشدین کے عہد میں یہ عام قاعدہ تہا کہ ایک مسلمان جن شرائط پر کسی قوم سے معاہدہ کرے خلیفہ وقت کو اس کی پابندی لازم ہوگی۔ فتوحات کی تاریخ اٹہا کر دیکہو۔ سینکڑوں مثالیں پاؤ گے کہ فوج اسلام نے ایران۔ آرمینیہ۔ مصر۔ شام کے اضلاع میں نہایت خفیف رقم پر صلح کر لی اور خلیفہ وقت کے حکم سے وہی بحال رہی۔ دولت بنو امیہ اور عباسیہ نے کچہہ اضافہ کیا۔ مگر اصل پیداوار کے لحاظ سے دیکہو تو وہ بہی کچہہ نہ تہا۔

زکوٰۃ مسلمانوں کے ساتہ خاص تہی اور سونے چاندی۔ اونٹ۔ گائے۔ بکری سب پر جداگانہ شرحیں مقرر تہیں حقیقت میں یہ نہایت سخت ٹیکس تہا جسکو اسلام نے خود اپنے اوپر گوارا کر لیا تہا۔

ذمیوں پر جو جزیہ تہا۔ گو وہ نہایت ایک خفیف رقم تہی اور زکوٰۃ کے مقابلہ میں تو گویا کچہہ بہی نہ تہی لیکن تعجب ہے کہ دوسری قوموں نے مسلمانوں کو تعصب کا الزام دینے میں ہمیشہ بڑے زور شور سے اس کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ ہلکا ٹیکس جس کے نام سے یوروپین مصنف کے دل میں مسلمانوں کی طرف سے نہایت ناگوار خیالات دفعتًا جوش مارنے لگتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ فی کس ۴۸ درہم یعنی ۱۲ روپیے سالانہ تہا اور یہ

[1] دیکہو فتوح البلدان از صفحہ ۲۶۶ تا ۲۷۱۔ ۱۲

[2] کامل ابن الاثیر۔ واقعات سنہ ۲۰۴ھ ۱۲ جزیہ کی تحقیق میں کہ وہ کس زبان کا لفظ ہے اور کس زمانہ سے اس کا رواج ہے اور یہ کہ اسلام میں کس مقصد سے وہ اختیار کیا گیا میرا ایک مستقل رسالہ ہے جو حال میں طبع ہوا ہے اور سکرٹری مدرسۃ العلوم کے پاس درخواست بہیجنے سے مل سکتا ہے نیز آخر میں اس کتاب کے وہ بہی شامل ہے ۱۲

تعداد بڑے دولتمندوں کے ساتھ خاص تھی۔ متوسطین پر چھ روپیہ اور عام درجہ کے لوگوں پر تین روپیہ سالانہ تھا بشرطیکہ وہ ادا کرنے کے قابل ہوں لیکن فرمانروائے وقت کو حسب مصلحت اختیار عام حاصل تھا کہ اُس کی شرح گھٹا دے یا بالکل معاف کر دے[1]۔ لڑکے بوڑھے۔ عورتیں مفلوج معطل العضو نابینا۔ ہر حالت میں مطلقاً معاف تھے۔

کبھی کبھی بجائے فی کس کے فی گھر جزیہ مقرر ہوتا اور تعداد وہی بشرح سابق رہتی تھی[2] یعنی ایک دینار یا اس سے بھی کم۔ اس خفیف محصول کے عوض میں ذمیوں کی جان و مال کی نہایت مستحکم ذمہ داری مسلمانوں پر فرض ہو جاتی تھی۔

ان آمدنیوں میں سے زکوٰۃ کی رقم جو صرف مسلمانوں سے لی جاتی تھی۔ اسی لئے تھی کہ اس سے محتاج۔ اپاہج نادار مسافر اور اسی طرح درماندہ لوگوں کی اعانت کی جاوے۔ زکوٰۃ میں یہ قید تھی کہ خاص مسلمانوں پر صرف ہو لیکن اور کسی قسم کے صدقات میں جو مسلمانوں سے لئے جاتے تھے کوئی تخصیص نہ تھی۔ اور غیر مذہب والی رعایا بھی برابر بہرہ مند ہوتی تھی۔ خود حضرت عمر رضؓ نے دمشق کے سفر میں مجذوم عیسائیوں کے لئے بیت المال کی رقم سے وظیفہ مقرر کر دیا تھا[3]۔

اور ایک دوسرے موقعہ پر بیت المال کے داروغہ کو کہلا بھیجا کہ خدا کے اس قول میں کہ صدقات فقرا اور مساکین کے لئے ہیں۔ مساکین سے عیسائی و یہودی مراد ہیں[4] باقی خراج۔ عشر۔ جزیہ۔ پبلک۔ کاموں یعنی سڑک پل۔ چوکیداری۔ تعلیم وغیرہ کے لئے خاص تھے فوج کا صرف بھی اسی آمدنی سے دیا جاتا تھا۔

مامون الرشید اور عموماً نیک دل بادشاہان اسلام کے عہد میں ٹیکس یا محصول جو کچھ کبھی تھا جس کا ذکر ہوا۔ انکم ٹیکس۔ انڈا ایکڑی ٹیکس۔ چنگی سٹرکانہ۔ مدرسانہ۔ چوکیداری۔ اسٹامپ کے ناموں سے کوئی واقف نہ تھا۔

فوج نظامی یعنی جن کا نام و حلیہ دفتر العسکر میں قلمبند تھا۔ اُس کی تعداد قریباً دو لاکھ سوار و پیادہ تھی

---

[1] حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جرجومستہ اور اُس کے قرب و جوار کے مضافات میں جزیہ بالکل معاف کر دیا گیا تھا۔ دیکھو فتوح البلدان صفحہ ۱۵۹ ماریہ قبطیہ کے ہموطن بھی جزیہ سے معاف کر دئے گئے تھے۔ دیکھو فتوح البلدان صفحہ ۲۱۹-۱۲

[2] حضرت عثمان رضؓ کے زمانہ میں تفلس والوں پر اسی شرح سے جزیہ مقرر ہوا تھا۔ دیکھو فتوح البلدان صفحہ ۲۰۱-۱۲

[3] فتوح البلدان صفحہ ۱۲۹-۱۲

[4] ازالۃ الخفا جلد دوم صفحہ ۷۳-۱۲

سوار کی تنخواہ پچیس روپے اور پیادہ کی دس روپے۔ جنرل و کمانڈر کی تنخواہیں بھی کچھ بہت زیادہ نہ تھیں لیکن ایشیائی حکومتوں میں عہدہ داروں کی نگاہ مشاہرے سے زیادہ صلوں اور انعامات پر لگی رہتی ہے جو وقتاً فوقتاً کسی خاص خوشی یا اظہار کارگذاری کے وقت ان کو ملتے رہتے ہیں۔ اور خصوصاً مامون کی فیاضیوں کی تو کچھ حد ہی نہ تھی۔ عبد اللہ بن طاہر سردار فوج کو ایک دن پانچ لاکھ درہم انعام دئے۔ ملکی عہدہ داروں میں بھی صرف وزیر اعظم ذو الریاستین کی تنخواہ بیش قرار تھی یعنی تیس لاکھ درہم ماہوار اگرچہ اور ہر قسم کے عہدے الگ الگ اور نہایت باقاعدہ اور منضبط تھے لیکن سپہ سالاری۔ فوج۔ جنرل کے ساتھ مخصوص نہ تھی۔ صوبہ لفٹنٹ یا قسمت کا گورنر عموماً کمانڈر انچیف اور گورنر فوج ہوتا تھا۔ یحییٰ بن اکثم جو قاضی القضاۃ کے منصب پر ممتاز تھے۔ مامون نے متعدد بار اُن کو فوج کی افسری دی تھی۔ اصل یہ ہے کہ اس وقت سپہ گری مسلمانوں کا عام جوہر تھا۔ اور اسی لئے کسی شخص کا اہل قلم ہونا۔ اُس کو صاحب العلم ہونے کے قابل نہیں کرتا تھا۔

دوسری قسم کی فوج **متطوعہ** تھی جس کو والنٹیر کہنا چاہئے۔ اس قسم کی فوج وقت پر جس قدر درکار ہو تیار ہوسکتی تھی۔ خصوصاً جہاد کی پُر زور صدا گونجنے کے وقت تو سارا ملک اُمنڈ آتا تھا۔ فوج کو سواری اور ہتیار سرکار سے ملتا تھا اور خزانہ شاہی میں ہر قسم کے اسلحہ جنگ نہایت افراط سے ہر وقت موجود رہتے تھے۔

ہارون الرشید کی وفات کے بعد ۱۹۳ھ میں جب خزانہ السلاح کا جائزہ لیا گیا تو مفصلہ ذیل تعداد کے ساز و اسلحہ موجود تھے[1]۔

مطلا و مذہب تلواریں	۱۰ ہزار	شاکریہ و غلاموں کے لئے	۵۰ ہزار
نیزے	ایک لاکھ ۵۰ ہزار	کمانیں	ایک لاکھ
مطلا زرہیں	ایک ہزار	عام زرہیں	ایک ہزار
خود	بیس ہزار	جوشن	بیس ہزار
ڈھالیں	ڈیڑھ لاکھ	مطلا زین	چار ہزار
	عام قسم کے زین	تیس ہزار	

جنگی جہازات کی ابتدا اگرچہ عبد الملک بن مروان المتوفی ۸۶ھ نے کی تھی۔ اور اسی کے زمانہ

[1] دیکھو شذرات الذہب برحاشیہ مستطرف۔ جلد اول صفحہ ۲۷۲۔ ۱۲

میں حسان بن نعمان گورنر افریقیہ کے اہتمام سے تونس میں جنگی جہازات اور آلات بحری کی تیاری کا ایک بڑا محکمہ قائم ہوا تھا۔ لیکن مامون کے عہد میں اُس کو بہت ترقی ہوئی جزیرہ سسلی کی فتح کے لئے سو جنگی جہاز مع بہت سے بحری سامان کے جو بھیجے گئے تھے وہ اسی کارخانہ سے تیار ہوئے تھے۔ آتش اندازی کے لئے بہو ٹے چھوٹے جہاز ہوتے تھے جن کو عربی میں حراقہ کہتے ہیں ان سے روغن نفط (گریک فائر) کے شیشے بھر بھر کر مارتے تھے جو دشمن کے جہازوں میں آگ لگا دیتے تھے۔ اور خود پانی سے بھی بجھ نہیں سکتے تھے۔

ملک کی آبادی امن و امان۔ مامون کی بیدار مغزی اور جزئیات پر اطلاع۔ عدل و انصاف۔ غیر قوموں کے حقوق

دولت عباسیہ کے امن و انتظام۔ ترقی اور وسعت کے فسانے جو روز ہم سنتے رہتے ہیں سچ پوچھئے تو ہارون و مامون کے ہی عہد حکومت نے اس خاندان کو یہ عام ناموری دی ہے۔ تجارتیں تمام آزاد تھیں نے نئے شہر آباد ہوتے جاتے تھے۔ ایک ایک قصبہ بلکہ گاؤں تک میں چشمے اور نہریں جاری تھیں۔ جو حاکمان اضلاع۔ اور زمیندار و جاگیرداروں کے ذاتی مصارف سے ہمیشہ بنتی رہتی تھیں اور جن کی وجہ سے زراعت کو روز افزوں ترقی حاصل تھی۔

مامون نے سلطنت کے بڑے بڑے اضلاع کا دورہ کیا۔ اور ہر جگہ دو دو چار چار دن قیام کر کے مناسب انتظامات جاری کئے۔ سنہ ۲۰۲ھ میں جب مرو سے عراق کو روانہ ہوا۔ سرخس۔ طوس۔ ہمدان۔ جرجان۔ قزوان رے۔ اور دوسرے اضلاع میں ہفتوں قیام کیا۔ اور ملک کے اصلی حالات سے واقفیت پیدا کی علامہ مقریزی نے کتاب الخطط و الآثار میں لکھا ہے۔ کہ جب مامون نے مصر کے علاقوں کا دورہ شروع کیا تو ہر گاؤں میں کم سے کم ایک رات دن ٹھیرتا گیا۔ مقام طار النمل میں پہونچا تو معمول کے خلاف وہاں قیام نہیں کیا اور آگے بڑھا۔ اس گاؤں کی مالک ایک بڑھیا تھی۔ یہ خبر سنکر مامون کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اور عرض کی کہ یہ محرومی میری ہی قسمت میں کیوں لکھی تھی۔ مامون اُس کا مہمان ہوا۔ اُس نے اپنی حیثیت کے

---

[۱] مقدمہ ابن خلدون ذکر۔ قیادۃ الاساطیل ۱۲

موافق دعوت کا سامان کیا۔ اور رخصت کے وقت دس تھیلی اشرفیاں ایک ہی سنہ کے سکہ کی نذر میں پیش کیں۔ مامون حیرت میں رہ گیا اور کہا کہ دعوت کیا کم تھی تم نے یہ تکلیف کیوں گوارا کی جس کا قبول کرنا میری فیاضی کے خلاف ہے۔

بڑھیا نے کہا کہ سونا تو ہمارے گاؤں کی مٹی سے پیدا ہوتا ہے اور اسلئے ہم لوگوں میں اس کی کچھ قدر نہیں ہے میں نے جسقدر حضور کی خدمت میں حاضر کیا ہے اس سے بہت زیادہ اب بھی میرے پاس موجود ہے۔

اس حکایت سے مامون کی حسن انتظام۔ اور ملک کی مرفہ الحالی دونوں کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

ملک کے ہر حصے میں۔ معذور۔ محتاج۔ اپاہج۔ بیوہ۔ یتیم سب کے روزینے مقرر تھے۔ جو شاہی خزانہ سے وقت معین پر انکو ملا کرتے تھے۔ یہ بات سلطنت کے ضروری قوانین میں داخل تھی کہ جو شخص فقر و فاقہ کا شاکی ہو اس مقام کا حاکم یا اس کو کوئی کام دے یا بیت المال سے وظیفہ مقرر کر دے۔

مامون نے خراسان کے زمانہ حکومت میں غفلت کی تھی اس کا خمیازہ مدت تک بھگتنا پڑا تھا اس لئے بغداد میں آکر اس کا طرز حکومت بالکل بدل گیا۔ اب اس کو ایک ایک جزئی واقعہ اور عام حالات کی اطلاع کا کچھ ایسا عشق ہوگیا کہ سنکر تعجب ہوتا ہے۔ سترہ سو بڈھی عورتیں مقرر تھیں جو تمام دن شہر میں پھرتی تھیں اور شہر کا کچا چٹھا اس کو پہنچاتی تھیں[1]۔ لیکن مامون کے سوا اور کسی کو ان کے نام و نشان سے اطلاع نہ تھی۔ ہر صیغہ پر جداگانہ خفیہ نویس اور واقعہ نگار مقرر تھے[2]۔ اور ملک کا کوئی ضروری واقعہ اس سے مخفی نہیں رہ سکتا تھا۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ اس قسم کی کاوش کا جو عام اثر ہوتا ہے یعنی ہر شہر سے بدگمان ہو جانا اور عوام کی آزادی سے تعرض کرنا مامون اس سے بالکل بری تھا۔ اس کی تاریخ زندگی کا ایک ایک حرف چھان ڈالو۔ ایک واقعہ بھی ایسا نہیں مل سکتا جس سے اس کی کارروائی پر حرف آسکے۔ بخلاف اس کے اس محکمہ نے رعایا کے حق میں عجیب عجیب فیاضیاں دکھائیں۔

ایک دن کسی سپاہی نے ایک شخص کو بیگار میں پکڑا وہ دردناک آواز سے چلایا کہ وا عمراہ یعنی ہائے عمرؓ تم کہاں ہو،، مامون کو اطلاع ہوئی اس شخص کو طلب کیا اور کہا کہ کیا حضرت عمرؓ کا عدل تجھ کو یاد آیا اس نے کہا ہاں۔ مامون نے کہا و خدا کی قسم اگر میری رعیت حضرت عمرؓ کی سی رعیت ہوتی تو میں ان سے بھی زیادہ عادل ہوتا۔ پھر اس کو کچھ انعام دلایا اور سپاہی کو موقوف کر دیا[3]۔

---

[1] آثار الدول قرمانی خلافت مامون ۱۲ [2] ابن خلکان ترجمہ فرار نحوی ۱۲ [3] عیون والحدائق صفحہ ۳۷۹ - ۱۲

ایک بار ایک شخص نے عرضی دی کہ بیت المال سے کچھ وظیفہ مقرر ہو جاوے مامون نے بلا کر پوچھا کتنے بال بچے ہیں اُس نے بڑھا کر تعداد بتائی، چونکہ مامون ایک ایک جزئی واقعہ کی خبر رکھتا تھا اُس کا جھوٹ نہ چل سکا دوسری بار اُس نے پھر عرضی لکھی اور جو تعداد تھی سچ سچ بتا دی۔ مامون نے اب عرضی پر لکھہ دیا کہ اُس کا روزینہ مقرر کر دیا جائے[1]۔

اتوار کے دن ہمیشہ صبح سے ظہر تک دربار عام کرتا تھا جس میں خاص وعام کسی کے لئے کچھ روک نہ تھی اور جہاں پہنچکر ایک کمزور مزدور کو اپنے حقوق میں خاندان شاہی کے ساتھ ہمسری کا دعویٰ ہوتا تھا۔

ایک دن ایک شکستہ حال بڑھیا نے دربار میں آکر زبانی یہ شکایت پیش کی کہ ایک ظالم نے میری جائداد چھین لی ہے۔ مامون نے کہا۔ کس نے۔ اور وہ کہاں ہے۔ اُس نے اشارہ سے کہا آپ کے پہلو میں" مامون نے دیکھا تو خود اُس کا بیٹا عباس تھا۔ وزیر اعظم کو حکم دیا کہ شہزادے کو بڑھیا کے برابر لیجا کر کھڑا کر دے۔ اور دونوں کے اظہار سُنے۔ شہزادہ عباس رُک رُک کر آہستہ گفتگو کرتا تھا۔ لیکن بڑھیا کی آواز دمبدم بلند ہوتی جاتی تھی۔ وزیر اعظم نے روکا کہ خلیفہ کے سامنے چلّا کر گفتگو کرنا خلاف ادب ہے۔ مامون نے کہا نہیں جس طرح چاہے آزادی سے کہنے دو۔ سچائی نے اس کی زبان تیز کر دی ہے۔ اور عباس کو گونگا بنا دیا ہے۔ اخیر مقدمہ کا فیصلہ بڑھیا کے حق میں ہوا اور جائداد واپس دلادی گئی[2]۔

مامون کی آزادی پسندی نے اُس کے عمال کو بھی اصول انصاف پسندی میں نہایت آزاد اور بیباک کر دیا تھا۔ ایک بار خود مامون پر ایک شخص نے تیس ہزار کا دعویٰ دائر کیا جس کی جواب دہی کے لئے اُس کو دار القضا میں حاضر ہونا پڑا۔ خدام نے قالین لا کر بچھایا کہ خلیفہ اُس پر تشریف فرما ہو لیکن قاضی القضاۃ نے مامون سے کہا کہ یہاں آپ اور مدعی دونوں برابر درجہ رکھتے ہیں۔ مامون نے کچھ بُرا نہ مانا۔ بلکہ اُس کے صلہ میں قاضی القضاۃ کی تنخواہ اضافہ کر دی[3]۔

مامون کی فیاضی لائف پر اگر کچھ نکتہ چینی ہو سکتی ہے تو یہ ہو سکتی ہے کہ اُسکا رحم و انصاف اعتدال کی حد سے آگے بڑھ گیا تھا جس کا یہ اثر تھا کہ اُسنے اپنے ذاتی حقوق کو بالکل نظر انداز کر دیا تھا۔ بدزبان شعرا اُسکی ہجو میں لکھتے تھے مگر خبر نہیں ہوتی تھی خود اُس کے خدام گستاخیاں کرتے تھے لیکن اُس کو مطلقاً پروا نہیں ہوتی تھی دعبل[4] نے ایک ہجو میں اسکی نسبت کہا۔

---

[1] رسالہ حکم وآداب صفحہ ۶۰۔ ۱۲ [2] دیکھو واسطۃ السلوک فی احوال الملوک وعقد الفرید جلد اول صفحہ ۱۲۔ ۱۲ [3] مستطرف صفحہ ۱۱ جلد اول ۱۲

[4] اس زمانہ کا ایک مشہور شاعر تھا۔ اور ہجو گوئی میں مشہور تھا ۱۲

شاد وبذکرك بعد طول خمرله　　　　واستنقذ رك[1] من الحضیض الاوحل

یعنی میری قوم نے تیرے نام کو جو بالکل بجھا ہوا تہا شہرت دیدی اور تجھہ کو پستی سے نکال کر بلندی پر بٹھا دیا" مامون نے یہ ہجو سنی تو صرف یہ کہدیا" دعبل کو ایسی غلط بات کہتے ذرا شرم نہیں آئی۔ میں گمنام کس دن تہا پیدا ہوا تو خلافت کی آغوش میں پیدا ہوا اور دودھ پیا تو اسی کی چھاتیوں کا پیا۔

ایک بار مامون کا چچا ابراہیم شاکی ہوا کہ دعبل کی بدزبانیاں حد سے گذر گئیں۔ میری ایسی بری ہجو لکھی ہے جو کسی طرح درگذر کے قابل نہیں۔ ابراہیم نے اس ہجو کے کچھہ اشعار بہی سنائے۔ مامون نے کہا "چچا جان اس نے میری ہجو اس سے بڑھ کر لکھی ہے" اور چونکہ میں نے درگذر کی۔ امید ہے کہ آپ بہی ایسا ہی کریں گے۔ دعبل کی بیہودہ گوئی سے سارا دربار نالاں تہا۔ ابوسعید مخزومی نے چند بار مامون کو بھڑکایا کہ آخر درگذر کہاں تک۔ مامون نے کہا" اچھا اگر بدلا ہی لینا ہے تو تم بہی اُس کی ہجو لکھدو" مگر صرف یہ لکھو کہ دعبل لوگوں کی ہجو میں جو کچھہ کہتا ہے غلط کہتا ہے۔

مامون ہمیشہ کہا کرتا تہا کہ مجھہ کو و عفو میں جو مزا آتا ہے۔ اگر لوگ جان جائیں تو جرم اور نافرمانی کو میرے پاس تحفے کر لائیں۔

مختلف وقتوں میں وزرار۔ خاندان خلافت۔ حکام۔ عمال کی شکایت میں دادخواہوں نے جو عرضیاں دی ہیں۔ اور مامون نے ان پر اپنے خاص لفظوں میں احکام لکھے ہیں اُن میں سے چند اس موقع پر ہم نقل کرتے ہیں۔ عرضیوں کی عبارت سے چنداں ہم کو غرض نہیں صرف یہ بتادیں گے کہ کسکی نسبت تہی لیکن جو احکام[2] ہیں وہ مامون کے خاص الفاظ ہیں جن کا ترجمہ کردیا گیا ہے۔

عرضیاں	مامون کی تحریر
ابن ہشام کی نسبت	شریف کی یہ پہچان ہے کہ اپنے سے بڑے کو دبائے اور چھوٹے سے خود دب جائے تم کس میں ہو۔
ہشام کی نسبت	جس وقت تک ایک شخص بہی میرے دروازے پر تیرا شاکی موجود ہوگا تجھکو میرے دربار میں رسائی نہ ہوگی۔

[1] تاریخ الخلفاء سیوطی و ابن خلکان ترجمہ دعبل ۱۲ [2] ان توقیعات کو مصنف عقد الفرید نے توقیعات المامون کے ذیل میں بالفاظہا نقل کیا ہے ۱۲

عرضیاں	مامون کی تحریر
ابوعباد کی نسبت	اے ابوعباد حق اور باطل میں کچھ رشتہ نہیں ہے
ابوعیسےٰ کی نسبت جو مامون کا بھائی تھا	فاذا نفخ فی الصور فلا انساب بینھم ۔ یعنے جب نفخ صور ہوگا تو نسب جاتے رہیں گے ۔
حمید طوسی کی نسبت	اے حمید تقرب درگاہ پر نہ پھولنا ۔ حق میں تو اور کمینہ غلام دونوں برابر ہیں ۔
بن الفضل طوسی کی نسبت	تیرا بے تمیز اور درشت خو ہونا تو میں نے گوارا کر لیا لیکن رعایا پر ظلم کرنا تو نہیں برداشت کرسکتا ہوں
عمرو بن مسعدہ کی نسبت	اے عمرو اپنی دولت کو عدل سے آباد کر ۔ ظلم تو اس کا ڈھانے والا ہے ۔

اس موقع پر جب ہم مامون کے عدل و انصاف کی داستان سُنا رہے ہیں تو ہمارا فرض ہے کہ اس کے عہد خلافت کی مسلسل بغاوتوں پر ایک اجمالی مگر دقیقہ بین نگاہ ڈالیں کیونکہ عام خیال ۔ انصاف اور بغاوت کو ہمعصر نہیں فرض کرسکتا ۔ مامون کی تاریخ اس قسم کی ناگزیر معرکہ آرائیوں سے مملو ہے لیکن جو کچھ ہوا اتفاق واقعات کا نتیجہ تھا ۔ ورنہ اس خصوص میں اس کا دامن انصاف ہر ایک قسم کے داغ سے پاک ہے ۔

ہارون الرشید کا دربار دو مختلف قوتوں یعنے **عرب و ایرانی** نسل سے مرکب تھا یہ وراثت اسکے دونوں بیٹے مامون و امین میں آکر منقسم ہوگئی ۔ مامون ماں کی طرف سے عجمی تھا اُس کا وزیر بھی ایک نومسلم مجوسی تھا تقسیم کی رو سے ملک کے جو صوبے ملے وہ بالکل عجم کے حصے تھے ان باتوں کا لازمی اثر تھا کہ گروہ عرب کو مامون کے ساتھ کچھ ہمدردی نہ ہو ۔

امین سے جب معرکے شروع ہوئے تو وہ قطعاً ہمت ہار چکا تھا لیکن **ذوالریاستین** جو اسکا ندیم اور وزیر تھا ثابت قدم رہا اور اپنے حُسنِ تدبیر سے آخر کامیاب ہوا ۔

مامون نے بے شبہ اس کے صلے میں اعتدال سے کچھ بڑھکر مراعات کی اور اُس کو سیاہ و سپید کا مالک بنا دیا اسی بات پر عرب کا گروہ بگڑ گیا لیکن مامون کو اس وجہ سے اس واقعہ کی اطلاع نہ ہوسکی کہ ذوالریاستین کے اقتدار نے اصل حالات سے مطلع ہونے کے تمام ناکے بند کر دیئے تھے ۔

سادات جو خلافت کو اپنا ازلی حق سمجھتے تھے۔ ہمیشہ ایسے موقعوں کی تاک میں رہتے تھے ہر طرف اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور تمام ملک ہلا دیا اس حالت میں اگر کسی سے ہمدردی کی توقع ہوسکتی تھی تو وہ صرف عباسی خاندان تھا لیکن مامون نے حضرت امام علی رضا کو ولیعہد بنا کر یہ بات بھی کھودی مدت تک بغاوت کا سلسلہ قائم رہا۔ اور اس وجہ سے طول پکڑتا گیا کہ سادات پر مامون کسی قسم کی سختی نہیں کرسکتا تھا۔ وہ یوں ہی نرم دل اور فیاض طبع تھا اس پر شیعہ پن کے پرتوے اور بھی سادات کا گرویدہ کر رکھا تھا۔ ان باغیوں پر قابو پاتا تھا اور چھوڑ دیتا تھا لیکن وہ اور بھی شوخ اور تیز ہوتے جاتے تھے۔

اس سلسلہ کے علاوہ اور جو بغاوتیں ہوئیں وہ ایسی ہی عام بغاوتیں ہیں جیسے کہ شخصی حکومتوں میں ہوا ہی کرتی ہیں۔ ہم کو ایشیا کی کوئی سلطنت ایسی نہیں معلوم ہے جہاں آئے دن ایسے معمولی فتنے نہیں اٹھا کرتے۔ اسکے ساتھ ہم کو یہ بھی خیال کرنا چاہئے کہ اسوقت رعایا سے ہتھیار لینے کا کوئی قانون نہ تھا اور اسوجہ سے سلطنت اور رعایا کی قوت ایک حیثیت سے یکساں نسبت رکھتی تھی۔

ان سب پر اتنا اور مستزاد کرنا چاہئے کہ جن لوگوں نے بغاوت کے علم بلند کئے وہ اکثر عرب کی قوم سے تھے جو آجتک اطاعت کے حلقے سے آزاد رہتی آئی ہے۔ اور شاید ہمیشہ ایسی ہی آزاد رہے گی۔ شاید ایک معترض آسانی سے مامون پر یہ الزام لگائے کہ ذوالریاستین جس نے مامون کی بنیاد حکومت کو گرتے گرتے سنبھال لیا خود مامون کے اشارے سے قتل کیا گیا۔ لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ آخر علاج کیا تھا نہ ذوالریاستین اپنی خودسری سے باز آسکتا تھا۔ نہ اہل عرب اس کے سامنے سر جھکا سکتے تھے۔ موقع ایسا آپڑا تھا کہ بقائے خلافت اور ذوالریاستین کا اجتماع ناممکن ہوگیا تھا۔ مامون نے بے شبہہ ذوالریاستین کو خلافت کی نذر کردیا۔ اب اگر یہ الزام کی بات ہے تو ہو۔ ہم مامون کو اس سے نہیں بچا سکتے۔ ہاں اس کا جواب ہمارے پاس بھی نہیں کہ ذوالریاستین کے قاتلوں کو اس نے کیوں قتل کرا دیا۔ شاید پالیسی کے وسیع قانون میں یہ باتیں جائز رکھی گئی ہوں۔

ایک بار مامون نے احمد بن داؤد سے مخاطب ہوکر ایک نہایت پولیٹکل تقریر کی تھی جس کا اس موقع پر نقل کرنا نہایت موزوں ہے۔ اس نے کہا کہ "بادشاہ بعض وقت اپنے خاص ارکان دولت کے ساتھ جو باتیں کرگذرتا ہے عوام ہرگز اس کا انصاف نہیں کرسکتے وہ دیکھتے ہیں کہ وزیر یا نائب السلطنت نے جو وفاداریاں کیں۔ ان کے بارسے حکومت کی گردن کبھی ہلکی نہیں ہوسکتی وہ بے تکلف رائے

لگا لیتے ہیں کہ بادشاہ نے جو کچھ کیا صرف حسد یا تنگدلی کی وجہ سے کیا لیکن انکو کیا معلوم ہے کہ اسکے بعض افعال خود سلطنت کے خانہ برانداز ہیں اب بادشاہ دو مجبوریوں میں گھر جاتا ہے نہ اس راز کو عوام پر ظاہر کر سکتا ہے نہ اُس وزیر یا نائب سے درگذر کر سکتا ہے مجبورانہ وہ کر گذرتا ہے جو ظاہر میں نہ کرنا چاہیئے وہ جانتا ہے کہ عوام تو کیا خواص بھی اُسکو معذور نہ رکھینگے لیکن ضرورت کسی کی نکتہ چینی کی پروا نہیں کر سکتی[1]" شخصی حکومت کا زور مامون کے عہد میں بھی پوری قوت کے ساتھ قائم تھا لیکن وہ اس بدعت کا موجد نہیں ہے اور اگر اسکی چلتی تو اس حالت میں ایک مفید انقلاب پیدا ہو جاتا۔ بنو امیہ۔ اور عباسیہ دونوں نے اپنے طریق عمل سے خلافت اسلام کو خاندانی ترکہ قرار دیا تھا مامون پہلا شخص ہے جسنے جابرانہ قانون کو مٹا دینا چاہا اگرچہ افسوس ہے کہ کامیاب نہ ہو سکا اُسنے بڑی تحقیق اور تجربہ کے بعد ایک ایسے برگزیدہ[2] شخص کو ولیعہدی کے لیے انتخاب کیا جو خاندان شاہی سے کچھ واسطہ نہیں رکھتے تھے بلکہ خاندان عباس انکے ساتھ ایک موروثی رقابت کا خیال رکھتا تھا یہی بات تھی کہ انکے انتخاب پر آل عباس دفعۃً برہم ہو گئے اور تمام ملک میں بغاوتیں برپا ہو گئیں تاہم مامون نے وہی کیا جو سچے کانشنس کی رو سے اُسکو کرنا چاہیئے تھا۔

جب اُنکو زہر دیدیا گیا اور مامون کو پورا تجربہ ہو گیا کہ جو خاندان ڈیڑھ سو برس سے خلافت پر قبضہ کرتا آیا ہے وہ کسی طرح اپنے فرضی حق سے باز نہیں آسکتا تو مجبورانہ اُسنے بھی وہی کیا جو اُسکے اسلاف کرتے آئے تھے تاہم اس بات سے کہ اُس نے اپنی اولاد کو چھوڑ کر جو حکومت کی قابلیت بھی رکھتی تھی۔ اپنے بھائی کو منتخب کیا۔

ایک ایسی عالی حوصلگی اور سچی بے غرضی کا ثبوت ملتا ہے جو تمام تاریخ اسلام میں بے نظیر ہے گو مامون کی اولاد خلافت کے ناقابل نہ تھی مگر اسمیں شک نہیں کہ اسکا لائق بھائی جو اپنے عہد میں معتصم باللہ کے لقب سے پکارا گیا قابلیت سلطنت کے لحاظ سے حق فائق رکھتا تھا۔

مامون کے عہد میں دوسری قوموں کو جو حقوق حاصل تھے مہذب سے مہذب گورنمنٹ میں بھی اس سے زیادہ نہیں ہو سکتے۔ یہود۔ مجوس۔ عیسائی۔ لا مذہب اُسکی وسیع حکومت میں نہایت آزادی سے بسر کرتے تھے۔ خاص دار الخلافت بغداد میں بہت سے گرجے اور چرچ نئے تعمیر ہوئے موجود تھے جنمیں رات دن ناقوس کی صدائیں گونجتی رہتی تھیں دربار میں ہر مذہب و ملت کے علماء و فضلاء حاضر رہتے تھے اور مامون انکے ساتھ نہایت عزت و توقیر سے پیش آتا تھا جبرئیل بن بختیشوع جو ایک عیسائی فاضل تھا اسکی اسقدر توقیر کرتا تھا کہ عام حکم دیدیا تھا کہ جو شخص کسی ملکی عہدہ پر مقرر کیا جائے پہلے جبرئیل کی خدمت میں حاضر ہو[3]

[1] دیکھو رسالہ حکم و آداب صفحہ ۷۰-۱۲ [2] حضرت علی رضا علیہ السلام مراد ہیں ۱۲ [3] دیکھو طبقات الاطبا ترجمہ جبرئیل بن بختیشوع ۱۲

خراسان میں جو کالج بنوایا تہا اسکا پرنسپل یعنی مہتمم اعظم ایک عیسائی کو مقرر کیا جسکا نام مسیحؔ تہا۔ اُس کی بے تعصبی کے ثبوت کے لئے ہم ذیل کی حکایت کافی سمجھتے ہیں جسکی نظیر آج بہی کسی مہذب ملک میں نہیں ملسکتی۔ عبدالمسیح بن اسحاق کندی جو ایک عیسائی عالم اور معزز ملکی عہدہ پر ممتاز تہا مامون کے ایک عزیز کا دلی دوست تہا۔

اُس ہاشمی نے عبدالمسیح کو نہایت نرم لفظوں میں ایک دوستانہ خط لکہا کہ ”اگر آپ مذہب اسلام قبول کرلیں تو خوب ہو۔ مجکو افسوس ہے کہ ایک ایسے سچے مذہب کی طرف جیسا اسلام ہے ابتک آپ مائل نہیں ہوئے ہیں“ اس خط کے جواب میں عبدالمسیح نے جو کچھ لکہا کوئی شخص جب تک خود نہ دیکھ لے اسکا اندازہ نہیں کرسکتا اُس برگزیدہ رہنمائے خلق یعنی محمد مصطفےٰؐ اور قرآن مجید وصحابہ رضؓ کی نسبت وہ الفاظ لکہے کہ سُنکر دل کانپ جاتا ہے یہ پورا خط جو ایک رسالہ کی شکل میں ہے۔ بمقام لندن مطبع گلبرٹ اور رونگٹن تہوڑے دن ہوئے چہاپا گیا ہے میں نے خود اُسکو دیکہا اور ناظرین کو یقین دلاتا ہوں کہ دیکہنے کے وقت ایک ایک حرف پر میرا دل لرز جاتا تہا اگر آج عبدالمسیح زندہ ہوتا تو تعزیرات ہند کے اثر سے کبہی نہ بچ سکتا۔ مامون کے سامنے یہ خط پیش ہوا تو اُس نے پڑہکر صرف یہ کہا کہ ”جو مذہب دنیا کے کام کا ہے وہ زردشت کا مذہب ہے اور جو محض آخرت کے لئے مفید ہے وہ عیسائی مذہب ہے لیکن دین و دنیا دونوں کے لئے جو مذہب موزوں ہے وہ اسلام ہے ان باتوں پر بہی مامون کی تاریخ کو ہم بے داغ نہیں کہہ سکتے ہم کو ڈر ہے کہ آگے چلکر جہاں مامون کے مذہب کا ذکر آئیگا ایک خاص مسئلہ میں اُسکا مذہبی جنون دیکہکر شاید ناظرین اُسکی تمام خوبیاں دفعتًا بہول جائیں۔

افسوس ہے کہ اسپر بہی یورپین مصنفین کو تسکین نہیں ہے اور وہ تاریخی تصنیفات میں بہی ہمیشہ بادشاہانِ اسلام پر ایسے طریقے سے حملہ کرجاتے ہیں جس کی اصلی زد اسلام پر پڑتی ہے۔ ناواقف مورخین ایک طرف مسٹر پامر صاحب جن کی عربیت کا ہم کو بہی اعتراف ہے اور جن کی نظم ونثر عربی وفارسی کا مجموعہ حال میں چہپا ہے تاریخ ہارون الرشید کے صفحہ ۲۲۴ میں لکہتے ہیں کہ وہ اُس کے بیہودہ درباریوں نے یہ بات اُسکے ذہن نشین کردی تہی بلکہ کل پیرو اسلام اس بات کو اس وقت میں اور کچھ مسلمان اب بہی سمجہتے ہیں کہ کافر خدا کی مخلوق ہی نہیں کہا جاسکتا !!

ہم نہیں جانتے کہ پامر صاحب کو ایسے [illegible]

۱؎ اس کا ذکر [illegible] آئیگا۔ ذکر مامون الرشید ۱۲

تاریخ پیان کو ناز ہے وہ ہمارے سامنے موجود ہے پامر صاحب اگر یہ بات یاد رکھتے تو اچھا ہوتا کہ جب خدا کی دنیا مسلمان فتحمندی کے ہاتھ میں دیدی گئی تھی۔ تو جن لوگوں نے ہزاروں لاکھوں چرچ اور گرجوں کی حفاظت کا قطعی عہدنامہ لکھ دیا وہ خلفائے راشدین تھے جو ہر زمانہ میں مسلمانوں کے رہنمائے کل مانے گئے ہیں کیا عمر بن عبد العزیز جنہوں نے دمشق کے عامل کو فرمان بھیجا کہ ولید نے گرجے کو توڑ کر مسجد میں جو اضافہ کر لیا تھا وہ ڈھا دیا جائے اور عیسائیوں کو اجازت دی جائے کہ وہاں پھر اپنا گرجا بنا لیں ،، عمر ثانی نہیں تسلیم کئے گئے ہیں اور کیا وہ لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کے جائز قائم مقام نہ تھے۔ کیا خاص دولت عباسیہ کے عہد میں دار الخلافت بغداد میں سینکڑوں ہزاروں عالیشان گرجے نہیں تعمیر ہوئے جہاں نہایت آزادی سے ہر ایک قسم کی مذہبی رسوم ادا کی جاتی تھیں۔ ہم پامر صاحب کے ہم خیال مصنفین کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ اگر ان کو شبہ ہو تو دیر الروم۔ دیر اشموئی۔ دیر الثعالب۔ دیر درتا۔ درمالس۔ دیر سمالو۔ دیر فداری۔ دیر العاصیہ۔ دیر الزرقیہ دیر الزندرود کے حالات معجم البلدان میں پڑھیں[۱] عضد الدولہ دیلمی کہ دیلمی خاندان کا سرتاج اور خلافت بغداد کی قسمت کا مالک تھا۔ اس کا وزیر اعظم نصر بن ہارون ایک عیسائی رئیس زادہ تھا اسی نے عضد دولہ کی خاص اجازت سے تمام ممالک اسلامی میں چرچ اور گرجے تعمیر کرائے[۲]۔

بے شبہ مسلمانوں میں ایسے بھی تنگ دل لوگ گذرے ہیں جو دوسرے مذہبوں کی آزادی کو صدمہ پہونچاتے تھے۔ لیکن یہ شخصی حالتیں ہیں اور ان سے عام رائے کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ ہم کو معلوم ہے کہ علی بن سلیمان گورنر مصر نے مصر کے تمام گرجے ڈھا دئے تھے۔ لیکن اسی کے ساتھ ہم اس سے بھی واقف ہیں کہ عیسیٰ بن موسیٰ نے جو خاندان عباسی سے تھا اور [illegible]ھ میں مصر کا گورنر مقرر ہوا۔ خاص سرکاری خزانہ سے کل گرجے نئے سر سے تعمیر کرائے۔

مسلمانوں کی حکومت میں دوسرے مذہب والوں کو جو ملکی عہدے ملتے رہے ہیں۔ کون گورنمنٹ اس سے بڑھ کر دے سکتی ہے۔

۱؎ بغداد میں عیسائیوں کے اور بہت سے گرجے تھے لیکن ہم نے مشہور اور ممتاز گرجوں کے نام لکھے ہیں۔ بعض گرجے خاص خاص تیوہاروں کے لئے مخصوص تھے جہاں اوقات معینہ پر بڑا مجمع ہوتا تھا اور بڑی شان و شوکت سے عیسائی اپنے مراسم مذہبی ادا کرتے تھے ۱۲

۲؎ دیکھو روضۃ الصفا و حبیب السیر ذکر سلطنت عضد الدولہ ۱۲

ذوقِ علمی۔ رصدخانہ۔ زمین کی پیمایش۔ فنون فلسفیہ کے ترجمے علوم کی اشاعت

اگرچہ خاندانی جھگڑے پرزور بغاوتیں۔ روم کی مہمات۔ بار انتظام سلطنت کام تھے۔ جو مامون کے روزانہ اوقات اور دل ودماغ کو مصروف رکھتے تھے تاہم اُس کے علمی ذوق پر غالب نہیں آسکتے تھے۔ جب وہ مصر گیا تو ایک شخص نے اُس کو مبارک بادی کہ آج عراق۔ حجاز۔ شام۔ مصر سب آپ کے زیرنگیں ہیں۔ اور رسول اللہ کے ابن عم ہونے کا شرف ان سب پر مستزاد ہے۔ مامون نے کہا ہاں مگر یہ آرزو ہنوز باقی ہے کہ مجلس عام میں شائقین حدیث جمع ہوں اور مستملی میرے سامنے بیٹھا ہو اور کہے کہ ہاں وہ کیا حدیث ہے میں بیان کرنا شروع کروں کہ حماد نے یہ روایت کی الخ۔ بچپن میں وہ اسلامی علوم کو حد کمال تک حاصل کرچکا تھا۔ اب فلسفہ پر مائل ہوا۔ اور دن رات اسی تذکرے میں بسر کرتا تھا اس کے علمی ذوق کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اس کی آستینوں پر اقلیدس کے مقالہ اولی کی شکل پنجم کا طغرا بنا ہوا تھا کیونکہ یہ شکل اُس کو نہایت مرغوب تھی اسی وجہ سے عربی میں پانچویں شکل کو شکل مامونی کہتے ہیں غالباً مامون کے سوا اور کسی بادشاہ اسلام کو یہ فخر نہیں حاصل ہے کہ اُس کے نام سے کوئی علمی اصطلاح قائم ہوئی ہو۔

"تاریخ ابن خلکان وفوات الوفیات میں ہم بہت سے یہودی اور عیسائیوں کے نام پاتے ہیں جو مختلف وقتوں میں بڑے بڑے معزز عہدوں پر ممتاز رہے ہیں۔ آغاز اسلام سے عبد الملک بن مروان کی سلطنت تک شام وعراق کا دفتر رومی وفارسی زبان میں رہا اور اتنی وسیع مدت تک خراج کے محکمہ میں عموماً دوسری ہی قومیں سیاہ وسپید کی مالک تھیں۔ اکبر وجہانگیر کی فیاضیوں کو تو ہندوستان کا ایک ایک بچہ جانتا ہے۔ عام میل جول کے لحاظ سے دیکھو تو تاریخ کے ہر صفحہ میں مسلمانوں کی بےتعصبی کی شہادت ملیگی۔ سینکڑوں عیسائی اور یہودی علما وجو عباسیوں کے دربار میں تھے اُن سے خلفا کس بےتکلفی اور یگانگت سے ملتے تھے۔ جبرئیل جو ایک عیسائی فاضل تھا اسکو ہارون الرشید نے علاوہ بے انتہا جاگیروں اور صلوں کے یہ عزت دی تھی کہ دربار میں جو شخص کوئی حاجت پیش کرنی چاہتا تھا اسکو پہلے جبرئیل کی خدمت میں باضابطہ حاضر ہونا پڑتا تھا اسکا بیٹا بختیشوع جاہ ومنزلت کے اس پایہ تک پہنچا کہ لباس آرایش میں خلیفہ متوکل باللہ کا ہمسر گنا جاتا تھا[1]۔ خلیفہ المعتصم باللہ حکیم سلویہ کی بیماری میں خود عیادت کو جاتا تھا اور جب اسنے انتقال کیا تو ایک دن کھانا نہیں کھایا اور حکم دیا کہ اُس کا جنازہ دار الخلافہ میں لاکر رکھا جائے۔

[1] دیکھو نجوم ظاہرۃ فی تاریخ مصر والقاہرۃ واقعات ۲۴۱ھ ہجری ۱۲

ہارون الرشید کا قائم کیا ہوا بیت الحکمۃ موجود تہا جس میں پارسی۔ عیسائی۔ یہودی۔ ہندو مترجمین نوکر تھے۔ اور فنون حکمت کے متعلق تصنیف اور ترجمے کرتے رہتے تھے لیکن ابتک جو سرمایہ جمع ہوا تہا وہ مامون کے شوق علمی کے لیے کافی نہ تہا۔

ایک رات خواب میں دیکہا کہ ایک محترم شخص تخت پر جلوہ فرما ہے۔ مامون نے نزدیک جاکر پوچہا "آپ کا اسم مبارک" تخت نشین نے کہا "ارسطو" مامون پر خوشی کی ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی پھر عرض کیا کہ "حضرت دنیا میں کیا چیز اچھی ہے" خیالی ارسطو نے جواب دیا "جسکو عقل اچہا کہے۔ دوبارہ مامون نے درخواست کی کہ مجکو کوئی نصیحت ارشاد ہو۔ جواب ملا کہ توحید" اور صحبت نیک ہاتھ سے نہ دینا[ل]۔

مامون یوں ہی فلسفہ پر مٹا ہوا تہا۔ ارسطو کی زیارت نے آگ پر روغن کا کام دیا اُس نے قیصر روم کو خط لکہا کہ ارسطو کی جس قدر تصانیف مل سکیں۔ دار الخلافہ کو روانہ کی جائیں" یہ وہ زمانہ تہا کہ بادشاہان اسلام کے معمولی خطوط قیصر و فغفور پر فرمان کا اثر رکھتے تھے۔ قیصر تعمیل ارشاد پر مستعد ہوا۔ مگر روم کے اطراف میں

ل اس خواب کا تذکرہ صاحب کشف الظنون نے ذکر حکمت میں اور علامہ بن ابی اصیبعہ نے حنین کے ترجمے میں مختلف روایتوں کے ساتھ کیا ہے میں نے جو روایت لکھی وہ نامۂ دانشوران ناصری سے لکھی ہو ۱۲

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۰) اور اُس کے عزیز بخور و شمع کے ساتھ عیسائیوں کے طریقے کے موافق اس پر نماز پڑہیں خلیفہ معتضد باللہ کے دربار میں جہاں تمام وزرار اور امرا دست بستہ کہڑے رہتے تہے صرف وزیر اعظم اور ثابت بن قرۃ کو جو ایک صابی المذہب عالم تہا بیٹھنے کی اجازت تہی ایک دن معتضد اور ثابت بن قرۃ ہاتہ میں ہاتہ ڈال کر ٹہل رہے تہے کہ دفعتًا معتضد نے ہاتہ کہینچ لیا۔ ثابت ڈر گیا معتضد نے کہا ڈرو نہیں میرا ہاتہ اوپر تہا میں نے یہ گستاخی پسند نہ کی اہل علم کا ہاتہ اوپر چاہیے" ابتدا میں مسلمانوں نے ان ہی قوموں سے علوم و فنون سیکہے اور جب خود استادی کے رتبہ پر پہنچے تو کس سیر چشمی اور فیاضی سے اُنکو علوم و فنون کی تعلیم دیکر شاگردی کا حق ادا کیا۔ اُن کا باہمی اخلاص اور آپس کی دوستانہ گرمجوشیاں آج بہی تعجب کی نگاہ سے دیکہی جاتی ہیں۔ علامہ شریف الرضی نے جو مسلمانوں کے ایک بڑے فرقہ کے پیشوائے مذہبی ہیں۔ ابو اسحق صابی کا ایسا حسرت انگیز مرثیہ لکہا کہ اگر اُس کا ہم مذہب اور نہایت دلی دوست بہی لکہتا تو اس سے زیادہ دردانگیز اور پر اثر نہ لکہہ سکتا اس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہو کہ علامہ موصوف جب کبہی ابو اسحق صابی کے مزار کی طرف گذرتے تہے تو ہمیشہ اسکی تعظیم کے لئے سواری سے اتر پڑتے تہے اور اسکی قبر کے سامنے سے پیادہ پا گذرتے تہے۔ دیکہو نامۂ دانشوران ناصری تذکرہ ابو اسحق صابی ۱۲

ہمکو افسوس ہو کہ اس ضمنی بحث کو ہمنے بہت کچہہ سمیٹ کر لکہا تاہم موقع اور مقام کی حیثیت سے زیادہ لکہہ گئے ناظرین معاف فرمائیں لیکن یہ خیال رہے کہ ہماری اس بحث کے مخاطب صرف پادری صاحب نہیں ہیں یورپ میں انکے اور بہی بہت ہم زبان ہیں اور اسی خیال سے ہمنے اس بحث کو ذرا طول دیا ۱۲

فلسفہ خود گمنام ہو چکا تھا۔ بڑی تلاش سے ایک راہب ملا جس سے پتہ چلا کہ یونان میں ایک مکان ہے جو قسطنطین کے زمانہ سے مقفل ہے اور جتنے تاجدار اس کے بعد تخت نشین ہوئے قفلوں کی تعداد بڑھاتے گئے۔ قسطنطین نے فلسفہ کی تمام کتابیں ہر جگہ سے جمع کر کے اس مکان میں جمع کرا دی تھیں کہ اگر فلسفہ و حکمت کو آزادی دی تو دین عیسوی کو سخت صدمے اٹھانے پڑیں گے۔

راہب کی ہدایت پر یہ پر خطر خزانہ کھولا گیا۔ تو بہت سی کتابیں محفوظ ملیں لیکن قیصر کو اب یہ خیال پیدا ہوا کہ مسلمانوں کے ساتھ ایسی فیاضی مذہبًا ممنوع تو نہ ہو۔ ارکان دولت نے متفق اللفظ عرض کیا کہ کچھ مضائقہ نہیں فلسفہ اگر مسلمانوں میں پھیلا تو ان کے مذہبی جوش کو ٹھنڈا کر کے رہے گا" قیصر نے بھی یہی مناسب سمجھا اور پانچ اونٹ لاد کر خاص فلسفہ کی کتابیں مامون کے پاس روانہ کیں۔ مامون نے تصنیفات ارسطو کے ترجمہ پر یعقوب بن اسحٰق کندی کو معمور کیا جو مختلف زبانوں کے جاننے اور تحقیقات علمی میں عمومًا بے نظیر مانا جاتا تھا۔ مامون نے خود بھی حجاج بن المطر یوحنا بن البطریق۔ سلما کو جو بیت الحکمۃ کے مہتم اور افسر تھے اس غرض سے روم بھیجا کہ اپنی پسند سے کتابیں انتخاب کر کے لائیں۔ آرمینیہ۔ مصر۔ شام۔ سیپرس۔ اور دوسرے مقامات میں بھی قاصد بھیجے اور لاکھوں روپے عنایت کئے کہ جسقدر صرف ہو اور جس طرح ممکن ہو فلسفی تصنیفات بہم پہنچائیں اسی زمانہ میں قسطا بن لوقا ایک عیسائی فلاسفر اپنے شوق سے روم گیا۔ اور فنون حکمت کی بہت سی کتابیں بہم پہنچائیں۔ مامون کو اس کا حال معلوم ہوا تو بلا بھیجا اور بیت الحکمۃ میں ترجمے کے کام پر مقرر کیا۔ سہل بن ہارون کو جو ایک فارسی النسل حکیم تھا مجوسیوں کے علوم و فنون کے ترجمے کی خدمت دی[1]۔

مامون کی التفات اور توجہ دیکھ کر تمام دربار میں یہ جوش پھیل گیا محمد و احمد و حسن نے جو مامون کے خاص ندیم اور ہندسہ حیل موسیقی میں استاد وقت مشہور تھے روم کے اطراف میں بہت سے ایلچی بھیجے اور فنون حکمیہ کی ہزاروں کتابیں منگائیں دور دراز ملکوں سے مترجم بلوائے اور بیش قرار مشاہروں پر ترجمہ کرنیکے لئے نوکر رکھا جبریل بن بختیشوع المتوفی ۲۱۳ھ جو ایک عیسائی طبیب اور دربار خلافت کا بڑا رکن تھا اُسنے بھی ترجمہ کے کام میں بڑی فیاضیاں دکھائیں۔

ہارون و مامون کی فیاضیوں نے مال و دولت کے اعتبار سے اُسکو ایک مستقل والی ملک بنا دیا تھا[2]۔

[1] یہ تمام تفصیل ہم اپنے رسالہ مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم میں لکھ چکے ہیں اور اسکو کسی قدر تغیر کے ساتھ یہاں نقل کر دیا ہے ۱۲ [2] علامہ ابن ابی اصیبعۃ نے اپنی تاریخ میں جبریل کی آمدنی و مصارف کا ایک مفصل نقشہ نقل کیا ہے جو جبریل کے مرنے کے بعد اسکے خزانے میں پایا گیا تھا ہم اس موقع پر صرف آمدنی کی بعض مدات لکھتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ خاندان عباسیہ کس بےنظیر فیاضی سے اپنے دربار میں اہل کمال جمع کئے تھے اور یہ کہ انکی فیاضیوں میں مسلمان اور دوسری قومیں برابر حصہ رکھتی تھیں ۱۲

اس عہد میں جن کتابوں کے ترجمے ہوئے وہ یونانی ۔ فارسی ۔ کالڈی ۔ قبطی ۔ شامی زبانوں کی تھیں ۔

جن بادشاہوں سے دوستانہ تعلق تھا چونکہ مامون کا میلان طبیعت اسی طرف پاتے تھے ۔ اسی مذاق کے تحف وہدایا بھیجتے تھے ۔ ہندوستان کے ایک راجہ نے اپنی ریاست کے مشہور حکیم **دوبان** کو اس کی خدمت میں بھیجا اور خط میں لکھا کہ جو ہدیہ آپ کی خدمت میں روانہ کرتا ہوں دنیا میں اس سے بڑھ کر مفید اور نامور اور معزز تحفہ نہیں ہوسکتا " اس حکیم نے کسی طرح معلوم کیا تھا کہ ایوان کسرے میں ایک صندوق مدفون ہے جس میں نوشیروان کے وزیر کی ایک نہایت بے مثل تصنیف چھپا کر رکھی گئی ہے ۔ مامون سے کہہ کر اس نے صندوق منگوایا کھولا گیا تو دیباکے ٹکڑے میں لپٹا ہوا قریباً سو ورق کا ایک رسالہ ملا ۔ مامون نے اس کا ترجمہ سنا تو نہایت متاثر ہوا ۔ اور فضل بن سہل سے مخاطب ہوکر کہا کہ خدا کی قسم کلام اس کو کہتے ہیں وہ نہیں جو ہم لوگ کیا کرتے ہیں[۱] ۔

حجاج بن یوسف کوفی ۔ قسطا بن لوقا بعلبکی ۔ ابوحسان ۔ سلمان ۔ حنین بن اسحاق ۔ سہل بن ہارون ۔ ابوجعفر ۔ یحیے ابن عدی ۔ محمد بن موسے خوارزمی ۔ حسن بن شاکر ۔ احمد بن شاکر ۔ علی ابن العباس بن احمد جوہری یعقوب کندی ۔ یوحنا بن ماسویہ ۔ ابن البطریق ۔ محمد بن شاکر ۔ یحیے بن ابی المنصور ۔ مامون کے دربار کے مشہور مترجم اور بیت الحکمت کے مہتمم تھے ۔ ان مترجموں میں سے اکثر کی تنخواہیں آجکل کے حساب سے ڈھائی ڈھائی ہزار روپے ماہوار تھیں ۔ ترجمہ کا کام دولت عباسیہ میں خلیفہ منصور کے عہد سے شروع ہوا اور ایک مدت تک بڑے اہتمام سے جاری رہا یہ کہنا قریباً صحیح ہے کہ یونان ۔ اٹلی و سسلی و اسکندریہ کا کوئی علمی سرمایہ ایسا باقی نہیں رہا جو ترجمہ کے ذریعہ سے عربی زبان میں منتقل نہیں ہوا ۔ یہی چیز ہے جس کی وجہ سے علمی دنیا میں دولت عباسیہ کی شہرت کی آواز بازگشت آجتک آرہی ہے ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۲) تفصیل آمدنی کی عام صیغہ سے دس ہزار درہم ماہوار ۔ خاص صیغہ سے پچاس ہزار درہم ماہوار ۔ لباس کے لئے پچاس ہزار درہم ماہوار ۔ خوراک کے لئے پانچ ہزار درہم ماہوار ۔ روزہ کے آغاز میں پچاس ہزار درہم ۔ فطر کے دن پچاس ہزار درہم ۔ خلیفہ کی فصد کے دن ہر دفعہ پچاس ہزار درہم ۔ دوا پلانے کے لئے سال میں دو بار پچاس ہزار درہم اس کے علاوہ خاندان شاہی اور دربار وزارت سے جو روپیہ مقرر تھے ان کی تفصیل یہ ہے ۔ زبیدہ خاتون پچاس ہزار درہم سال ۔ عباسہ پچاس ہزار درہم ۔ فاطمہ ستر ہزار درہم ۔ عیسی بن جعفر پچاس ہزار درہم ۔ ابراہیم بن عثمان تیس ہزار درہم ۔ یحیی بن خالد برمکی چھ لاکھ درہم سال ۔ جعفر برمکی بارہ لاکھ درہم ۔ فضل بن یحیی چھ لاکھ درہم ۔ فضل بن ربیع پچاس ہزار درہم ۱۲ منہ

(۱) مطرالسلوک مطبوعہ لڈن صفحہ ۲۴ و ۶۵ ۔ ۱۲

لیکن بالخصوص مامون الرشید کا دور اس فخر کے تاج کا طرہ ہے مامون کے سوا اور عباسی خلفا مثل ہارون الرشید امین و معتصم وغیرہ علوم فلسفیہ سے محض ناواقف یا برائے نام واقف تھے اور اس وجہ سے ان کے اہتمام و توجہ کا اثر وہ نہیں ہو سکتا تھا جو ایک ماہر فن کا ہو سکتا تھا۔ اس سے زیادہ یہ کہ خوش قسمتی سے یا مامون کی مرتبہ شناسی سے مامونی عہد کے مترجم زباندان ہونے کے علاوہ حکیم اور مجتہد الفن بھی تھے۔ یعقوب کندی جو اس کے دربار کا بڑا مترجم تھا مسلمانوں میں ارسطو کا ہم پلہ تسلیم کیا گیا ہے۔ سلیمان بن حسان نے لکھا ہے کہ اسلام میں کندی کے سوا اور کوئی شخص فلاسفر کے لقب سے ممتاز نہیں ہوا۔ وہ طب حساب۔ منطق۔ موسیقی۔ ہندسہ۔ طبائع۔ اعداد۔ نجوم کا بہت بڑا ماہر تھا[1]۔

ان علوم میں اس کی مستقل تصنیفیں موجود ہیں علامہ ابن اصیبعہ نے اپنی کتاب طبقات الاطبا میں اس کی تصنیفات کی ایک مفصل فہرست لکھی ہے جس میں دو سو بیاسی کتابوں اور رسالوں کے نام ہیں ان میں سے بعض میں اس نے یونانی حکما کی غلطیاں ثابت کی ہیں بعض میں حالات جدیدہ کا بیان ہے۔ ایک رسالہ ایک آلہ پر لکھا ہے جس سے تمام اجرام کا بعد دریافت ہو سکتا ہے۔ ایک اور آلہ کی ترکیب لکھی ہے جس سے تمام معائنات کا بعد معلوم ہو سکے۔ اس قسم کے اور جدید آلات پر اس نے رسالے لکھے ہیں۔ علوم فلسفیہ کے ترجمے میں اس بات کو بہت بڑا دخل ہے کہ مترجم فن سے مجتہدانہ واقفیت رکھتا ہو۔ اسی بنا پر ابو معشر نے کتاب المذکرات میں لکھا ہے کہ اسلام میں عمدہ مترجم چار شخص گذرے۔ یعقوب کندی۔ حنین بن اسحق۔ ثابت بن قرۃ۔ عمر و بن الفرخان الطبری۔ یعقوب کندی نے ترجمہ کے ساتھ اصل کتاب کی پیچیدگیاں بھی رفع کر دیں۔ اور اس وجہ سے اس کے ترجمے ایک اعتبار سے شرح کی حیثیت رکھتے ہیں۔

یعقوب کندی کی خاص تصنیفیں جو منطق میں ہیں ایک مدت تک درس میں داخل تھیں۔ اور جب تک حکیم ابو نصر فارابی کی تصنیفیں نہیں شائع ہوئیں ان کا رواج تمام ممالک فارس و خراسان و عراق میں قائم رہا یعقوب کے شاگردوں میں سے حسنویہ۔ نفطویہ۔ سلمویہ۔ احمد بن الطیب کو تلمذ کی شہرت حاصل ہے احمد بن الطیب علوم فلسفیہ کا بڑا فاضل تھا۔ اس نے اکثر ارسطو وغیرہ کی تصنیفات کے خلاصے کئے اور شرحیں لکھیں۔

مامون کے دربار کا دوسرا مترجم حنین بن اسحق جس کا نشو و نما۔ مامون ہی کے عہد میں ہوا ترجمہ کا نامور مہر ہی

[1] دیکھو طبقات الاطبا حالات یعقوب کندی میں نے جو کچھ اس حکیم کی نسبت لکھا ہے وہ جو اپنے طب میں ایک بے نظیر تصنیف ہے ۱۲

[2] حنین کا مفصل تذکرہ طبقات الاطبا میں ملاحظہ کرنے کے قابل ہے ۱۲

عربیت کی تحصیل خلیل بن احمد بصری سے کی تھی جو لغات عرب کا پہلا مدون اور فن عروض کا موجد ہے یونانی زبان بلاد روم میں جاکر سیکھی۔ اول اس نے جبریل بختیشوع کی خدمت میں رسائی حاصل کی رفتہ رفتہ دربار خلافت میں پہنچا۔ مامون نے اس کو ترجمے کے کام پر معمور کیا اور زرومال سے مالامال کر دیا۔ مشاہرہ کے علاوہ صلہ و انعامات کی کوئی حد نہ تھی مشہور یہ ہے کہ مامون ہر کتاب کے ترجمے کے عوض کتاب کے برابر سونا تول کر دیتا تھا۔ لیکن حنین نے خود ایک رسالہ میں دینار کی بجائے درہم کی تصریح کی ہے۔ علامہ ابن ابی اصیبعہ نے کتاب طبقات الاطباء میں جو ۶۴۳ھ ہجری میں تالیف ہوئی لکھا ہے کہ میں نے خود حنین کے بہت سے ترجمے دیکھے جو اس کے کاتب ازرق کے ہاتھ کے لکھے ہوئے تھے۔ اور جن پر مامون الرشید کا شاہی طغرا بنا ہوا تھا ابن ابی اصیبعہ کا بیان ہے کہ "یہ مترجم کتابیں نہایت جلی خط میں تھیں کاغذ بھی نہایت گندہ تھا اور ہر صفحہ میں صرف چند سطریں تھیں۔ غالباً حنین قصداً کتاب کی ضخامت کو بڑھانا چاہتا تھا۔ کیونکہ کتاب کے برابر تول کر اس کو چاندی ملتی تھی" علامہ موصوف ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اگر اس قدر گندہ اور مضبوط کاغذ پر نہ لکھی ہوتیں تو آج تک یہ کتابیں محفوظ نہیں رہ سکتی تھیں۔ علامہ ابن ابی اصیبعہ نے حکیم جالینوس کے ذکر میں جالینوس کی ایک سو اکیس کتابوں کے نام اور ان کے مضامین لکھے ہیں۔ پھر لکھا ہے کہ قریباً یہ سب کتابیں حنین نے عربی میں ترجمہ کیں۔ حنین نے ایک رسالہ میں خود جالینوس کی تصنیفات کی تفصیل کی ہے اور کہا ہے کہ میں نے کن مشکلوں سے یہ کتابیں بہم پہنچائیں اور ان کے ترجمے کئے۔ وہ لکھتا ہے کہ کتاب البرہان کی تلاش میں جزیرہ فلسطین۔ مصر۔ اسکندریہ۔ اور تمام ممالک شام میں پھرا۔ لیکن صرف نصف مقالہ دمشق میں دستیاب ہوا۔ جالینوس کی کتابوں کے ترجمے اور مترجمین نے بھی کئے مثلاً۔ الطاش۔ ابن کمی۔ بطریق ابوسعید۔ عثمان۔ دمشقی۔ موسےٰ بن خالد لیکن حنین کے ترجموں سے ان کو کچھ نسبت نہیں ہے۔ علامہ ابن ابی اصیبعہ نے موسےٰ ابن خالد کے ترجمے خود دیکھے۔ ان کا بیان ہے کہ دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ تعجب ہے کہ حنین خود بھی صاحب تصنیفات تھا۔ طبقات الاطباء میں اس کی خاص تصنیفات کی فہرست تین صفحوں میں نقل کی ہے جس کو ہم تطویل کے لحاظ سے قلم انداز کرتے ہیں۔

حنین کا نامور فرزند اسحاق اور اس کا بھانجہ حبیش ان دونوں نے ترجمے کے کام کو بہت وسعت دی ارسطو کی اکثر فلسفی تصانیف اسحاق نے ترجمہ کیں۔

قسطا بن لوقا البعلبکی بھی نہایت نامور فاضل اور مختلف زبانوں کا ماہر تھا۔ ابن الندیم کا بیان ہے کہ وہ طب۔ فلسفہ۔ ہندسہ۔ اعداد۔ موسیقی میں مہارت کامل رکھتا تھا۔ یونانی زبان نہایت فصاحت سے بولتا تھا۔ عربیت میں کامل تھا" علامہ ابن ابی اصیبعہ نے لکھا ہے کہ "اُس نے یونان کی بہت سی کتابیں عربی میں ترجمہ کیں اور اکثر پہلے ترجموں کی اصلاح کی" اس کے علاوہ وہ خود بھی صاحب تصنیفات تھا۔ طبقات الاطبار میں اُس کی بہت سی تصنیفات کے نام لکھے ہیں۔

خاص مامون کے عہد میں جس قدر کتابیں ہوئیں اور ان پر جو شرح و حواشی لکھے گئے اُن کی فہرست کے لئے ایک مستقل رسالہ درکار ہے[1]۔

مامون جس قدر فلسفہ کے دلچسپ مسائل سے آگاہ ہوتا گیا اُس کے شوق تحصیل کو اور ترقی ہوتی گئی۔ اور زیادہ تر تحقیق و تجربے پر مائل ہوا۔

جبر ومقابلہ

علم جبر و مقابلہ پر اسلام میں اول جو کتاب لکھی گئی وہ اس عہد کے ایک مشہور عالم محمد بن موسے خوارزمی نے مامون کی فرمایش سے لکھی۔ یہ تصنیف آج بھی موجود ہے اور اس قدر جامع و مرتب ہے کہ گو علمائے اسلام نے جبر و مقابلہ میں سینکڑوں نادر کتابیں لکھیں لیکن اصل مسائل میں اس سے زیادہ ترقی نہ کر سکے یونانی کتب حکمت میں اُس نے پڑھا تھا کہ کرۂ زمین کا دور ۲۴ ہزار میل ہے۔

مزید تحقیق کے لحاظ سے محمد و احمد و حسن کو جو اُس کے خاص ندیم اور فنون حکمت کی ترقی و اشاعت میں اس سے بھی کچھ زیادہ سرگرم تھے۔ حکم دیا کہ دربار میں جو ہیئت دان ماہرین فن ہیں اُن کو ساتھ لیں۔ اور کسی ہموار اور وسیع صحرا میں آلات رصدیہ اور اصول حساب کے استعمال سے کرۂ زمین کی پیمایش کریں۔ سنجار کا سطح اور وسیع میدان اس تجربے کے لئے نہایت مناسب مقام تھا۔ ان لوگوں نے پہلے ایک جگہ ٹھیر کر آلات رصدیہ کے ذریعے سے قطب شمالی کا ارتفاع معلوم کیا۔ پھر وہاں ایک کھونٹی گاڑی اور ایک لمبی رسی اُس میں باندھ کر ٹھیک شمال کی طرف چلے۔ رسی جہاں ختم ہو گئی

---

[1] تعجب ہو کہ صاحب کشف الظنون نہ صرف مامون الرشید بلکہ خاندان عباسیہ کی مجموعی کوششوں کو بے وقعتی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں وہ علم حکمت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ یونان کی عمدہ اور معظم تصنیفات عربی میں ترجمہ نہیں ہوئیں اور جسقدر ہوئیں اُنہیں اکثر غلطیاں رہ گئیں ہیں اس موقع پر صرف اسقدر کہنا چاہتا ہوں کہ صاحب کشف الظنون کو تاریخ الحکما اور طبقات الاطبار ابن ابی اصیبعہ غور سے پڑھنا چاہیئے تھا میں بھی سو تصنیفات کے ترجموں کا نشان دے سکتا ہوں ۱۲

وہاں ایک دوسری کھونٹی گاڑدی اور اُس میں ایک رسی باندھ کر شمالی سمت کو چلے اور ایک جگہ ٹھیر کر رصد سے دیکھا تو قطب شمالی کا ارتفاع ایک درجہ بڑھ گیا تھا - اب جس قدر مسافت طے ہوئی تھی اُس کی مساحت کی تو ۶۶ میل اور دو ثلث میل ٹھیری - اس سے نتیجہ نکالا کہ آسمان کے ہر ایک درجہ کے مقابل زمین کی سطح ۶۶ میل اور دو ثلث میل ہے - پھر اُسی مقام سے ٹھیک جنوب کی طرف چلے اور اسی طرح رسّیاں باندھتے گئے یہاں قطب شمالی کا ارتفاع لیا تو معلوم ہوا کہ ایک درجہ کم ہے - اب اسی طرح حساب لگایا کہ ایک درجہ کے مقابل زمین کی جو مسافت ٹھیری تھی اُس کو تین سو ساٹھ میں ضرب دیا کیونکہ آسمان کے درجے اسی قدر قرار دیے گئے ہیں اس حساب سے محیط زمین ۲۴ ہزار میل ٹھیرا[51] -

دولتِ اسلامیہ میں اول جس نے رصد خانہ کی بنیاد ڈالی اور بیش بہا آلات رصدیہ مہیا کئے وہ یہی نامور خلیفہ مامون ہے اس کام کے لئے اس نے علاوہ اُن لوگوں کے جو دربار میں تھے تمام ممالک محروسہ سے ہیئت و ہندسہ کے ماہرین فن طلب کئے اور ۲۱۴ھ میں بمقام شماسیہ عظیم الشان رصد خانہ قائم کیا جسکے مہتمم یحییٰ ابن ابی المنصور اس المنجمین خالد بن عبد الملک مرورودی - سند بن علی - عباس بن سعید جوہری اور چند ریاضی داں علما تھے - نہایت بیش بہا آلات رصدیہ تیار ہوئے - اور آفتاب کے میل کا مقدار - اُسکے مرکزوں کا خروج اوج کے مواضع اور چند سیارات و ثوابت کے حالات دریافت کئے گئے[52] -

مامون کے زمانہ تک جس زیج پر اعتماد کیا جاتا تھا - وہ محمد بن ابراہیم فزاری کی تالیف تھی لیکن نئی تحقیقات کے بعد مامون کے ایک بڑے منجم ابو جعفر محمد بن موسیٰ خوارزمی نے جو زیج ترتیب دی اُس کی شہرت مقبول نے اوروں کا نام مٹا دیا - یہ زیج دنیا کی تمام مستند زیجوں سے ماخوذ تھی - اوساط ہندوستان کی زیج کے مطابق رکھتے تھے - تعدیلین - فارس کی تحقیقات کے موافق تھیں اور میل شمس میں بطلیموس کی رائے لی تھی اُس کے ساتھ ترتیب و تقریب کے متعلق خود پسند ایجادیں کی تھیں[53] -

مامون کے ایک دوسرے منجم حبش حاسب مروزی نے بھی تین زیجیں تیار کیں مگر ان میں جو تحقیقات جدیدہ کے مطابق اور مامون کے نام سے منسوب ہے زیادہ مشہور ہوئی[54] -

ایشیائی حکومتوں میں کسی چیز کی اشاعت کے لئے صرف یہ بات کافی ہے کہ فرمانروائے وقت اُس کا

---

[51] ابن خلکان ترجمہ محمد بن موسیٰ ۱۲ [52] کشف الظنون ذکر الرصد ۱۲ [53] دیکھو جامع القصص الہندیہ مطبوعہ فرانس مقام برن ۱۸۳۸ء صفحہ ۱۰۰ - ۱۲ [54] کشف الظنون ذکر زیج حبش الحاسب ۱۲

قدردان ہو لیکن مامون کے عہد میں چند اور باتیں جمع ہو گئی تھیں۔

اُس وقت تک مسلمانوں میں عزم و ثبات کا عام مادہ موجود تھا اور ہر شخص کا دل جوش اور امنگ سے لبریز تھا۔ یہ سرگرم طبیعتیں جس طرف رُخ کرتی تھیں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھتی تھیں اس کے ساتھ مامون کی پایہ شناسی اور فیاضیوں نے اور بھی حوصلے بڑھا دیے اور چونکہ مامون خود نہایت محقق اور ماہر فن تھا اور اسکے دربار میں فروغ پانا کچھہ آسان بات نہیں تھی۔ ملک میں کمال کا عام رواج ہو گیا۔

۲۱۵ھ میں جب وہ بغداد پہونچا تو قاضی یحییٰ ابن اکثم کو حکم دیا کہ علماء و فضلاء میں سے بیس شخص انتخاب کیے جائیں جو علمی مجلسوں میں شریک ہوا کریں۱؎۔ فرامین بھیجکر ہر جگہ سے ادیب۔ فقیہ۔ شاعر۔ متکلم۔ حکیم طلب کیے۔ اور معقول تنخواہیں مقرر کیں۔

اصمعی کو جو ایک عجوبہ روزگار شخص اور لغات عرب میں قریباً ایک خمس اُسی کی روایت ہے بصرہ سے بلانا چاہا۔ مگر چونکہ اُس نے ضعف اور پیرانہ سالی کا عذر کیا اس لیے حکم دیا کہ نحو اور ادب کے مشکل مسائل جو دربار کے علماء حل نہ کر سکیں اصمعی کے پاس جواب کی غرض سے بھیجے جائیں۳؎۔

شاہ یونان کو خط لکھا کہ وہ حکیم لیو کو اجازت دیدے کہ مجھکو یہاں آکر فلسفہ پڑھا جائے جس کے عوض میں صلح دائمی کا وعدہ اور پانچ مَن سونا دینا منظور کرتا ہوں۴؎۔

فرّا نحوی کو جو علم نحو کے ارکان میں شمار کیا گیا ہے۔ حکم دیا کہ نحو میں ایسی جامع کتاب لکھے جو تمامی اصول کو حاوی اور اہل زبان کے محاورات اور طریق استعمال سے مستنبط ہو۔ اس غرض سے ایوان شاہی کا ایک کمرہ خالی کیا گیا۔ اور خدام و ملازم مقرر ہوئے کہ فرّا کو کسی ضرورت کے لئے کچھہ کہنا نہ پڑے۔ صرف نماز کے وقت آدمی اطلاع کر جاتا تھا کہ وقت ہوا! بہت سے کاتب اور ناقلین معین ہوئے کہ جو کچھہ فرّا بتاتا جائے لکھتے جائیں۔ دو برس کی متصل محنت میں ایک نہایت لبیط کتاب تیار ہوئی۔ مامون نے حکم دیا کہ اس کی بہت سی نقلیں لکھوا کر کتب خانوں میں بھیجی جائیں۔ اس کتاب کا نام کتاب الحدود ہے۔ فرّا نے اسکے بعد کتاب المعانی لکچر کے طور پر لکھوائی۔ راوی کا بیان ہے کہ جو شائقین فن اسکے لکھنے کے لیے ہر روز فرّا کی خدمت میں حاضر رہتے تھے میں نے ان سب کا شمار کرنا چاہا تو نہ کر سکا لیکن صرف قاضیوں کو گنا تو اسّی تھے۵؎۔

۱؎ نامہ دانشوران ناصری صفحہ ۱۱ و ۱۲ - ۱۲ ۲؎ مروج الذہب مسعودی ذکر خلافت قاہر باللہ ۱۲ ۳؎ ابن خلکان ترجمہ اصمعی ۱۲ ۴؎ چیمبرس انسائکلوپیڈیا مطبوعہ ۱۸۸۶ء صفحہ ۳۴۴ جلد اول ۱۲ ۵؎ مراۃ الجنان یافعی و ابن خلکان ترجمہ فرا نحوی ۱۲

مامون کے عہد خلافت کی ایک بڑی یادگار یہ ہے کہ فارسی شاعری کی ابتدا اسی زمانے میں ہوئی۔ گو فارس میں اسلام سے پہلے سخنوری اوج کمال تک پہنچ چکی تھی لیکن فتوحات عرب کے سیلاب میں وہ دفتر خدا جانے کہاں بہ گئے کہ آج بڑے بڑے وسیع النظر مصنف تذکروں کے ہزاروں ورق اُلٹ کر بھی ایک قطعہ یا غزل کا پتہ نہیں دے سکتے فارسی لٹریچر خلافت مامون کا یہ ابدی احسان ہے کہ اس عہد میں اُس کی مردہ شاعری نے دوبارہ جنم لیا۔ مامون کی زبان مادری فارسی تھی۔ اُس کا ابتدائی زمانہ بھی خراسان میں بسر ہوا لیکن دربار میں صرف عرب کے شعراء تھے جو جشن و خوشی کے موقعوں پر فصیح و بلیغ قصائد لکھکر گرانبہا صلے حاصل کرتے تھے۔ اس بات نے عباس مروزی ایک ایرانی فاضل کو رشک کے ساتھ حوصلہ دلایا کہ ملک کی شاعری کو پھر زندہ کرے مامون کی مدح میں اُس نے ایک قصیدہ لکھا جس کے چند شعر یہ ہیں۔

اے رسانیدہ بدولت فرق خود برفرقدین	گسترانیدہ بفضل وجود در عالم یدین
مرخلافت را تو شایستہ چو مردم دیدہ را	دین یزدان را تو بایستہ چو رُخ را ہردو عین
کس بدین منوال پیش از من چنیں شعری نگفت	مر زبان پارسی را ہست با این نوع بین
لیک ازاں گفتم من ایں مدحت ترا تا این لغت	گیرد از مدح و ثنائے حضرت تو زیب و زین

حکومت کی تاثیر دیکھو۔ عربی الفاظ نے ہزاروں برس کی خاص اور منجھی ہوئی زبان پر کس قدر جلد قبضہ کر لیا کہ جب وطن میں ڈوبا ہوا شاعر اپنے ملک کی زبان کو اُس سے آزاد کرنا چاہتا ہے اور نہیں کر سکتا۔

مامون کے عہد میں علم خط نے بھی جو ایشیا کا ایک بڑا جوہر ہے نہایت ترقی حاصل کی اس سے پہلے بھی بہت سے خط ایجاد ہو چکے تھے منصور و مہدی عباسی کے زمانے میں اسحق بن حماد مشہور خوشنویس تھا اسکے شاگردوں نے بارہ قسم کے خط ایجاد کئے لیکن اس وقت تک کسی نے اس فن کے اصول و ضوابط نہیں لکھے تھے بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ اُسوقت تک یہ فن کوئی علمی فن نہ تھا سب سے پہلے مامون کے درباریوں میں سے احول محرر نے اس کے اصول و قاعدے منضبط کئے۔ مامون کے وزیر اعظم ذوالریاستین نے بھی ایک خط ایجاد کیا جو اُسکی طرف منسوب ہو کر قلم الریاسی کے نام سے مشہور ہے۔

مامون کا فضل و کمال علمی مجلسیں۔ اہل علم کی قدردانی

اسلام کو آج تیرہ سو برس سے کچھ اوپر ہو گئے۔ اس وسیع مدت میں ایک تخت نشین بھی ایسا نہیں گذرا

سلہ دیکھو تذکرہ محمد لبفضی ار ذکر عباس مروزی ۱۲

جو فضل و کمال کے اعتبار سے مامون کی شان یکتائی کا حریف ہو سکتا۔ افسوس ہے کہ سلطنت کے انتساب نے اُس کو خلفا و سلاطین کے پہلو میں جگہ دی ورنہ شاعری ایام العرب۔ ادب۔ فقہ۔ فلسفہ کونسی بزم ہے جہاں فخر و شرف کے ساتھ اس کا استقبال نہ کیا جاتا۔ قریبًا پانچ برس کی عمر میں وہ مکتب میں بٹھایا گیا۔ علماء جو اسکی تعلیم کے لیے مقرر ہوئے ہر ایک یگانہ وقت تہا۔

یزیدی جس کو تعلیم کے ساتھ اتالیقی کی خدمت بہی سپرد تھی۔ ایک مشہور مصنف ہے خلیل بصری جو لغات عرب کا پہلا مدون ہے اُس کا استاد تہا۔ لغت میں کتاب النوادر یزیدی ہی کی تصنیف ہے وہ ۲۰۲ھ ہجری تک زندہ رہا اور ہمیشہ مامون اُس کی صحبت سے مستفید ہوتا رہتا تہا۔ مامون کا دوسرا استاد کسائی نحو کے مجتہدین میں شمار کیا گیا ہے امام مالکؒ جو فن حدیث میں مامون کے استاد تھے مشہور امام ہیں آج دنیا میں سُنی مذہب کے لوگ قریبًا ایک ربع انہیں کے مقلد اور پیرو ہیں۔

مامون کے اساتذہ اور طالب العلمی کے حالات کو اس موقع پر ہم دوہرانا نہیں چاہتے ناظرین کتاب کے حصہ اول میں جہاں یہ حالات پڑھ چکے ہیں ان صفحوں کو ایکبار اور اُٹھا کر دیکھ لیں ذیل کی حکایتوں سے جو نہایت صحیح اور مستند تاریخی شہادتوں سے ثابت ہیں مامون کی جامعیت اور فضل و کمال کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

ایک دن علماء کا مجمع تہا ہر فن کے اہل کمال دربار میں حاضر تھے۔ ایک عورت فریاد لائی کہ میرا بہائی چہ سو اشرفیاں چھوڑ کر قضا کر گیا۔ مگر لوگوں نے ترکہ میں مجھکو ایک ہی اشرفی دلوائی مامون نے ذرا دیر دل ہی دل میں کچھ حساب لگایا دیکھا تو سہام صحیح تھے عورت سے کہا کہ ہاں تجھکو اتنا ہی ملنا چاہیئے اس غیر موقع جواب پر سب کو حیرت ہوئی۔ علماء نے پوچھا "امیر المؤمنین" کیونکر۔ مامون نے کہا۔ متوفی کی دو بیٹیاں ہونگی۔ دو ثلث یعنے چار سو اشرفیاں تو اُن کو ملیں۔ ماں بہی ہوگی جسکو سدس یعنے سو اشرفیاں پہونچیں۔ زوجہ کو ثمن یعنی پچہتر ملا ہوگا ۲۵ باقی ہے" مامون نے عورت کی طرف مخاطب ہو کر کہا سچ کہنا تیرے بارہ بہائی ہیں عورت نے تسلیم کیا کہ ہاں۔ مامون نے کہا دو دو اُن کو ملیں ۲۴ ہوئیں ایک باقی رہی وہ تیرا حق ہے۔[1]

ایک بار ایک شخص مامون کے پاس حاضر ہوا۔ اور عرض کیا کہ محدث ہوں اور اسی فن میں کل زندگی بسر کردی ہے مامون نے کہا اس مسئلے کے متعلق کتنی حدیثیں یاد ہیں وہ ایک بہی نہ بتا سکا۔ مامون نے بیسیوں روایتیں بیان کیں اور سند کا ایک تار باندھ دیا کہ اس باب میں ہشیم نے یہ کہا ہے حجاج نے یہ روایت کی ہے

[1] تاریخ الخلفاء سیوطی ۱۲

ایک دوسرے محدث کا یہ قول ہے" پھر اُس شخص سے ایک دوسرا مسئلہ پوچھا۔ وہ اب بھی عاجز رہا۔ مامون نے اسی طرح حدیث کے متعدد طریقے بیان کئے اور درباریوں سے مخاطب ہوکر کہا کہ " لوگ تین دن حدیث پڑھکر بھول جاتے ہیں کہ ہم بھی محدث ہیں خیر تین درہم اسکو دلاؤ۔

ادب و شاعری میں وہ کمال بہم پہنچایا تھا کہ بڑے بڑے ماہرین فن اُسکی اُستادی کا اعتراف کرتے تھے قدما اور شعرائے جاہلیت کے علاوہ شعرائے عصر کے مشہور قصائد اور قطعے اسکو نوک زبان یاد تھے۔ اور اس باب میں اُسکی شہرت ضرب المثل کی حد تک پہونچ گئی تھی علامہ یزیدی نے ایک بار خلیفہ واثق کی تعریف کی کہ تمام خلفائے عباسیہ میں واثق کے برابر کسی کو عرب کے اشعار نہیں یاد تھے۔ لوگوں نے نہایت متعجب ہوکر کہا کیا مامون سے بھی زیادہ۔ یزیدی نے کہا "ہاں" مامون نے ادب میں نجوم اور طب اور منطق کو بھی ملا دیا تھا لیکن واثق نے ادب کے سوا کسی فن کی طرف توجہ ہی نہیں کی " مامون کو اس ذوق شوق میں شان سلطنت کا بھی خیال نہ تھا خود اُسکی ہجو میں دعبل وغیرہ نے جو کہا تھا اُسکو حفظ یاد تھا۔ اور زبان کی شستگی کے لحاظ سے اُسکی تحسین کرتا تھا۔ خدا نے طبیعت ایسی موزوں اور طبع عطا کی تھی کہ شعرا اسکی زود فہمی اور نکتہ سنجی پر حیرت زدہ ہوجاتے تھے۔ ایک موقعہ پر جب عمارت بن عقیل نے سو شعروں کا ایک مدحیہ قصیدہ پیش کیا تو ہر شعر پر مصرعہ ثانی کے شروع ہونے سے پہلے مامون بتاتا گیا کہ یہ قافیہ ہے اور اس پہلو سے بندھا ہوگا عمارت نے حیرت زدہ ہوکر کہا خدا گواہ ہے۔ اب تک اس قصیدہ کا ایک شعر بھی میں نے ظاہر نہیں کیا ہے مامون نے کہا تم کو معلوم ہوگا کہ جب عبداللہ بن عباس کے سامنے ایک شاعر نے اپنا لکھا ہوا قصیدہ پڑھا تو وہ برابر دوسرا مصرعہ پڑھتے گئے میں اُنہیں کا فرزند ہوں۔ ایک بار اُسنے محمد بن زیاد اعرابی سے جو مشہور ادیب اور نصاب تھا پوچھا کہ ہند کے اس مصرعہ میں نحن بنات طارق (ہم طارق کی بیٹیاں ہیں) طارق سے کون مراد ہے۔ محمد بن زیاد نے بہت خیال دوڑایا مگر ہند کے خاندان میں طارق کسی کا نام نہ تھا۔ آخر عرض کیا حضور میں نہیں بتا سکتا۔ مامون نے کہا "یہاں طارق" کے معنی ستارہ کے ہیں جیسا کہ قرآن کی اس آیت میں ہے وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ شاعر نے فخریہ اپنے کو ستارہ کی طرف منسوب کیا ہے " محمد نے عرض کیا کہ کوئی سند ارشاد ہو مامون نے کہا میں خود مجتہد الفن اور مجتہد (یعنی ہارون الرشید) کا فرزند ہوں۔ یہ کہہ کر فخر کے جوش میں عنبر کا ایک غلہ جو ہاتھ میں لئے ہوئے تھا محمد کی طرف پھینکا محمد نے اس گرانبہا انعام کو جو پانچہزار درہم قیمت رکھتا تھا بڑی خوشی سے قبول کیا۔ اور رخصت ہوا۔

مروان بن ابی حفصہ اُس زمانہ کا ایک مشہور شاعر تھا۔ ہارون الرشید نے اُس کو ایک قصیدہ پر اسپ خاصہ وخلعت اور پانچ ہزار دینار انعام میں دیئے تھے۔ چونکہ مامون الرشید باپ سے بھی زیادہ فیاض اور پایہ شناس تھا۔ مروان نے اس امید پر کچھ مدحیہ اشعار لکھے اور مامون کو سنائے لیکن اس بات سے کہ مامون نے کچھ نہ داد دی اور نہ اُسکے چہرہ سے کچھ قبول کا اثر ہوا۔ مروان کو سخت تعجب ہوا دربار سے واپس آکر عمارۃ بن عقیل سے کہا "کیوں تمہاری کیا رائے ہے میں تو خیال کرتا ہوں کہ مامون کو سخن فہمی کا مطلق مادہ نہیں ہے" (عمارۃ) ایں! مامون سے زیادہ اور کون نکتہ سنج ہوسکتا ہے (مروان) مگر میں نے تو اُسکے سامنے یہ لاجواب شعر پڑھا اور اُس کو ذرا جنبش نہ ہوئی۔

اضحی امام الھدیٰ المامون مشتغلا ۔۔۔ بالدین والناس بالدنیا مشاغیل

ترجمہ لوگ دنیا کے کاروبار میں پھنسے ہیں لیکن امام۔ رہنما۔ مامون دین میں مشغول ہے (عمارۃ) سبحان اللہ! اس شعر کی بھی آپ داد چاہتے ہیں۔ مامون نہ ہوا کوئی بڑھیا ہوئی کہ محراب میں بیٹھی تسبیح پھرا رہی ہے۔ اگر مامون (جو بار سلطنت کا حامل ہے) دنیا کا کفیل نہ ہوگا۔ اور کون ہوگا۔ (مروان) اب میں سمجھا کہ میری خطا تھی۔

مامون کی خوش بیانی اور برجستہ گوئی کا عموماً لوگ اعتراف کرتے تھے ثمامہ بن اشرس کا قول ہے کہ میں نے جعفر برمکی اور مامون سے زیادہ فصیح وبلیغ کسی کو نہیں دیکھا"

مامون کے خطبے اب بھی موجود ہیں جن کے ہر فقرہ سے شستہ بیانی اور زور طبیعت کی شہادت ملتی ہے اگرچہ اس وقت خطبوں کا وہ زور شور نہیں رہا تھا جیسا کہ جاہلیت یا آغاز اسلام میں تھا اور خصوصاً پولٹیکل موقع پر تو اس کی صدا بالکل ناپید ہوگئی تھی۔ تاہم جمعہ اور عیدین میں اب تک فصحا اپنی تیغ زبان کا جوہر دکھاتے تھے لیکن آجکل کی طرح لکھہ کر آموختہ نہیں سُناتے تھے۔ بلکہ جو کچھ کہتے تھے زبانی اور برمحل کہتے تھے اس قسم کے خطبے جو مامون نے مختلف وقتوں میں پڑھے کتاب العقد لابن عبد ربہ میں بالفاظہا مذکور ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ اُن کا نقل کرنا یہاں موزوں نہ ہوگا۔ ناظرین میں سے عربی داں کتنے ہیں اور ترجمہ کیا جائے تو وہ بات نہیں رہتی۔ سخنوری کے لحاظ سے مامون ایک بلند رتبہ شاعر تھا اُس کے چند شعر جن کی نازک خیالی اور مضامین کی خوبی کا اندازہ کسی قدر ترجمے سے ہوسکتا ہے اس موقع پر نقل کرتے ہیں۔

لہ تاریخ الخلفا سیوطی ۱۲ سے ۵ یہ اشعار فوات الوفیات وتاریخ الخلفاء وکامل ابن الاثیر وعقد الفرید سے جمع کئے گئے ہیں ۱۲

لسانی کتوم لاسرارکم	میری زبان تمہارے رازوں کو چھپاتی ہے۔
ودمعی نموم لسری مذیع	لیکن آنسو غماز ہیں اور میرے راز کو فاش کردیتے ہیں۔
فلولا دموعی کتمت الهوی	اگر آنسو نہ ہوتے تو میں عشق کو چھپا سکتا۔
ولولا الهوی لم یکن لی دموع	اور اگر عشق نہ ہوتا تو آنسو ہی کیوں ہوتے۔
انا المامون والملک الهام	میں مامون ہوں اور عظیم الشان بادشاہ ہوں
ولکنی بحبک مستهام	لیکن تیرے عشق میں سرگشتہ ہوں۔
اترضی ان اموت علیک وجدا	کیا تجکو یہ پسند ہے کہ میں تیرے عشق میں مرجاؤں
ویبقی الناس لیس لهم امام	اور دنیا بے امام کے رہ جائے۔
بعثتک مرتادا ففزت بنظرة	میں نے تجکو محبوب کی تلاش میں بھیجا تو اسکے دیدار سے کامیاب ہوا
واغفلتنی حتی اسات بک الظنا	اور مجھے بھول گیا جس سے مجکو تیری نسبت بدگمانی ہوئی۔
فناجیت من اهوی وکنت مباعدا	میرے محبوب سے تو نے سرگوشی کی۔ اور میں دور تھا۔
فیالیت شعری عن دنوک ما اغنی	ہائے تیرا قرب (محبوب سے) میرے کس کام آیا
فیالیتنی کنت الرسول وکنتنی	کاش میں ہی قاصد ہوتا اور تو بجائے میرے ہوتا
فکنت الذی تقضی وکنت الذی ادنی[1]	پس تو محبوب سے دور رہتا اور میں قریب ہوتا
اری اثرا منه بعینک بینا	میں تیری آنکھوں میں علانیہ محبوب کا اثر دیکھتا ہوں۔
لقد اخذت عیناک من عینه حسنا	بے شبہ تیری آنکھوں نے اسکی آنکھوں سے حسن لے لیا ہے۔

قاصد پر رشک کرنا شعرا کا ایک وسیع مضمون ہے اور بہت سے نازک خیالوں نے اسکے مختلف پہلو نکالے ہیں۔ عرفی نے قاصد سے گذر کر خود پیغام پر رشک کیا ہے اسکا شعر یہ ہے۔ شعر

بسوے او نفرستم پیام ازاں ترسم　　کہ بر حکایت من مطلع شود پیغام

مگر نکتہ سنج سمجھ سکتا ہے کہ مامون نے اس مضمون کو کس طرح پلٹا ہے اور ہر بندش میں جدت کے ساتھ بات میں بات نکالی ہے۔

ایک بار عید کے دن مامون کے خوان کرم پر بہت سے معزز مہمان جمع تھے تین سو سے زائد مختلف اقسام کے کھانے دسترخوان پر چنے گئے۔ مامون ہر ایک کا خاصہ اور اثر بتاتا جاتا تھا کہ بلغمی مزاج کو یہ مفید ہے

[1] قاصد سے خطاب ہے ۱۲

سودادی کو وہ نافع ہے جس کو صفرا کا زور ہو وہ اس خاص قسم سے پرہیز کرے جو قلیل غذا کا عادی ہو وہ یہ کھائے مامون کی ہمہ دانی پر تمام حاضرین محو حیرت تھے۔ قاضی یحییٰ بن اکثم سے نہ رہا گیا بیساختہ بول اٹھے امیر المومنین آپ کی کس کس بات کی تعریف کی جائے طب کا ذکر کیا جائے تو آپ جالینوس وقت ہیں نجوم کی بات چھیڑئے تو ہرمس۔ فقہ کی بحث ہو تو علی مرتضےٰ۔ سخاوت میں حاتم۔ راست بیانی میں ابوذر۔ وفا میں سمول۔ اس سچی خوشامد سے مامون بھی پھڑک اٹھا۔ اور کہا کہ " وہاں آدمی کو جو شرف ہے عقل سے ہے ورنہ خون اور گوشت میں کیا خوبی رکھی ہے۔

مامون کے بعض دل آویز اقوال اس موقع پر نقل کرنا موزوں ہوگا جن سے اُس کے لطیف اور اعلےٰ وفیاضانہ خیالات کا اندازہ ہوتا ہے۔ اُس کا قول تھا کہ " شریف وہ ہے جو بڑوں کو دبالے اور چھوٹوں سے خود دبے "، "عقلوں کی لڑائی دیکھنے سے دنیا میں کوئی تماشا عمدہ نہیں "، دلیل سے غالب ہونا میں بہ نسبت زور سے غالب ہونے کے زیادہ پسند کرتا ہوں یہ آدمی تین قسم کے ہیں بعض ایسے ہیں جن کی ہر وقت ضرورت ہے بعض بمنزلہ دوا کے ہیں کہ خاص وقتوں میں ان کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور بعض تو ایسے ہیں کہ بیماری کی طرح کسی حال میں پسندیدہ نہیں "، بادشاہ کو لجاجیت نہایت نازیبا ہے۔ اور اس سے زیادہ یہ نازیبا ہے کہ قاضی فریقین کی تسکین نہ کر سکے اور گھبرا جائے۔ اور ان سب سے عمدہ مجلس وہ ہے جس میں لوگوں کے حالات سے واقفیت ہو۔

لطیفہ مامون شطرنج کا بڑا شائق تھا مگر اچھی نہیں کھیلتا تھا۔ اکثر کہا کرتا تھا کہ عرصۂ عالم کا بندوبست کرتا ہوں مگر دو بالشت کا انتظام نہیں کر سکتا۔

مامون کا ایک مشہور مناظرہ جس میں اُس کا یہ دعوے تھا کہ تمام صحابہؓ میں حضرت علیؓ افضلتر ہیں "، ایک بڑے معرکہ کا مناظرہ ہے۔ قاضی یحییٰ ابن اکثم اور چالیس بڑے بڑے فقیہ اس دعوے کے مخالف تھے۔ اودھر مامون تنہا۔ سب کا طرف مقابل تھا۔ مناظرہ کے وقت حاکمی اور محکومی کا پردہ اٹھا دیا گیا تھا۔ اور ہر شخص کو گفتگو میں پوری آزادی حاصل تھی صبح سے قریبًا دوپہر تک دونوں فریق نے داد سخن دی مگر انصاف یہ ہے کہ میدان مامون کے ہاتھ رہا۔ یہ پورا مناظرہ کتاب العقد میں مذکور ہے اور حق یہ ہے کہ وہ مامون کی وسعت نظر جودت ذہن کثرت معلومات حسن بیان۔ زور تقریر کا ایک حیرت انگیز مرقع ہے۔

یوں تو مامون کی عام مجلسیں بھی علمی تذکروں سے خالی نہیں ہوتی تھیں لیکن سہ شنبہ کا دن مناظرہ کا مخصوص دن تھا جس کا طریقہ یہ تھا کہ صبح کچھ دن چڑھے ہر مذہب و ملت کے علماء اور ماہرین فن دربار میں حاضر ہوتے۔ ایک پُر تکلف ایوان پہلے سے مرتب رہتا تھا۔ سب لوگ نہایت بے تکلفی سے وہاں بیٹھ گئے۔ خادم نے ہر شخص کے سامنے آکر عرض کیا کہ بے تکلفی سے تشریف رکھئے۔ اور چاہئے تو پاؤں سے موزے بھی اُتار ڈالئے۔ پھر دستر خوان جو مختلف اقسام کے اطعمہ و اشربہ سے مزین ہوتا تھا بچھایا گیا۔ کھانے سے فارغ ہوکر سب نے وضو کیا۔ عود۔ لوبان کی انگیٹھیاں آئیں۔ کپڑے بسائے۔ خوشبو ملی۔ خوب مطیب و معطر ہوکر دار المناظرہ میں حاضر ہوئے۔ اور مامون کے زانو سے زانو ملا کر بیٹھے۔ مناظرہ شروع ہوا۔ مامون خود ایک فریق بنتا تھا۔ لیکن اس آزادی سے گفتگو میں ہوتی تھیں کہ گویا کسی شخص کو یہ معلوم ہی نہیں کہ مجلس میں خلیفہ وقت بھی موجود ہے۔ دوپہر تک یہ انجمن قائم رہتی تھی۔ زوال آفتاب کے بعد خاصہ حاضر ہوتا تھا اور لوگ کھا پی کر رخصت ہوتے تھے[1]۔ ان مجلسوں میں بعض وقت اہل مناظرہ اعتدال کی حد سے تجاوز کر جاتے تھے مگر مامون بڑے حلم و متانت سے برداشت کرتا تھا۔ ایک بار محمد سولی و علی بن الہیثم بحث کے دو فریق تھے۔ گفتگو جس قدر بڑھی بدمزہ ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ محمد سولی نے علی کو سخت کہدیا۔ علی نے برافروختہ ہوکر کہا "اس وقت تم کسی دوسرے کی زبان سے بول رہے ہو۔ ورنہ اس مجلس سے باہر تم ایک کہتے تو دو سُنتے۔ اس بیباکانہ گستاخی سے دفعتًا مامون کا چہرہ متغیر ہوگیا تاہم اُس نے ضبط کیا اور اُٹھ کر زنانہ میں چلا گیا کہ بات کو ٹال جائے جب غصہ فرو ہوا تو پھر دربار میں آیا[2]۔

ایک دن ایک ثنوی المذہب[3] سے نہایت لطیف بحث ہوئی۔ مامون نے اُس سے پوچھا کہ انسان بُرا کام کرنے کے بعد کبھی شرمندہ بھی ہو سکتا ہے (ثنوی) ہاں کیوں نہیں (مامون) گناہ پر نادم ہونا اچھا ہے یا بُرا (ثنوی) اچھا ہے (مامون) جو شخص نادم ہوا گناہ اُس سے سرزد ہوا تھا یا کسی دوسرے شخص سے (ثنوی) اُسی سے (مامون) بس تو ایک ہی شخص سے گناہ بھی ہوا اور ثواب بھی (ثنوی) گھبرا کر نہیں میں یہ کہونگا کہ جو نادم ہوا اُس نے گناہ نہیں کیا تھا (مامون) تو اُس کو اپنے گناہ پر ندامت ہے یا دوسرے کے (ثنوی) آخر لاجواب ہوکر ساکت ہوگیا[4]۔ ایک اور دن مجلس مناظرہ قائم رہتی۔ چوبدار نے

---

[1] مروج الذہب مسعودی خلافۃ المامون ۱۲ [2] آغانی جزء ۱۴ صفحہ ۹ مطبوعہ مصر ۱۲۸۵ھ ۱۲ [3] ایک فرقہ ہے جو نیکی اور بدی کا الگ الگ خالق مانتا ہے ۱۲ [4] عقد الفرید ۱۲

اطلاع کی کہ ایک اجنبی شخص دروازے پر کھڑا ہے، اور حضور سے بحث کرنے کی اجازت چاہتا ہے مامون نے حکم دیا کہ بلالو، آیا تو اس ہیئت سے آیا کہ جوتا ہاتھ میں اور پائنچے چڑھے ہوئے صف نعال میں کھڑا ہوا اور وہیں سے چلا کر کہا السلام علیک ورحمۃ اللہ، مامون نے سلام کا جواب دیا اور اجازت دی کہ قریب آکر بیٹھے۔ مامون سے اس نے پوچھا کہ خلافت آپ نے بزور حاصل کی ہے یا دنیا کے تمام مسلمانوں نے اتفاق رائے سے آپ کو منتخب کیا ہے، مامون نے کہا نہ زور سے نہ اتفاق سے بات یہ ہے کہ مجھ سے پہلے جماعت اسلام پر جو حکمراں تھا اور عامہ مسلمانان جبراً یا طوعاً اسکے حلقہ بگوش اطاعت تھے اس نے میری ولیعہدی کے لئے عام بیعت لی اور اس وقت جو لوگ اسلامی طاقت کے ارکان مانے جاتے تھے سب نے معاہدہ بیعت پر دستخط کئے اسکے انتقال کے بعد میں نے خیال کیا کہ جس پر دنیا کے تمام مسلمانوں کا اتفاق ہو وہ تخت نشین ہو لیکن ایسا شخص نہ مل سکا۔ ادھر ملک کے نظم ونسق کے لئے ایک قوی انتظام کی ضرورت تھی۔ ورنہ امن وامان میں خلل آتا اور عظمت اسلامی کے تمام اجزا متفرق ہو جاتے مجبورانہ سردست میں نے یہ بار اپنے سر لیا۔ اور منتظر بیٹھا ہوں کہ جب دنیا کے تمام مسلمان اتفاق رائے سے ایک شخص کو انتخاب کرلیں تو میں عنان حکومت اس کے ہاتھ میں دے کر الگ ہو جاؤں میں تم کو اپنا وکیل کرتا ہوں ایسا موقع ہو تو فوراً مجھکو خبر کرنا[1]۔

ایک دن مامون نے یحییٰ بن اکثم سے جو قاضی القضاۃ تھے کہا کہ میری خواہش ہے کہ آج محدثانہ حدیث کی روایت کروں! قاضی صاحب نے عرض کیا کہ حضور سے زیادہ کس کو یہ حق حاصل ہے معمول کے موافق ممبر رکھا گیا۔ اور مامون نے ممبر پر بیٹھ کر بڑی قابلیت کے ساتھ درس دیا۔ قریباً تیس حدیثیں تحقیق وتنقید کے ساتھ روایت کیں لیکن حاضرین کے رخ سے اس نے جان لیا کہ لوگ محظوظ نہیں ہوئے ممبر سے اترا تو قاضی یحییٰ سے کہا کہ سچ یہ ہے کہ تم لوگوں کو کچھ مزا نہ آیا حقیقت میں اس منصب کے وہی لوگ مستحق ہیں جو اس ذوق میں تن بدن کا خیال نہیں رکھتے اور ممبر پر بھی بیٹھتے ہیں تو ان کے کپڑے بوسیدہ ہوتے ہیں[2]،، مامون کی راست پسندی کا اکبر شاہ کی خود رائی اور جہل مرکب سے مقابلہ کیا جائے تو ایک عجیب حیرت انگیز تفاوت معلوم ہوتا ہے۔

ایک دن دربار میں ایک شخص جس نے نبوت کا دعوےٰ کیا تھا حاضر کیا گیا۔ سب معمول بہت سے

[1] مروج الذہب مسعودی خلافت مامون ۱۲ [2] تاریخ الخلفا سیوطی ۱۲

منجم اور ہیئت دان علما بھی حاضر تھے مگر کسی کو اُس کے ادعائے نبوت کا حال معلوم نہ تھا۔ مامون نے ستارہ شناسوں کو حکم دیا کہ زائچہ دیکھ کر بتائیں کہ یہ شخص سچا ہے یا جھوٹا ہے۔ سب نے صحن میں جا کر طالع کو دیکھا تو یہ صورت تھی کہ شمس و قمر ایک دقیقہ میں تھے مشتری سنبلہ میں تھا اور اسی کی طرف ناظر تھا۔ زہرہ و عطارد عقرب میں تھے اور عقرب کی طرف ناظر تھے۔ اس بنا پر سب نے حکم لگایا کہ مدعی نے جو دعوے کیا ہے صحیح ہوگا لیکن یحییٰ ابن منصور نے ان لوگوں کی رائے سے اختلاف کیا اور کہا کہ مشتری ہبوط میں ہے اور مشتری برج میں ہے اُس سے کارہ ہے۔ اس بات نے طالع کی سعادت بالکل زائل کر دی ہے۔ دونوں فریق قیاسات لگا چکے تو مامون نے کہا "یہ بھی جانتے ہو کہ اُس شخص نے کس بات کا دعوے کیا ہے یہ نبوت کا مدعی ہے" حاضرین دربار یہ سُنکر اس سے معجزہ کے طالب ہوئے اُس نے ایک انگوٹھی پیش کی کہ میرے سوا جو اس کو پہن لیگا بے اختیار ہنسنا شروع کرے گا اور جب تک اُتار نہ ڈالے یہی حالت رہیگی۔ لیکن اگر میں پہن لوں تو کچھ اثر نہ ہوگا۔ اسی طرح اُس نے ایک قلم دکھایا جس سے صرف وہ لکھ سکتا تھا اور دوسرا شخص اس سے لکھنا چاہتا تو مطلق نہیں چلتا تھا۔ تجربے سے دونوں باتیں صحیح نکلیں۔ مامون نے سمجھ لیا کہ یہ کوئی نادر اور علمی شعبدہ ہے۔ اور اگر نبوت کے ادعائے باطل سے وہ باز آئے تو کام کا آدمی ہوگا۔

مامون نے اُس کو اپنا ندیم بنا لیا اور اسقدر استمالت اور مراعات کی کہ آخر اُس نے اپنا راز بتا دیا اور انگوٹھی اور قلم میں جو صنعت تھی ظاہر کر دی۔

مامون نے ہزار دینار انعام میں دئے اور مقربین میں داخل کر لیا۔ یہ شخص ریاضی اور ہیئت کا بڑا عالم تھا طلسم انحاص اُسی کی ایجاد ہے جو بغداد کے اکثر گھروں میں موجود تھا۔

ایک بار نضر بن شمیل المتوفی ۲۰۳ھ جو خلیل بصری کے شاگرد اور حدیث فقہ۔ نحو۔ غریب شعر۔ ایام العرب میں اُستاد وقت تھے مامون کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور چونکہ مامون کی سادہ مزاجی اور بے تکلفی سے واقف تھے کپڑے تک نہیں بدلے اور وہی مدت کا بوسیدہ قمیص و عبا زیب بدن کئے ہوئے ایوانِ شاہی میں چلے آئے (مامون) کیوں۔ نضر۔ امیر المؤمنین سے اس لباس میں ملنے آئے ہو۔ (نضر) مرو کی سخت گرمی کی انہیں کپڑوں سے حفاظت ہوتی ہے (مامون) یہ تو بہانے ہیں اصل یہ ہے کہ تم کفایت شعاری پر مرتے ہو۔ اسکے بعد علم حدیث کا تذکرہ شروع ہوا۔

مامون نے اپنی سند سے ایک حدیث روایت کی مگر "سداد" کے لفظ کو جو اس حدیث میں تھا فتحہ سے پڑھ گیا۔ نضر نے اس غلطی پر اس کو متنبہ کرنا چاہا تو اسی حدیث کو اپنی روایت سے بیان کیا اور سداد کو بکسر پڑھا۔ مامون تکیہ لگائے بیٹھا تھا دفعتاً سنبھل بیٹھا۔ اور کہا "کیوں کیا سداد بفتحہ غلط ہے۔" نضر: ہاں ہشیم آپ کے استاد نے آپ کو غلط بتایا (مامون) کیا دونوں کے معنے مختلف ہیں (النضر) سداد بالفتح کے معنے راست روی کے ہیں۔ سداد بالکسر اسکو کہتے ہیں جس سے کوئی چیز روکی جائے (مامون) کوئی سند بتا سکتے ہو (النضر) عربی کا یہ شعر موجود ہے۔

اضاعونی وای فتی اضاعوا   لیوم کریہۃ وسداد ثغر

مامون نے سر نیچے کر لیا اور کہا کہ خدا اُس کا بُرا کرے جس کو فن ادب نہیں آتا۔" پھر نضر نے مختلف مضامین کے اشعار سنائے اور رخصت ہونے کے وقت وزیر اعظم فضل کے پاس رقعہ لکھ دیا کہ پچاس ہزار درہم نضر کو عطا کئے جائیں۔ نضر یہ رقعہ خود لیکر فضل کے پاس گئے فضل نے رقعہ پڑھکر کہا تم نے امیر المؤمنین کی غلطی ثابت کی۔ نضر نے کہا نہیں غلطی تو ہشیم نے کی۔ امیر المؤمنین پر کیا الزام ہے فضل نے پچاس ہزار پر اور تیس ہزار اپنی طرف سے زائد کئے۔ اس طرح ایک غلطی بتانے کے صلہ میں نضر نے اسی ہزار درہم حاصل کئے۔

کلثوم عتابی جسکو اپنے علم و فضل پر بڑا ناز تھا اور بجا بھی تھا مامون کی پایہ شناسی کا شہرہ سنکر بغداد پہنچا اور دربار میں حاضر ہوا۔ مامون نے مزاج پرسی کی اور حالات پوچھے۔ کلثوم نے اس فصاحت اور برجستگی سے گفتگو کی کہ مامون بھی حیرت میں رہگیا اور حکم دیا کہ ہزار دینار اسکے سامنے لاکر رکھدیں لیکن چونکہ حاضر جوابی اور نکتہ سنجی کا امتحان ہنوز باقی تھا۔ مامون نے اسحق موصلی کی طرف اشارہ کیا کہ کلثوم کو اس فن میں آزمائے اسحق نے سامنے آکر مناظرانہ گفتگو شروع کی اور اعتراضات کا تار باندھ دیا کلثوم بالکل حیرت زدہ ہو گیا کہ اس بلا کا ذہین کون شخص ہو سکتا ہے۔ دربار کے قاعدے کے موافق پہلے اُس نے مامون سے اجازت طلب کی پھر اسحق کی طرف متوجہ ہوا کہ "آپ کا نام و نسب کیا ہے" (اسحق) "نسباً آدمی ہوں اور میرا نام کل البصل ہے" (کلثوم) "نسب تو خیر ظاہر ہے مگر نام نئے ڈھنگ کا ہے (اسحق) "کل البصل" کلثوم سے زیادہ تعجب انگیز نہیں ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ لہسن سے پیاز بہرحال اچھی ہے۔ اس لطیفہ پر کلثوم بھی پھڑک گیا اور مامون سے درخواست کی کہ ہزار دینار جو مجھکو انعام میں عطا ہوئے تھے اسحق کو دلائے جائیں مگر مامون نے کلثوم کا انعام مضاعف کر دیا اور حکم دیا کہ اسحق کو بھی اسیقدر صلہ عطا

کیا جائے۔

مامون کا دربار اگرچہ نامور شعراء سے معمور تہا جو وقتاً فوقتاً قصیدے اور قطعے لکھ کر گرانبہا صلے حاصل کرتے تھے لیکن عام ایشیائی فرمانرواؤں کی طرح وہ اپنی مدح کی دلاویز صداؤں سے جی خوش کرنا نہیں چاہتا تہا۔ بلکہ اس فیاضی سے اُس کو زیادہ تر علم و ادب کی ترقی مقصود تہی تشبیب اور عام مضامین سے متعلق جو اشعار ہوتے تھے اُن کو نہایت ذوق سے سنتا تہا لیکن خاص مدحیہ اشعار دو تین سے زیادہ سُننا پسند نہیں کرتا تہا اور یہ کہکر شاعر کو روک دیتا تہا کہ " بس میری قدر افزائی کے لئے اتنا کافی ہے"۔

اہل علم کے ساتھ مامون کی معاشرت بالکل دوستانہ تہی۔ اہل کمال کا عموماً نہایت ادب کرتا تہا اور اُس کی شاہانہ فیاضیاں اور لوگوں کے لئے بالکل بے روک تھیں علامہ واقدی نے جو فن سیر کے امام ہیں ایک بار مامون کو خط لکھا جس میں ناداری کی شکایت اور لوگوں کا جس قدر قرضہ چڑھ گیا تہا۔ اُس کی تعداد لکھی تہی۔ مامون نے جواب میں یہ الفاظ لکھے "آپ میں دو عادتیں ہیں حیا و سخاوت۔ سخاوت نے آپ کے ہاتھ کھولدئے ہیں کہ جو کچھ تہا آپ نے سب اڑا ڈالا۔ حیا کا یہ اثر ہے کہ آپ نے اپنی پوری حاجت نہیں ظاہر کی۔ میں نے حکم دیدیا ہے تعداد مطلوبہ کا مضاعف آپکی خدمت میں پہنچ جاویگا اگر آپ کی اصلی ضرورت کے لئے یہ تعداد پوری نہ اُترے، تو خود آپکی کوتہ قلمی کا قصور ہے۔ اور اگر کافی ہوجائے تو آئندہ بہی آپ جسقدر چاہیں فراخ دستی سے صرف کریں خدا کے خزانہ میں کچھہ کمی نہیں ہے آپنے خود مجھسے حدیث روایت کی تہی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے زبیر سے فرمایا تہا کہ رزق کی کنجیاں عرش پر ہیں خدا بندوں کے لئے اُنکے خرچ کے موافق رزق دیتا ہے زیادہ ہو تو زیادہ اور کم ہو تو کم" علامہ واقدی کو یہ حدیث یاد نہیں رہی تہی وہ صلہ سے زیادہ اس بات پر خوش ہوئے کہ مامون کے یاد دلانے سے اُن کو ایک بھولی ہوئی حدیث یاد آگئی۔

مامون کے دو فرزند فراء نحوی سے تعلیم پاتے تھے ایک بار وہ کسی کام کے لئے مسند درس سے اٹھا دونوں شہزادے دوڑے کہ جوتیاں سیدہی کرکے آگے رکھدیں مگر چونکہ دونوں ساتھ پہونچے اسپر نزاع ہوئی کہ اس شرف کے ساتھ اختصاص کسکو ہو آخر دونوں نے فیصلہ کرلیا ادہر ایک نے ایک جوتی سامنے لاکر رکھدی۔

مامون نے ایک ایک چیز پر پرچہ نویس مقرر کر رکہے تھے فوراً اطلاع ہوئی اور فراء طلب کیا گیا مامون نے اس سے مخاطب ہوکر کہا۔ آج دنیا میں سب سے زیادہ معزز کون ہے؟ (فراء) امیر المومنین سے زیادہ معزز کون ہوسکتا ہے (مامون) وہ جس کی جوتیاں سیدہی کرنے پر امیر المومنین کے لخت جگر بہی آپسمیں جہگڑا کریں

(فرا) میں خود شہزادوں کو روکنا چاہتا تھا مگر پھر خیال ہوا کہ ان کو اس شرف سے کیوں باز رکھوں عبداللہ بن عباس نے بھی حسین علیہ السلام کی رکاب تھامی تھی اور جب حاضرین میں سے کسی نے اعتراض کیا کہ آپ تو عمر میں بہت بڑے ہیں تو انہوں نے ڈانٹا کہ اے جاہل چپ رہ تو ان کی قدر کیا جان سکتا ہے" (مامون) اگر تم ان کو روکتے تو میں تم سے نہایت آزردہ ہوتا۔ اس بات نے ان کی عزت کچھ کم نہیں کی بلکہ اصالت کے جوہر دکھلائے۔ بادشاہ۔ باپ۔ اُستاد کی اطاعت ذلت میں داخل نہیں ہے یہ کہکر لڑکوں کو سعادتمندی اور فرا کو حسن تعلیم کے صلے میں دس ہزار درہم عطا کئے[۱]۔

مامون کے عام اخلاق وعادات شاہانہ شان وشوکت عیش وطرب کے جلسے

مامون کی نسبت مورخین کے متفقہ الفاظ یہ ہیں تمام خلفائے بنی العباس میں کوئی تخت نشین دانائی۔ عزم۔ بردباری۔ علم۔ رائے۔ تدبیر۔ ہیبت۔ شجاعت۔ عالی حوصلگی۔ فیاضی میں اس سے افضل نہیں گذرا۔ مامون کا یہ ادعا کچھ بیجا نہیں تھا کہ معاویہ کو عمرو بن العاص کا بل تھا۔ عبدالملک کو حجاج کا اور مجھکو خود اپنا۔

ہارون الرشید اکثر کہا کرتا تھا کہ "میں مامون میں منصور کا حزم۔ مہدی کی خدا پرستی۔ ہادی کی شان و شوکت پاتا ہوں ان باتوں پر اگر اسکے عفو وانکسار بے تکلفی۔ سادہ مزاجی کی صفتیں بڑہائی جائیں تو فضیلت کا دائرہ جسکو مورخین نے بنی العباس تک محدود کیا تھا تمام سلاطین اسلام پر محیط ہوتا ہے۔

مامون کا قول تھا کہ مجھکو "عفو میں ایسا مزا آتا ہے کہ اُس پر ثواب ملنے کی توقع نہیں" عبداللہ بن طاہر کا بیان ہے کہ ایک بار مامون کی خدمت میں میں حاضر تھا اسنے غلام کو آواز دی مگر صدائے برنخواست پھر پکارا تو ایک غلام ترکی حاضر ہوا اور آتے ہی بڑبڑانے لگا کہ "کیا غلام کھاتے پیتے نہیں جب ذرا کسی کام کے لئے باہر گئے تو آپ "یا غلام یا غلام" چلانے لگتے ہیں آخر یا غلام کی کوئی حد بھی ہے"

مامون نے سر جھکا لیا اور دیر تک سر بگریباں رہا میں نے سمجھا کہ بس اب غلام کی خیر نہیں۔ مامون میری طرف مخاطب ہوا اور کہا کہ "نیک مزاجی میں یہ بڑی آفت ہے کہ نوکر اور غلام شریر اور بدخو ہو جاتے ہیں۔ مگر یہ تو نہیں ہو سکتا کہ اُن کے نیک خو کرنے کے لئے میں بدمزاج ہوں[۲]"

---

[۱] ابن خلکان ترجمہ فرا نحوی ۱۲ [۲] مستطرف فی کل فن مستطرف ۱۲

ایک دن دجلہ کے کنارے بیٹھا تہا ارکانِ دولت دست بستہ کھڑے تھے سامنے پردہ پڑا ہوا تہا ایک ملاح یہ کہتا ہوا جاتا تہا کہ "مامون جس نے اپنے بہائی کو قتل کردیا کیا ہماری آنکھ میں عزت حاصل کرسکتا ہے" مامون یہ سُنکر مسکرا دیا اور ارکان دولت کی طرف مخاطب ہوکر کہا "کیوں صاحبو! آپ ایسی بہی کوئی تدبیر بتا سکتے ہیں کہ میں اس جلیل القدر آدمی کی نظروں میں موقر ہوسکوں۔

ناظرین کو غالبًا اس بات سے تعجب ہوگا کہ اس غیر معتدل رحم پر جو بظاہر شانِ خلافت کے شایاں نہ تہا مامون کو ناز تہا وہ فخر سے کہتا تہا کہ "خواص و خدام اکثر اپنے جلسوں میں بیٹھ کر مجکو گالیاں دیتے ہیں اور میں خود اپنے کانوں سے سُنکر دانستہ اغماض کرتا ہوں[1]۔

حسین بن ضحاک ایک شاعر نے جو امین کا ندیم تہا امین کے قتل کا نہایت جانگداز مرثیہ لکہا جس میں مامون کو بہت کچہہ بُرا بھلا کہہ کر دل کے پھپولے پھوڑے تھے۔ مامون نے یہ اشعار سُنے تو صرف یہ حکم دیا کہ شاعروں کے ساتھ دربار میں نہ آئے چند روزوں کے بعد پھر بُلایا اور کہا "سچ کہنا بہائی امین کے قتل اور بغداد کی فتح کے دن تو نے کسی ہاشمی عورت کو مارے جاتے اور ذلیل ہوتے دیکہا تہا۔ حسین نے کہا کسی کو نہیں۔ مامون نے اس کے الزام دینے کو اس کے چند اشعار پڑھکر سنائے جس میں اس نے نہایت درد انگیز لفظوں میں یہ سماں کہینچا تہا کہ بغداد تباہ کیا جارہا ہے اور آلِ ہاشم کی نازک اور گل اندام عورتیں غارتگروں کے بے رحم ہاتھ سے اپنے ناموس کو نہیں بچا سکتیں" حسین نے کہا اے امیر المومنین یہ ایک جوش تہا جس کو میں دبا نہ سکا۔ امین کے غم میں صحیح اور غلط کی کس کو تمیز تہی۔ خلیفہ مرحوم کا ماتم جن لفظوں میں ہوسکا ادا ہوا۔ اگر تو مواخذہ کرے تو تجکو حق ہے اور بخشدے تو تیری فیاضی ہے۔ مامون کی آنکہوں میں آنسو بھر آئے اور حکم دیا کہ اس کی تنخواہ بحال کردی جائے۔ ایک بار اسی حسین نے ایک قصیدہ لکہہ کر حاجب کو دیا کہ مامون کی خدمت میں پیش کرے۔ قصیدہ شاعری کے لحاظ سے نہایت عمدہ تہا۔ مامون نے سخنوری کی داد دی۔ مگر حاجب نے کہا کہ اسی حسین کا یہ بہی شعر ہے۔ شعر[2]

ولا فرح المامون بالملک بعدہ ولا زال فی الدنیا طریدًا مشردًا

ترجمہ "خدا کرے مامون اس کے بعد کبہی سلطنت سے لذت نہ اٹھائے اور ہمیشہ دنیا میں خوار اور مردود رہے" مامون نے یہ شعر پڑھکر حاجب سے کہا کہ "مدح و ذم مل کر برابر ہوگئی۔ اب شاعر کو صلہ

---

[1] تاریخ الخلفائے سیوطی ۱۲ [2] تاریخ الخلفائے سیوطی ۱۲ [3] کامل ابن الاثیر فتح بغداد ۱۲

کا کوئی حق نہیں،، حاجب نے عرض کیا پھر حضور کی وہ عفو کی عادت کیا ہوئی۔ مامون نے کہا ہاں یہ صحیح ابھا مناسب انعام دیا جائے۔

جس زمانہ میں امین بغداد میں محصور تہا۔ کوثر اس کا پیارا غلام ایک دن لڑائی کی سیر دیکھنے کو نکلا اتفاق سے ایک پتھر چہرہ پر آکر لگا اور خون جاری ہوا۔ امین اپنے ہاتھ سے خون پوچھتا جاتا تہا اور یہ اشعار جو اُسوقت اُس کی زبان سے بے اختیار نکلے تھے پڑہتا جاتا تہا۔

ضربوا قرۃ عینی	لوگوں نے میرے قرۃ العین کو مارا
ومن اجلی ضربوہ	اور میری ضد کی وجہ سے مارا
اخذ اللّٰہ یقینی من	جن لوگوں نے میرے دل کو جلایا
اناس احرقوہ	خدا ان لوگوں سے میرے دل کا بدلا لے

چونکہ غم زدہ دل نے یاری نہ دی اس سے زیادہ وہ نہ کہہ سکا اور عبداللہ ایک شاعر کو حکم دیا کہ ان اشعار کو پورا کردے۔ عبداللہ نے چند شعر لکھے جس کے اخیر شعر یہ ہیں۔

من رای الناس لہ فضل	لوگ جسکو صاحب فضل دیکھتے ہیں
علیھم حسدوہ	اُسپر حسد کرتے ہیں
مثل ما حسد القائم	جس طرح خلیفہ وقت پر اُس کے بہائی
بالملک اخوہ	(مامون) نے حسد کیا

امین کے قتل کے بعد یہی شاعر مامون کے دربار میں حاضر ہوا کہ مدح سناکر انعام لے (مامون) نے اُسکی طرف دیکھکر کہا کہ ہاں وہ کیا شعر ہے مثل ما حسد القائم بالملک اخوہ شاعر نے اسکی معذرت میں چند اشعار برجستہ پڑہے مامون نے پچھلے جرم کا کچھہ خیال نہ کیا اور دس ہزار انعام دلائے

مامون کو دعوے تہا کہ بڑے سے بڑا جرم بھی میرے علم کو متزلزل نہیں کرسکتا ایک شخص سے جو متعدد بار نافرمانیاں کرچکا تہا اُسنے کہا کہ "تو جسقدر گناہ کرتا جائیگا میں بخشتا جاؤنگا۔ یہانتک کہ آخر عفو تجکو ٹھیک کا درست کردیگا۔ مامون کی اس رحم دلی پر لوگوں کو اس قدر بھروسہ ہوگیا تہا کہ بے تکلف اُس کے سامنے اپنی خطاؤں کا اعتراف کردیتے تھے۔ عبدالملک جس کی شکایت کی بہت سی عرضیاں گذر چکی تہیں مامون

لہ تاریخ الخلفا سیوطی ۱۲ لہ تاریخ الخلفاء ۱۲ لہ تاریخ الخلفاء ۱۲

نے اُس کو بلاکر پوچھا کہ اصل کیا بات ہے عبدالملک نے مطلقاً انکار کیا۔ مامون نے کہا مگر مجکو تو اس کے خلاف خبریں پہونچتی ہیں عبدالملک نے عرض کیا۔ امیرالمومنین اگر کوئی بات ہوتی تو میں خود اقرار کر دیتا حضور کا عفو ہر حالت میں میری حمایت کے لئے سپر بن سکتا تہا۔ پھر میں سچائی کی دولت کو دانستہ کیوں کھوتا۔

مامون اگرچہ ملک کے ایک ایک جزئیات سے خبر رکھتا تہا اور اس شوق میں ہزاروں لاکھوں روپے صرف کر دیتا تہا۔ مگر غمازوں کا جانی دشمن تہا۔ اس باب میں اُس کے مقولے آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں اُس کے سامنے جب غمازوں کا ذکر آتا تہا تو اکثر کہا کرتا تہا کہ "وہ ان لوگون کی نسبت تم کیا خیال کر سکتے ہو جن کو خدا نے سچ کہنے پر بہی لعنت کی ہے"۔ اُس کا قول تہا کہ "جس شخص نے کسی کی شکایت کر کے اپنی عزت میری آنکھوں میں گھٹا دی پھر کسی طرح اُس کی تلافی نہیں کر سکتا"

مامون اگرچہ بڑی عظمت وشان کا بادشاہ تہا اور نا موری کے دفتر میں عام مورخین نے اُس کے جاہ وجلال کی داستانیں جلی خط سے لکھی ہیں مگر ہمارے خیال میں جو چیز اُس کی تاریخ زندگی کو نہایت مزین اور پر اثر بنا دیتی ہے وہ اُس کی سادہ مزاجی اور بے تکلفی ہے۔ ایک ایسا شہنشاہ جو تخت حکومت پر بیٹھ کر کل اسلامی دُنیا کا ذمہ دار بن جاتا ہے کس قدر عجیب بات ہے کہ عام دوستوں سے ملنے جلنے میں شان سلطنت کا لحاظ رکہنا پسند نہیں کرتا۔ اکثر اہل علم وارباب کمال راتوں کو اُس کے مہمان ہوتے تھے اور اُسکے بستر سے بستر لگا کر سوتے تھے۔ مگر اس کا عام برتاؤ ایسا ہی ہوتا تہا جیسا کہ ایک سادہ خالص دوست کا دوست کے ساتھ ہوتا ہے **قاضی یحییٰ** ایک رات اُس کے مہمان تھے۔ اتفاقاً آدہی رات کے بعد اُن کی آنکھہ کھل گئی۔ اور پیاس معلوم ہوئی۔ چونکہ چہرہ سے بیتابی کا اثر ظاہر ہوتا تہا۔ مامون نے پوچھا خیر ہے۔ قاضی صاحب نے پیاس کی شکایت کی۔ مامون خود چلا گیا۔ اور دوسرے کمرے سے پانی کی صراحی اُٹھا لایا۔ قاضی صاحب نے گھبرا کر کہا۔ حضور نے خدام کو ارشاد کیا ہوتا۔ مامون نے کہا نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ سید القوم خادمھم راتوں کو خدام سو جاتے تھے تو خود اُٹھ کر چراغ اور شمعیں درست کر دیا کرتا تہا۔

ایک بار باغ کی سیر کو گیا قاضی یحییٰ بہی ساتھ تھے مامون اُن کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر ٹہلنے لگا جاتے وقت دہوپ کا رُخ قاضی صاحب کی طرف تہا اُدہر سے واپس آتے وقت مامون کی طرف بدل گیا قاضی صاحب نے چاہا کہ وہ پہلو خود لے لیں تا کہ مامون سایہ میں آ جائے۔ لیکن اُس نے گوارا نہ کیا

اور کہا کہ یہ انصاف سے بالکل بعید ہے پہلے ہیں سایہ میں تھا اب واپسی کے وقت تمہارا حق ہے"۔ مامون کی سادہ مزاجی کچھ عربی النسل ہونے کی حیثیت سے نہ تھی بے شبہ عباسی خاندان عرب کا ایک مشہور اور ممتاز خاندان تھا لیکن قریبًا سو برس سے شہنشاہی کا چھتر اس پر سایہ فگن تھا اتنی مدت میں نسل اور سرزمین کی سادہ خاصیتیں بالکل شاہانہ آداب اور تکلفات سے بدل گئی تھیں۔ مہدی سے پہلے تو درباریوں کو خلیفہ کا دیدار بھی نصیب نہیں ہوتا تھا۔ سریر خلافت کے آگے قریبًا بیس ہاتھ کے فاصلہ پہ ایک مکلف پردہ پڑا ہوتا تھا اور درباری اس سے ذرا فاصلے پر دست بستہ کھڑے ہوتے تھے خلیفہ وقت پردے کی اوٹ میں بیٹھ کر تمام احکام صادر کرتا تھا۔ گو خلیفہ مہدی نے سلطنت کے چہرے سے یہ نقاب اٹھا دی تھی مگر اور بہت سے تکلفات کے حجاب باقی تھے۔

مامون کے عہد تک تمام دربار ابتک اسی قسم کے آئین و آداب کا پابند تھا۔ مامون کو ایک بار چھینک آئی حاضرین میں سے کسی نے سنت نبوی کے طریقے پہ یرحمک اللہ نہیں کہا۔ مامون نے سبب پوچھا۔ درباریوں نے عرض کیا کہ آداب شاہی مانع تھا۔ مامون نے کہا کہ میں ان بادشاہوں میں نہیں ہوں جو دعا سے عار رکھتے ہیں۔ چونکہ مامون اس قسم کے بیہودہ آداب و مراسم کو ناپسند کرتا تھا۔ اہل دربار نے بھی تکلف کی قید سے آزادی حاصل کی۔

باایں ہمہ مامون کی سادہ روی سے یہ نہیں خیال کرنا چاہیے کہ شاہانہ جاہ و حشم یا مسرفانہ مصارف میں کچھ تنزل ہوا تھا دس ہزار درہم روزانہ صرف اس کے طعام خاصہ کا صرف تھا۔ ایک یوروپین مصنف نے خلفائے راشدین کی سادہ طرز زندگی کا اس عہد سے ایک عجیب صورت میں مقابلہ کیا ہے۔

وہ لکھتا ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے شام کا سفر کیا تو ان کا کل ضروری اسباب و رسد و کھانے کا سامان ایک اونٹ پر رکھا گیا۔ اور جب مامون شکار کو نکلا تو اس کے ضروری اور معمولی ساز و سامان کے لیے تین سو اونٹ بھی کافی نہ ہوئے" وہ لکھتا ہے کہ امیہ کے عہد سے جو اس انقلاب کا پہلا دیباچہ تھا اتنی ہی قلیل مدت تک طرز معاشرت میں اس قدر عظیم الشان تبدیلیاں ہو گئیں کہ کسی طرح قیاس میں نہیں آسکتیں۔

زبیدہ خاتون (مامون کی سوتیلی ماں تھی) کی ایجاد پسند طبیعت نے زیب و زینت کے فن پہ بہت سے حاشیے اضافہ کئے۔ جو نہایت ذوق اور مسرت سے قبول کئے گئے اور تمام امرا و عمائدین

رواج عام پا گئے۔ عنبر کی شمعیں پہلے پہل اسی کی شبستان عیش میں جلائی گئیں۔ جواہر کی مرصع جوتیاں اسی کی ایجادات سے ہیں۔ چاندی۔ آبنوس۔ صندل کے قبے اول اسی نے تیار کرائے۔ اور ان کو دیبا و سمور اور مختلف رنگ کے حریر سے آراستہ کیا۔ کپڑوں کی ساخت میں یہ ترقی ہوئی کہ زبیدہ کے استعمال کے لئے ایک ایک تھان پچاس پچاس ہزار اشرفی کی قیمت کا تیار ہوتا۔

مامون کی ایک شادی کی تقریب جس شان و شوکت سے ادا ہوئی وہ اس عہد کی مسرفانہ فیاضی اور حشمت و دولت کا سب سے بڑھا ہوا نمونہ ہے۔

عربی مورخوں کا دعویٰ ہے کہ وہ گذشتہ اور موجودہ زمانہ کوئی اس کی نظیر نہیں لا سکتا،، ہماری محدود واقفیت میں ابتک کسی نے ان کے اس فخریہ ادعا پر اعتراض کرنے کی جرأت نہیں کی ہے۔ یہ خوش قسمت لڑکی جس سے مامون کا نکاح ہوا حسن بن سہل کی بیٹی تھی جو فضل کے مرنے پر وزیر اعظم مقرر ہوا تھا۔ اس لڑکی کا نام بوران تھا اور نہایت قابلہ اور تعلیم یافتہ تھی¹۔ مامون مع خاندان شاہی اور ارکان دولت و کل فوج و تمام افسران ملکی و خدام حسن کا مہمان ہوا۔ اور برابر ۱۹ دن تک اس عظیم الشان بارات کی ایسے فیاضانہ حوصلے سے مہمانداری کی گئی کہ ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی نے بھی چند روزوں کے لئے امیرانہ زندگی بسر کرلی۔ خاندان ہاشم و افسران فوج اور تمام عہدہ داران سلطنت پر مشک و عنبر کی ہزاروں گولیاں نثار کی گئیں جن پر کاغذ لپٹے ہوئے تھے اور ہر کاغذ پر نقد۔ لونڈی۔ غلام۔ املاک۔ خلعت۔ اسپ خاصہ۔ جاگیر وغیرہ کی ایک خاص تعداد لکھی ہوئی تھی۔

نثار کی عام لوٹ میں یہ فیاضانہ حکم تھا کہ جس کے حصہ میں جو گولی آئے اس میں جو کچھ لکھا ہو اسی وقت وکیل المخزن سے دلا دیا جائے۔ عام آدمیوں پر مشک و عنبر کی گولیاں اور درہم و دینار نثار کئے گئے مامون کے لئے ایک نہایت تکلف فرش بچھایا گیا جو سونے کے تاروں سے بنایا گیا تھا۔ اور گوہر و یاقوت سے مرصع تھا۔ مامون جب اس پر جلوہ فرما ہوا تو بیش قیمت موتی اس کے قدم پر نثار کئے گئے جو زریں فرش پر بکھر کر نہایت دلاویز سماں دکھاتے تھے۔ مامون نے ابونواس کا یہ مشہور شعر پڑھا۔ اور کہا کہ ابونواس نے جو لکھا گویا یہ سماں اپنی آنکھوں سے دیکھکر لکھا۔

---

¹ مروج الذہب مسعودی ذکر خلافت قاہر باللہ ۱۱ ابن خلدون تاریخوں میں بوران کا ترجمہ تفصیلاً مذکور ہے۔ تذکرۃ الخواتین میں جو زمانہ حال کی ایک تالیف ہے لکھا ہے کہ بورانی اسی بوران کی طرف منسوب ہے ۱۲ منہ رح

کان صغریٰ وکبریٰ من فواقعہا — جام شراب سے چھوٹے بڑے بلبلے ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ
حصباء در علی ارض من الذہب — گویا سونے کی زمین پر موتیوں کے دانے ہیں۔

زفاف کی شب جب نوشہ اور دُولہن ساتھ بیٹھے تو بوران کی دادی نے ہزار بیش بہا موتی دونوں پر نچھاور کئے اس تقریب کے تمام مصارف کا تخمینہ پانچ کروڑ درہم کیا گیا ہے۔

عرب کے مورخوں نے مامون کی سخاوت و دریادلی کا ذکر فخر اور جوش کے ساتھ کیا ہے اور چونکہ مامون کے اصلی وعملی کارنامے اس قسم کی حیرت انگیز فیاضیوں سے معمور ہیں ان کو ایشیائی عبارت آرائی کی ضرورت نہیں پڑی۔ ان صفات کے متعلق جسقدر مبالغہ کیا جا سکتا ہے خوش قسمتی سے وہ مامون کے اصلی واقعات ہیں گبن صاحب لکھتے ہیں۔

مامون کی فیاضی کی تعریف اُس کے ارکان دولت نے ضرور کی ہوگی جس نے رکاب سے پاؤں نکالنے کے پیشتر ایک ضلع کی آمدنی کے چار خمس جو بیس لاکھ چار ہزار دینار تھے دیدیئے یہ ایک جزئی مثال ہے شعرا اور اہل فن کو ہزاروں لاکھوں درہم و دینار عطا کر دینا مامون کا ایک معمولی کام تھا۔ محمد بن وہیب کے ایک مدحیہ قصیدہ کے صلے میں حکم دیا کہ فی شعر ایک ہزار دلائے جائیں یہ کل پچاس شعر تھے اور پچاس ہزار درہم اُسی وقت اُسکو دلائے گئے۔

بوران کے نکاح میں ایک مفلس آدمی نے نمک اور اشنان کی دو تھیلیاں نذر بھیجیں اور خط لکھا کہ اگرچہ ناداری ہمت کو دبا دیتی ہے مگر میں نے یہ پسند نہ کیا کہ اہل کرم کی فہرست بند کر دی جائے اور میرا نام اُس میں نہ ہو۔ نمک کی برکت اور اشنان کی لطافت اس بات کے لئے کافی ہے کہ میں اُس کو حضور کی نذر کے لئے انتخاب کروں،، مامون نے حکم دیا کہ دو تھیلیاں اشرفیوں سے بھر کر اُس کو واپس دیجائیں اس قسم کی سینکڑوں مثالیں موجود ہیں اور ہم کو نئے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی طرح جو ایشیائی روایتوں کو عموماً بے اعتباری کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ واقعات سے انکار کرنا نہیں چاہیئے۔ یہ ایک بڑی غلطی ہے کہ ہم آج موجودہ طرز سلطنت کو پچھلی

سلہ اس شادی کا ذکر پوری تفصیل سے علامہ ابن خلدون نے مقدمہ تاریخ میں کیا ہے۔ ابو الفدا۔ ابن الاثیر۔ ابن خلکان (ترجمہ بوران میں) اور دوسرے مورخوں نے بھی یہ حالات اجمالاً و تفصیلاً لکھے ہیں ۱۲ سلہ آجکل کے حساب سے ایک کروڑ بیس ہزار روپے صرف ہوئے ۱۲ سلہ آغانی ترجمہ محمد بن وہیب ۱۲ سلہ تاریخ الخلفاء سیوطی ۱۲

ایشیائی حکومتوں کے اندازہ کرنے کا پیمانہ بنائیں۔

آجکل کے تعلیم یافتہ اس قسم کی روایتوں کی جو تاریخوں میں مذکور ہیں عموماً مبالغہ پر محمول کرتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ ملکی اور فوجی مصارف سے بچکر اتنا روپیہ کہاں سے آسکتا ہے کہ ان بے انتہا فیاضیوں کے لئے کافی ہو لیکن یہی ان کی غلطی ہے کہ پچھلی ایشیائی سلطنتوں کے ملکی اور فوجی مصارف کو وہ آج پر قیاس کرتے ہیں حالانکہ اُس وقت نہ اتنے مختلف صیغے اور عہدے تھے نہ اتنی کثیر تنخواہیں اس لئے خزانہ عامرہ کا بڑا حصہ ان فیاضیوں میں صرف ہوتا تھا جس کو آج ہم فضول اور لغو بتاتے ہیں۔ یہ باتیں ہم کو بعض عمدہ تاریخی نتائج کی طرف رہبری کرتی ہیں ہم اُس عبرت انگیز انقلاب کو حیرت کی نظر سے دیکھتے ہیں جو دو ہی صدی میں اسلامی جانشینوں کے طریق حکومت میں ہو گیا۔ حضرت عمرؓ ایک بار ممبر پہ کھڑے ہوئے اور لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ سنو اور مانو" یہ صدا ابھی پوری رفتار طے نہیں کر چکی تھی کہ حاضرین میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور بلند لہجہ میں کہا لاسمعا ولا طاعۃ یعنی نہ سنیں گے اور نہ مانیں گے حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ آخر کیوں۔ اُس نے کہا "یمنی چادریں جو تمام مسلمانوں کو تقسیم کی گئیں۔ اس میں تمہارا حصہ ایک سے زیادہ نہ تھا مگر تمہارے بدن پر جو پیرہن ہے اور اسی چادر کو کاٹ کر بنایا گیا ہے یہ یقیناً ایک چادر سے زیادہ میں بنا ہو گا تم کو اس ترجیح کا کیا حق تھا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے فرزند عبداللہؓ کے ذریعے سے اس اعتراض کا جواب دیا جنہوں نے کھڑے ہو کر یہ شہادت دی کہ "جسقدر کپڑا گھٹ گیا تھا وہ میں نے اپنے حصہ کی چادر سے پورا کر دیا" وہ شخص یہ کہہ کر بیٹھ گیا کہ ہاں اب سنیں گے اور مانیں گے۔

اسکے ساتھ اب مامون کے عہد کا مقابلہ کرو کہ اس کے غیر معتدل اصرافات پر کروروں مسلمانوں میں سے ایک بھی نکتہ چینی کی جرأت نہیں کر سکتا کل بیت المال (پبلک فنڈ) ایک شخص کے ہاتھ میں دیدیا گیا ہے اور وہ جس طرح چاہے اُسپر آزادانہ تصرف کر سکتا ہے اس قسم کے بیقاعدہ مصارف سے ہم یہ بات بآسانی سمجھ سکتے ہیں کہ ملکی عہدے کم تھے اور جسقدر تھے اُنکی تنخواہیں بیش قرار نہ تھیں۔

ہمارے ناظرین جنہوں نے مامون کو کبھی فقہ و حدیث کا تذکرہ کرتے دیکھا ہے کبھی اہل کمال کے ساتھ اُس کی عالمانہ بحثیں سُنی ہیں نہایت تعجب سے دیکھیں گے کہ بزم عیش میں وہ رندانہ وضع سے بیٹھا ہو بے تکلف اور رنگین طبع احباب جمع ہیں۔ پری پیکر نازنینوں کا جھرمٹ ہے دور شراب چل رہا ہے۔ ساز چھیڑا جا رہا ہے گل اندام کنیزیں نغمہ سرا ہیں۔ یاران باصفا بدمست ہوتے جاتے ہیں آغاز خلافت میں بیس مہینے تک

مامون نغمہ و سرود سے بالکل محترز رہا چند روزوں کے بعد شوق پیدا ہوا مگر اتنا ہی کہ احتیاط کے ساتھ کبھی کبھی سن لیتا تھا - یہ حالت بھی چار برس تک قائم رہی - پھر تو ایسی چاٹ پڑگئی کہ ایک دن ان صحبتوں کے بغیر بسر نہیں کرسکتا تھا - لیکن اگر انصاف سے دیکھیے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے - آزادی حوصلہ مندی لطافت طبع - جوش شباب - ہمیشہ زہد کی حکومت سے باغی بنتے آئے ہیں - مامون کی تخصیص نہیں اس وقت اسلامی سوسائٹیاں عموماً اس رنگ میں ڈوبی ہوئی تھیں مسلمانوں کو اس عہد میں امن - فراغ - اطمینان - زر و مال سب کچھ میسر تھا - پھر کیا چیز تھی جو ان کو زندگی کے پر خطر مقاصد سے روک سکتی ایک مذہب البتہ دراندازہو سکتا تھا لیکن جدت پسند طبیعتیں اس کو بھی کھینچ تان کر اپنے ڈھب کا بنا لیتی تھیں - شراب کی جگہ نبیذ (کھجور کی تاڑی) موجود تھی جس کو عموماً عراق کے مذہبی پیشواؤں سے حلت کی سند مل چکی تھی[1]۔

لونڈیوں کی عام اجازت نے عیاشی کے سب حوصلے پورے کرا دئے تھے - نغمہ و سرود تو قابلیت علمی کے بڑے جزو سمجھے جاتے تھے -

بنو امیہ اور عباسیہ میں ایک ہی خلیفہ ایسا نہیں گذرا جو اس فن شریف میں مناسب دستگاہ[2] نہ رکھتا ہو - بڑے بڑے مذہبی علما بھی اس چاٹ سے خالی نہ تھے حضرت عمر بن عبد العزیز سے زاہد خشک بھی تو فن نغمہ میں بہت سے سروں کے موجد ہیں مامون کے دربار میں مغنیوں کا ایک بڑا گروہ موجود تھا جنہوں نے علمی اصول و قواعد کے موافق موسیقی کو معراج کمال تک پہونچا دیا - اور جن میں سے مخارق علویہ عمرو بن بانتہ - عقید یحیی مکی - سوسن - زلزل - زرزود - اس فن کے ارکان تسلیم کئے گئے ہیں لیکن اسحق موصلی کی شہرت مقبول کے آگے کسی کو فروغ نہ ہوسکا - اسحق کا باپ ابراہیم - موسیقی کا ایک مشہور اُستاد تھا - اور ہارون الرشید کے دربار میں اپنی خدمت پر دس ہزار درہم ماہوار کا نوکر تھا - اسحق نے فن ادب انساب - روایات - فقہ - نحو میں مجتہدانہ کمال پیدا کیا تھا - یہ عبرت کی جگہ ہے کہ موسیقی کے

---

[1] علامہ ابن خلدون نے مقدمہ تاریخ میں نہایت سختی کے ساتھ مامون وغیرہ کی بادہ نوشی سے انکار کیا ہے لیکن تاریخی سند کوئی پیش نہ کرکے صرف حسن ظن پر تقریر کو طول دیا ہے تاہم نبیذ کا پینا تسلیم کرتے ہیں - ابن خلدون کے تسلیم کرنے والے مجاز ہیں کہ ہماری کتاب میں مامون کی نسبت جہاں شراب کا ذکر آئے وہاں بجائے شراب کے نبیذ پڑھیں ۱۲

[2] صاحب آغانی نے جہاں خلفاء کی ایجادات موسیقی کا ذکر کیا ہے حضرت عمر بن عبد العزیز کا نام بھی لیا ہے ۱۲

انتساب نے تمام معزز خطابوں سے محروم کرکے اس کو مغنی کا "حقیر لقب دلایا۔ جس کی شہرت کو وہ کسی طرح دبا نہ سکا۔ وہ اس نسبت سے نہایت نفرت کرتا تہا مگر قبول عام پر کسی کا زور ہے مامون کو بہی اس بات کا افسوس رہا کہ اسحاق منصب قضا کے قابل تہا لیکن قوالی کی بدنامی نے اس بلند درجے پر پہنچنے نہ دیا تاہم اُس کی عظمت کا اتنا پاس تہا کہ دربار میں اُس کو ندیموں کے زمرے میں جگہ ملتی تہی۔ اس نے یاؤ یہ امتیاز حاصل تہا کہ اُس کو دربار میں فقہا کا لباس پہن کر آنے کی اجازت تہی اس پر بہی قانع نہ ہوا اور مامون سے درخواست کی کہ دراعہ اور سیاہ طیلسان پہن کر جمعہ کے دن مقصورہ[1] میں داخل ہو سکے۔ مامون نے مسکرا کر کہا" اسحٰق" یہ نہیں۔ لیکن میں تمہاری درخواست لاکھ درہم پر خرید لیتا ہوں یہ کہہ کر حکم دیا کہ لاکھ درہم اُس کے گھر پر پہنچا دئے جائیں۔

اسحٰق کا بیان ہے کہ تحصیل کے زمانہ میں مدتوں میرا یہ روزانہ معمول رہا کہ صبح تڑکے ہشیم کی خدمت میں پہنچ کر حدیثیں سنتیں۔ پھر کسائی یا فرا کے پاس جاکر قرآن کا سبق پڑھا۔ اس سے فارغ ہوکر زلزل سے عود بجانے کی مشق کی۔ پھر شہدہ سے دو تین راگ سیکھے۔ سب سے آخر اصمعی اور ابو عبیدہ کی خدمت میں حاضر ہوا کچھ اشعار سُنائے کچھ ادب کے مسائل تحقیق کئے۔ شام کو گھر واپس آیا۔ تو جو کچھ دن بھر سیکھا تہا سب پدر بزرگوار کو سُنا دیا۔ اسی کا بیان ہے کہ میں نے ایک لاکھ درہم مختلف وقتوں میں زلزل کے نذر کئے۔ جب عود بجانا آیا۔ خلیفہ معتصم باللہ اکثر کہتا تہا "اسحٰق جب گاتا ہے تو مجھے جوش مسرت میں یہ خیال ہوتا ہے کہ میری سلطنت میں کوئی نیا ملک اضافہ ہوگیا"

اسحٰق[2] نے موسیقی کے جو اصول و قواعد اپنی تصنیف میں لکھے ہیں وہ یونانی حکما کی تحقیقات سے عموماً مطابق ہیں حالانکہ یہ بات تاریخی شہادتوں سے ثابت ہوگئی ہے کہ اُس کو نہ یونانی زبان آتی تہی نہ ان کتابوں کے ترجمے اُس کی نگاہ سے گذرے تھے اس بات پر تمام اہل فن کو حیرت ہے اور حق یہ ہے کہ اس فن کی تدوین اور ترتیب میں اُس نے فیثاغورث سے کچھ کم کام نہیں کیا۔

ان مغنیوں کے سوا ایک اور طائفہ تہا جس سے مامون کے جلسوں کی زیب و زینت تہی۔ روم والشیا کے کوچک کی گل اندام نازنین جو لڑائی کی لوٹ مار میں پکڑ آتی تہیں۔ دلال اُن کو سستے داموں

---

[1] جامع مسجد میں جہاں بادشاہ نماز ادا کرتا تہا وہ ایک کٹگرہ ہوتا تہا اُس کو عربی میں مقصورہ کہتے ہیں ۱۲

[2] اسحاق و ابراہیم کا نہایت مفصل تذکرہ آغانی میں ملیگا ۱۲

پر خرید لیتے تھے اور موسیقی۔ شاعری۔ ایام العرب۔ ادب۔ خوشنویسی۔ ظرافت۔ حاضر جوابی کی تعلیم دلاتے تھے ان فنون میں کامل ہو کر وہ نہایت گراں قیمتوں پر بازار میں بکتی تھیں۔ مامون کے شبستان عیش میں ان حور وشوں کا ایک بڑا جمگھٹ رہتا تھا جن کی خریداری اور تربیت نے خزانہ عامرہ کو اکثر زیر بار کر دیا تھا۔ ایک بار ایک لونڈی بکنے آئی جس کے فضل و کمال۔ فصاحت۔ ادبیت۔ سخن سنجی کی قیمت بیچنے والے نے دو ہزار دینار طلب کی۔ مامون نے کہا میں ایک شعر پڑھتا ہوں۔ اگر یہ فی البدیہہ اسکے جواب میں دوسرا شعر کہے تو اصل قیمت سے کچھ زیادہ دیتا ہوں شعر یہ تھا۔

ما تقولین فیمن شفه ارقا　　من جهد حبك حتى صار حيرانا

کنیز نے برجستہ پڑھا

اذا وجدنا محبا قد اضر به　　داء الصبابة اولناه احسانا

عریب ایک کنیز جو ہر علم و فن میں یکتائے روزگار تھی اور لاکھ درہم اس کی خریداری میں صرف کیے گئے تھے مامون کی محبوبہ خاص تھی اس نے ہزار راگ ایجاد کیے تھے جن میں سے بعض کا تتبع اسحٰق بھی مشکل کر سکتا تھا۔ عریب کی قابلیت اور کمالات کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ خلیفہ المعتز باللہ عباسی نے جو فن بدیع کا موجد اور عرب کے شعرا کا خاتم ہے عریب کی حالات میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے ایکبار عریب نے مامون سے رنجیدہ ہو کر ملنا چھوڑ دیا۔ قاضی احمد بن ابی داؤد سے مامون نے التجا کی کہ آپ بیچ میں پڑ کر صلح کرا دیجئے۔ عریب نے سنا تو پردہ سے بول اٹھی کہ

یخلط الهجر بالوصال ولا　　یدخل فی الصلح بیننا احد

یعنی وصال میں ہم ہجر کو ملا دیتے ہیں لیکن صلح کرانے کے لیے ہمارے بیچ میں کوئی غیر شخص نہیں پڑ سکتا مامون کی ایک دوسری کنیز جس کا نام بذل تھا فن موسیقی کے مشہور استادوں میں تسلیم کی گئی ہے علی بن ہشام نے اس کی ایک تصنیف کا جو سات ہزار راگوں پر مشتمل ہے۔ دس ہزار درہم صلہ دیا تھا۔ علامہ ابو الفرج اصفہانی نے عریب و بذل کے دلاویز حالات کے لئے اپنی بے نظیر کتاب الاغانی کے بیسیوں صفحے نذر کیے ہیں۔ رنگین طبع ناظرین کو اگر زیادہ دلچسپی ہو تو اس کے صفحے پیش نظر رکھیں اس عہد میں تعلیم یافتہ کنیزیں عموماً امرا و خوشحال لوگوں کی حرم میں داخل تھیں اور چونکہ ان کے حقوق اور معاشرت عملی طور سے ہر خاندان میں اصلی ازواج کے برابر بلکہ بڑھکر تھے اس نے

عورتوں کی تعلیم اور آزادی کا مسئلہ بہت کچھ ان کی بدولت حل ہو گیا تھا۔

مامون کے عیش و طرب کے جلسوں میں گو عیاشانہ رنگینی پائی جاتی ہے۔ مگر انصاف یہ ہے کہ یہ جلسے علمی مذاق سے بالکل خالی بھی نہ تھے اس قسم کے جلسے جو شاعرانہ جذبات کو پورے جوش کے ساتھ ابھار دیتے ہیں۔ اگر متانت و تہذیب کے ساتھ ہوں تو طبیعت پر نہایت وسیع اور عمدہ اثر پیدا کرتے ہیں۔ مامون خود سخن سنج۔ اور موسیقی کا بڑا ماہر تھا۔ یاران مجلس بھی عموماً نازک خیال اور نکتہ شناس تھے بات بات پر شاعرانہ لطیفے پیدا ہوتے۔ کبھی موسیقی کی بحث چھڑ جاتی۔ کسی وقت مامون کے فی البدیہہ مصرعوں یا شعروں پر شعرا کی طبع آزمائیوں کا امتحان ہوتا۔ ایک دن بزم عیش آراستہ تھی۔ بادہ و جام کا دور تھا۔ بیس عیسائی کنیزیں دیبائے رومی کا لباس پہنے۔ گردنوں میں سونے کی صلیبیں کمر میں زنار۔ ہاتھوں میں گلدستے لئے ہوئے بزم میں جلوہ آرا تھیں۔ یہ سماں ایسا نہ تھا کہ مامون دل پر قابو رکھ سکتا۔ بیساختہ چند اشعار زبان سے نکلے اور احمد بن صدقہ ایک مغنی کو بلا کر ان شعروں کے گانے کی فرمائش کی۔ احمد کی نغمہ سرائی کے ساتھ کنیزیں ناچنے کھڑی ہو گئیں۔ ان کی مخمور آنکھیں اور جام شراب مامون کے بدمست کرنے میں یکساں کام دے رہے تھے وہ بالکل سرشار ہو گیا اور حکم دیا کہ ان نازنینوں کے قدم پر تین ہزار اشرفیاں نثار کی جاویں۔ مامون کا چچا ابراہیم جس کے ادعائے خلافت کا حال پہلے حصے میں گذر چکا ہے۔ اور جو موسیقی کا بڑا استاد اور اس فن میں اسحٰق موصلی کی ہمسری کا دعویٰ رکھتا تھا ایک دن بزم عیش میں حاضر تھا۔ مامون کے دائیں بائیں حور وش کنیزیں ایک [illegible] عود بجا رہی تھیں اسحٰق بھی حاضر ہوا اور بیٹھتے کے ساتھ ٹھٹک سا گیا (مامون) کیوں اسحٰق! کوئی بے اصول آواز کان میں آ رہی ہے (اسحٰق) حضور ہاں (مامون) ابراہیم کی طرف مخاطب ہو کر) تم اس سوال [illegible] کیا سمجھے ہو (ابراہیم) نہیں۔ مامون نے اسحٰق کی طرف دیکھا۔ اس نے کہا کہ امیر المومنین [illegible] کہ اس صف میں کسی تار پر غلط مضراب پڑ رہا ہے۔ ابراہیم نے اس طرف کان لگا کر سنا مگر کچھ تمیز نہ ہو سکی اسحٰق نے ایک خاص کنیز کی طرف اشارہ کیا کہ وہ تنہا بجائے اور سب ہاتھ روک لیں اب ابراہیم بھی سمجھ گیا اور اپنی ناواقفیت پر نادم ہوا۔ مامون نے کہا کہ ابراہیم! اسی تاروں کی [illegible] اور [illegible] گونج میں ایک غلط صدا جس کے کان میں کھٹک جائے اور اس کو یقین بتا دے تم اس ہمسری کا کیونکر دعوٰی کر سکتے ہو۔ شاید یہ پہلا دن تھا کہ ابراہیم نے صریح لفظوں میں اسحٰق کی فضیلت کو تسلیم کر لیا۔

دن معتصم باللہ نے مامون کی دعوت کی۔ مکان جو دعوت کے لئے سجایا گیا تہا اُس کی چہت میں جابجا روشندان میں شیشے لگے تھے۔ مجلس میں احمد یزیدی اور سیما ترکی بہی موجود تہا جو معتصم کا پیارا غلام اور حسن وجمال میں یگانہ روزگار تہا۔ آفتاب کا عکس شیشوں سے ہو کر سیما کے چہرے پر پڑا تو عجب کیفیت پیدا ہوئی۔ مامون بیساختہ پکار اٹہا کہ " دیکہنا! آفتاب کا عکس سیما کے چہرے پر پڑ کر سماں دکہلا رہا ہے پہر ایک شعر پڑہا کہ اسی وقت موزوں ہوا تہا۔ پہلا مصرع یہ ہے قد طلعت شمس علی شمس" یعنی آفتاب پر آفتاب چمک رہا ہے " اگرچہ یہ ایک برجستہ لطیفہ تہا۔ تاہم معتصم کو رشک ہوا مامون نے تسکین کر دی کہ رقابت مقصود نہیں۔ صرف یہ ایک فوری اثر کا اظہار تہا۔

مامون کا مذہب

مامون مذہب کے لحاظ سے اس شعر کا مصداق ہے ؎

کسکی ملت میں گنوں آپ کو تبلا اے شیخ　　　تو کہے گبر مجھے گبر مسلماں مجکو

سنی مورخ اس کے محاسن وفضائل کا علانیہ اعتراف کرکے بڑی حسرت سے لکہتے ہیں کہ " افسوس شیعی تہا" شیعہ سخت ناراض ہیں کہ اُس کا تشیع بالکل فریب تہا جس کے ذریعہ سے اس نے حضرت علی رضا علیہ السلام پر قابو حاصل کیا اور پہر زہر دلوا دیا۔ معتزلہ کی تاریخیں موجود نہیں۔ ورنہ یہ دیکہنا تہا کہ اس مقدس فرقے نے اس کو کس لقب سے یاد کیا ہے۔ اصل یہ ہے کہ مامون کے زمانے تک ان فرقوں میں وہ حد فاصل نہیں قائم ہوئی تہی۔ جواب ہے۔ سنی، شیعہ معتزلہ ایک دوسرے ایک دوسرے کے پیچہے نماز پڑہتے تھے۔ سنیوں کے بڑے بڑے پیشوائے مذہبی (امام بخاری وغیرہ) شیعوں سے حدیثیں روایت کرتے تھے۔

بزرگان سلف میں سینکڑوں ایسے گذرے ہیں کہ اگر ان کے مجموعہ عقائد کا شیرازہ کہول دیا جائے تو شیعہ۔ سنی معتزلہ قدریہ ہر ایک کے ہاتھ میں اس کا کچھ حصہ آئے گا۔ عقائد کے لحاظ سے مامون معجون مرکب تہا۔ قرآن کے حادث ہونے کا قائل تہا عام منادی کرا دی تہی کہ جو شخص امیر معاویہ کو اچہا کہے وہ دائرہ اطاعت سے باہر ہے حضرت علی کو تمام صحابہ سے افضل سمجہتا تہا لیکن دور خلفاء سے بہی بداعتقاد نہ تہا اس نے ایک نظم میں حضرت

عثمان وعائشہ کی نسبت بہی اپنا رسوخ اعتقاد ظاہر کیا ہے اس کے خیالات جن کو اب مذہبی اعتقادات کا لقب دیا جاتا ہے۔ مختلف زبانوں کی تعلیم ومعاشرت کے نتائج تھے۔ خاندان برامکہ کی صحبت نے جو اس کی ابتدائی تعلیم وتربیت کے رہنما تہے اُس کو شیعہ پن کے خیالات سکہائے بڑا ہوا تو بہی یہی صحبت رہی فضل بن سہل جو پایۂ تخت کے وزیر اور حکومت کے ارکان اعظم تہے مامون پر ایسے محیط تہے کہ وہ انہیں کی آنکہوں سے دیکہتا تہا اور انہیں کے کانوں سے سنتا تہا یہ دونوں شیعہ تہے۔ اور انکے اقتدار نے کل دربار پر اپنا رنگ جما لیا تہا۔ اخیر میں معتزلی اپنے فضل وکمال کی وجہ سے باریاب ہوئے۔ مامون کی قابل طبیعت نے انکے عقائد کو بہی خیر مقدم کہا اس دوطرفہ کشمکش میں سنیت کا جسقدر حصہ باقی رہگیا وہ صرف خاندان کا قدرتی اثر تہا۔ مامون کے دربار میں۔ ہندو۔ عیسائی۔ یہودی۔ مجوسی ہر ایک مذہب کے عالم اور فاضل تھے وہ سب سے زیادہ فیاضانہ مراعات رکہتا تہا۔ اور کسی کے عقائد اور مذہبی خیالات سے اسکو بحث نہ تہی لیکن تعجب اور افسوس ہے کہ خود اس کے ہم مذہبوں کو ہمیشہ اُس کے تعصبات سے گزند پہنچتا تہا شیعہ پن کے جوش میں ایک بار منادی کرادی۔ متعہ عموماً جائز سمجہا جاوے۔ اگر یہ حکم ذاتی رائے کی صورت میں ہوتا تو شاید کسی کو خیال بہی نہ ہوتا لیکن ایک عام منادی فرمان شاہی کے ہمزبان تہی اور اگر قاضی یحییٰ کے منطقی استدلال سے مامون عاجز نہ آجاتا تو شاید سنیوں کی قسمت بدل گئی ہوتی مامون اس وقت دمشق میں تہا۔ دربار کے تمام علما بہی ساتھ تھے۔ اس وحشت انگیز منادی نے گو تمام شہر کو برہم کردیا لیکن حکومت کی آواز کو کون دبا سکتا تہا۔ جو لوگ مامون کے مزاج داں تھے سمجہ چکے تھے کہ اس پُرخطر موقع پر اگر کوئی شخص اپنی جرأت کا امتحان لے سکتا ہے تو وہ صرف قاضی یحییٰ ہیں درباریوں میں سے دو شخص ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ پہلے سے تیار بیٹھے تھے ان لوگوں سے کہا کہ دربار میں چلئے میں بہی ذرا دیر میں آتا ہوں۔ یہ لوگ پہونچے۔ تو مامون حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول پڑھ رہا تہا "دو متعے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وحضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں تھے میں ان کو حرام کرتا ہوں" ہر لفظ پر اس کا چہرہ غصہ سے متغیر ہوجاتا تہا اور جب ایک پُرغیظ لہجہ میں یہ روایت ختم کرچکا تو نہایت طیش میں آکر کہا اے جُعَل جو چیز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد میں جائز تہی تو کون ہے کہ اُس کو حرام کرے" مامون کو اس طرح برافروختہ دیکہہ کر سب سہم گئے اتنے میں قاضی یحییٰ پہنچے اور گو خود کچہہ نہیں کہا لیکن ان کا مغموم چہرہ ان کے دلی خیالات کو صاف

ادا کر رہا تھا۔ مامون نے انکی طرف مخاطب ہو کر کہا کیوں آپ کا چہرہ کیوں متغیر ہے۔

(قاضی یحییٰ) اسلام میں ایک نیا رخنہ پڑا۔

(مامون) وہ کیا (قاضی یحییٰ) زنا حلال کر دیا گیا (مامون) یہ کیونکر (قاضی یحییٰ) متعہ زنا ہی تو ہے۔

(مامون) کس دلیل سے (قاضی یحییٰ) قرآن مجید کی اس آیت میں اِلَّا عَلٰۤی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ صرف دو قسم کی عورتوں سے تمتع جائز کیا گیا ہے جورو۔ لونڈی۔ کیا ممتوعہ عورت لونڈی ہے (مامون) نہیں (قاضی یحییٰ) پھر کیا زوجہ شرعی ہے۔ کیا اسکو میراث مل سکتی ہے؟ قاضی یحییٰ نے ایک حدیث بھی متعہ کی حرمت میں پڑھی۔ مامون کو اپنی خود رائی پر نہایت افسوس ہوا اور اسیوقت حکم دیا کہ پہلا حکم منسوخ کر دیا گیا[1]۔

مامون اس بات میں بے شبہ نہایت تعریف کا مستحق ہے کہ وہ اعلیٰ درجہ کی فلسفیانہ تعلیم و خیالات کے ساتھ مذہبی عقائد میں نہایت راسخ الاعتقاد تھا۔ فرائض اور اعمال کا سخت پابند تھا۔ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس کو جو سچی ارادت تھی عاشقانہ وارفتگی کی حد تک پہونچ گئی تھی۔ شام کے سفر میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک ملا تو آنکھوں سے لگایا۔ اور جوش محبت کی ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی بار بار آنکھوں سے لگاتا تھا۔ اور روتا جاتا تھا۔ مذہبی جوش ایک بڑی طاقت ہے اور ہمیشہ دنیا میں اس سے عجیب عجیب اثر ظاہر ہوئے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ مامون نے اس قوت سے کوئی عمدہ کام نہیں لیا۔ بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ جس چیز نے اس کی تمام خوبیاں غارت کر دیں۔ وہ یہی مذہبی جنون تھا فلسفے نے اسکو چند عقائد میں معتزلی المذہب بنا دیا تھا جن میں سے قرآن کے حادث ہونے کا مسئلہ اس رسوخ کے ساتھ اس کے دل میں بیٹھ گیا کہ اس کے نزدیک اس مسئلہ سے انکار کرنا گویا اصل توحید سے انکار کرنا تھا ٢١٨ھ میں جب وہ شام کے اضلاع میں مقیم تھا تو اسحٰق خزاعی گورنر بغداد کو ایک فرمان بھیجا جس کا مختصر مضمون یہ تھا۔ امیر المومنین کو معلوم ہوا ہے کہ عموماً تمام مسلمان جو شریعت کی باریکیوں کو نہیں سمجھ سکتے قرآن کے قدم کے قائل ہیں۔ حالانکہ خود قرآن کی متعدد آیتوں سے اس کے خلاف ثابت ہے یہ لوگ بد ترین امم اور ابلیس کی زبان ہیں بغداد کے تمام قاضیوں کو جمع کر کے یہ فرمان سنا دیا جائے اور جو منکر ہو وہ ساقط العدالت مشہور کر دیا جائے۔ مامون کی اس پر بھی تسلی نہیں ہوئی۔ سات بڑے بڑے عالموں کو جو نہایت بڑا اقتدار رکھتے تھے اپنے پاس طلب کیا۔ اور خود روز گفتگو کی۔ یہ سب لوگ اس مسئلہ میں مامون کے خلاف تھے مگر

[1] دیکھو تاریخ ابن خلکان۔ حالات قاضی یحییٰ ابن اکثم ١٢

تلوار سے ڈر سے وہ کہہ سکتے جو ان کا دل نہیں کہتا تھا جب یہ لوگ بھی مامون کے ہمزبان بن گئے تو اس نے اسحق کے نام ایک دوسرا فرمان بھیجا کہ ممالک اسلامیہ کے تمام علماء اور مذہبی پیشواؤں کا اظہار لیا جائے اس حکم کی پوری پوری تعمیل ہوئی اور سب کے اظہار ان کے خاص الفاظ میں قلمبند ہو کر مامون کے پاس بھیجدیئے گئے اسکے جواب میں مامون نے جو کچھ لکھا وہ اسکے جنون مذہبی کا ہذیان تھا تمام محدثین اور فقہا میں سے ایک بھی نہیں بچا جسپر رشوت، چوری، دروغگوئی، بے علمی، حماقت، شرابخوری کا الزام نہیں لگایا تھا۔ فرمان میں یہ چنگیزی حکم بھی تھا کہ جو لوگ اس عقیدہ سے باز نہ آئیں پابزنجیر روانہ کئے جائیں تاکہ میں خود اپنے سامنے اتمام حجت کر کے انکی موت وحیات کا فیصلہ کردوں" اسحق نے یہ فرمان مجمع عام میں پڑھکر سنایا جسکی ہیبت نے بڑے بڑے ثابت قدموں کے عزم کو متزلزل کر دیا اور سب کے سب سچائی اور آزادی کو خیرباد کہکر مامون کے ہمزبان ہو گئے علاوہ قواریری وسجادہ البتہ کسی قدر مستقل رہے مگر جب پاؤں میں بیڑیاں ڈالدی گئیں اور ایک رات اسی سختی میں گذری تو ثابت ہو گیا کہ ان لوگوں کو اپنے عزم واستقلال کی نسبت جو حسن ظن تھا وہ صحیح نہ تھا۔ صرف امام حنبل ومحمد بن نوح اس معرکہ میں ثابت قدم رہے جس کے صلہ میں پابزنجیر ہو کر طرطوس روانہ کئے گئے۔

مامون کو جب یہ معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے اس مسئلہ کو تسلیم کر لیا تھا۔ تقیہ کیا تھا وہ نہایت برافروختہ ہوا اور ان لوگوں کی نسبت حکم دیا کہ آستانہ دولت پر حاضر کئے جائیں۔ ایک جم غفیر جس میں ابوحسان زیادی نضر بن شمیل۔ قواریری۔ ابو نصر تمار۔ علی بن مقاتل۔ بشیر بن الولید وغیرہ شامل تھے۔ پولیس کی حراست میں شام کو روانہ کیا گیا۔ یہ لوگ رقہ تک پہونچ چکے تھے کہ مامون کے مرنے کی خبر آئی جس کا اثر عام مسلمانوں پر جو کچھ ہوا ہو لیکن ان بیکسوں کے لئے تو یہ ایک نہایت جانفزا مژدہ تھا[1]۔

آل

تمام خلفائے بنی العباس کے برخلاف مامون آل علی سے نہایت محبت رکھتا تھا باغ فدک سادات کو واپس دیدیا تھا۔ آل ہاشم کو وظائف بڑے بڑے ملکی عہدے دئے اس عزیزانہ مراعات کو خاندان عباس رشک کی نگاہ سے دیکھتا تھا یحییٰ ابن حسین نے (علویین میں تھے) جب انتقال کیا تو مامون کو ان کے مرنے کا ایسا صدمہ ہوا کہ شاید کبھی نہ ہوا تھا خود انکے جنازہ پر حاضر ہوا اور دیر تک رنج وغم کی وہ حالت اسپر طاری رہی کہ لوگ دیکھکر تعجب کرتے تھے۔ اس واقعہ کے تھوڑے دنوں کے بعد زینب خاتون کا (جو تمام خاندان عباس میں نہایت محترم تھیں) ایک عزیز فرزند مر گیا۔ مامون نے بجائے اسکے کہ جنازہ میں شریک ہوتا۔ یا خود تعزیت کو جاتا صالح

[1] یہ تمام واقعات کامل ابن الاثیر اور تاریخ الخلفاء میں زیادہ تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں ۱۲

کو اپنی طرف سے بھیجا کہ عذر خواہی کے ساتھ ماتم پرسی کر آئے اس بے پروائی نے زینب خاتون کو اسقدر رنج دیا
کہ اُن کو عظمت خلافت کا بالکل خیال نہ رہا اور مامون کی طرف اشارہ کرکے یہ شعر پڑھا

سبکناہ ونحسبہ لجینا ۔۔۔ فابدی الکیر عن خبث الحدید

ترجمہ ہم نے اس کو تپایا تو چاندی خیال کیا تھا لیکن بھٹی نے ظاہر کر دیا کہ زنگ آلود لوہا ہے" پھر
صالح سے کہا کہ مامون سے جاکر کہنا۔
اے مراجل کے لونڈے اگر آج یحییٰ بن الحسین ہوتا تو تو منہ پر دامن رکھکر جنازہ کے پیچھے دوڑتا۔[۲]
یہ عجیب بات ہے کہ مامون کی اس فیاضانہ مراعات کو ہمارے مورخین شیعہ پن کا اثر خیال کرتے
ہیں مامون کو بے شبہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہایت پرجوش اور محبت آمیز عقیدت تھی اسکا لازمی
تھا کہ خاندان نبوت کے ساتھ اسکو دلی اخلاص ہو اس مراعات کا ایک اور سبب تھا جسکو خود مامون نے ایک
موقعہ پر بیان کیا ہے وہ اسنے کہا کہ" ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمان خلافت میں ایک بنی ہاشم کو بھی کوئی
ملکی عہدہ نہیں دیا عمر رضی اللہ عنہ و عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اس خاندان کے ساتھ کچھ فیاضی نہ کی لیکن
علی مرتضیٰ جب ہوئے تو عبداللہ بن عباس کو بصرہ۔ عبیدہ کو یمن معبد کو مکہ۔ قثم کو بحرین کی حکومت دی
اور آل عباس میں کوئی باقی نہیں رہا جسکو حکومت میں کچھ حصہ نہ ملا ہو۔ ہمارے خاندان پر یہ فرض باقی چلا
آتا تھا جس کو اب میں نے ادا کیا ہے۔

معاصر سلطنتیں

ہم مختصر طور پر بتانا چاہتے ہیں کہ جس زمانہ میں مامون دنیا کے بڑے بڑے حصوں پر نہایت عظمت
جلال کے ساتھ حکمرانی کر رہا تھا اسوقت اسکی معاصر سلطنتیں ترقی کے کس پایہ پر تھیں۔
انگلینڈ کا تنگ رقبہ سات چھوٹی چھوٹی حکومتوں میں منقسم تھا جن کے نام یہ ہیں کینٹ سلیکس
سیکس۔ نادمبر لینڈ۔ مرشیا۔ ایسٹ انگلیا۔[۴] یہ سب بادشاہ جن کو رئیس کہنا چاہیے آپس میں لڑتے
رہتے تھے۔ اور جو شخص ان میں کسی قدر غلبہ حاصل کر لیتا تھا اُس کو بادشاہ انگلش کا پر فخر لقب ملتا تھا
۸۲۷ء میں اگبرٹ Egbert بادشاہ وسیکس اپنے تمام حریفوں پر غالب ہوگیا اور قریباً تمام

۱؎ یہ مامون کی کنیز زادہ ہونیکی طرف اشارہ ہے ۱۲ ۲؎ کامل ابن الاثیر ذکر سیرت مامون ۱۲ ۳؎ تاریخ الخلفاء سیوطی ۱۲ ۴؎ ان ناموں کا صحیح تلفظ انگریزی میں یہ ہے

انگلینڈ میں اُس کی فتوحات پھیل گئیں لیکن قبل اس کے کہ وہ اپنے فتوحات کی بنیاد مستحکم کرے ڈینس (Danes) حملہ شروع ہوگیا اگبرٹ نے سنہ ۸۳۶ء میں انتقال کیا۔ جرمن۔ اٹلی۔ ہنگری۔ ایسی چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں جن کے لئے سلطنت کا لقب نہ تہذیب و شائستگی کے لحاظ سے موزوں تہا نہ جمعیت و فتوحات کے اعتبار سے شارلمین شاہنشاہِ فرانس نے سنہ ۸۰۰ء میں ان ریاستوں کو فتح کامل حاصل کرنے کے بعد اپنی حدود حکومت میں داخل کرلیا۔ اور ایک سلطنت اعظم کی بنیاد قائم کی۔ یوروپ کے مورخوں نے اس کی عظمت و شان کا اعتراف کیا ہے اور لکہا ہے کہ اُس نے اپنے معاصر ہارون الرشید اعظم سے دوستانہ راہ و رسم پیدا کی۔ اور سفارت و ہدایا بہیجے۔ فرانس کے مورخوں نے یہ بہی لکہا ہے کہ اس سفارت کے جواب میں ہارون الرشید نے جو شاہانہ تحفے بہیجے اُس میں ایک گہڑی بہی تہی[1] جس کی کمال صنعت پر تمام دربار حیرت زدہ ہوگیا۔ اور فرانس میں گہڑی کا رواج اسی زمانہ سے شروع ہوا۔ عربی تاریخوں میں اس سفارت کا بالکل ذکر نہیں ہے اور اس وجہ سے مسٹر پامر صاحب کا خیال ہے کہ مسلمانوں کی سلطنت چونکہ اُسوقت نہایت عروج پر تہی اسلئے اُس سے فخریہ رابطہ قائم کرنیکے لئے یوروپ میں یہ قصے خود ایجاد ہوگئے۔ شارلمین[2] ایک عرصہ کے بعد انتقال کرگیا اسی کے ساتھ عظمت و سلطنت کا بہی خاتمہ ہوگیا۔

قسطنطنیہ میں میکل اول و میکل دوم و تہیوفلس پسر میکل دوم مامون کے معاصر تھے یہ خاندان اکثر دولت عباسیہ کو خراج کے طور پر کسی قدر سالانہ رقم ادا کیا کرتا تہا۔ بعض تخت نشینوں نے کبہی سرتابی کی مگر عباسیوں نے اپنی قاہرہ فتوحات سے انکو بتا دیا کہ انکے حق میں صلح بہرحال جنگ سے زیادہ مفید ہے۔ ناظرین کو چاہیے کہ اس موقع پر مامون کی فتوحات پر ایکبار اور نظر ڈالیں۔

غرض دنیا میں اُس وقت جتنی سلطنتیں موجود تھیں سلطنت عباسیہ سے کچھ نسبت نہیں رکہتی تھیں لیکن خاندان بنی امیہ جو اسپین میں فرمانروا تہا عباسیہ کا حریف مقابل تہا۔ حکم بن ہشام جو ۱۸۰ھ ہجری میں تخت نشین ہوا اور عبدالرحمن اوسط جو ۲۰۶ھ میں تخت حکومت پر بیٹہا یہ دونوں اموی خلیفہ

(1) Kent (2) Sussex (3) Wessex (4) Essex (5) Nathamber (6) Marecia (7) East anglia.

[1] اس گہڑی کا حال کشف الجناعن فتوح الادما میں تفصیل کے ساتھ لکہا ہے تعجب ہے کہ پہلی ایجاد آجکل کی نہایت اعلیٰ ترقسم کی صنعت کے برابر تہی۔

[2] دیکھو تاریخ ہارون الرشید مصنفہ پامر صاحب مطبوعہ لندن صفحہ ۲۲۰۔

مامون کے معاصر تھے۔ اور اگر وسعت سلطنت کے اعتبار سے نہیں تو فتوحات یوروپ کے لحاظ سے وہ صحیح طور پر مامون کی ہمسری کا دعوےٰ کر سکتے تھے۔ حکم نے فوج کو بہت ترقی دی۔ اور علم کی نہایت قدر دانی کیساتھ سرپرستی کی۔ عبدالرحمن اوسط نے یوروپ پر بہت سی فتوحات حاصل کیں۔ اسپین میں بیشمار مسجدیں بنوائیں۔ خلفائے بنی امیہ میں وہ پہلا تخت نشین ہے جس نے سلطنت کے اصول و قواعد منضبط کئے۔

ارکین دربار اور ملکی عہدے

ہر سلطنت میں بعض اہل دربار اور عہدہ داران ملک اپنے زور لیاقت اور حسن تدبیر سے ایسا اقتدار حاصل کر لیتے ہیں کہ اُن کے کارنامے سلطنت کی تاریخ کا ایک ضروری حصہ بن جاتے ہیں اور اسلئے اُنکے عام حالات زندگی پر بھی ایک اجمالی نگاہ ڈالنا مورخ کا فرض ہو جاتا ہے لیکن اسکے علاوہ ایک بڑا سبب یہ ہے جسکی وجہ سے ہم درباریوں اور عہدہ داروں کا مختصر تذکرہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

خلفائے راشدین کے بعد مسلمانوں میں شخصی حکومت شروع ہو گئی جس کی بنیاد امیر معاویہ نے ڈالی تھی اُس وقت سے آجتک جہاں جہاں اسلامی حکومت قائم ہوئی شخصی اختیارات کے اصول پر قائم ہوئی جس کا ایک لازمی خاصہ یہ تھا کہ فرمانروائے وقت کسی عام ملکی قانون کا پابند نہیں ہوتا تھا۔ شریعت کے مسلّمہ اصول بھی ہمیشہ اُس کی ذاتی خواہشوں کے سانچے میں ڈھالے جاتے تھے اسی طرح اسکے نائبان سلطنت اور عمال اپنے اپنے اختیارات کی حدود تک گویا خود مختار فرمانروا ہوتے تھے اس لئے ہم کو اگر کسی عہد کے امن و انصاف کی نسبت کوئی رائے قائم کرنی ہو تو ضرور ہے کہ سلطان وقت اور عہدہ داران سلطنت کی ذاتی لیاقت اور طریق عمل پر بھی نگاہ ڈالیں۔ مامون کے عمالوں اور عہدہ داروں کے حالات لکھنے سے پہلے مختصر طور پر ہم عہدوں کے تعین اور ان کے فرائض لکھتے ہیں۔

اسوقت بڑے بڑے ملکی عہدے جن پر سلطنت کی بنیاد قائم تھی یہ تھے۔

وزارت۔ کتابت۔ شرطہ (پولیس) قضا۔ عدالت۔ ولایت۔

وزارت سب سے بڑا منصب تھا۔ اور سچ یہ ہے کہ عملی طور سے وزیر اعظم کے اختیارات۔ بادشاہ کے اختیارات سے زیادہ وسیع اور با اثر ہوتے تھے۔

وزارت کے مختلف درجے تھے۔ اور ہر صیغے کے وزیر الگ الگ مقرر تھے۔ مثلاً وزیر القلم۔

وزیرالحرب۔ وزیرالخراج۔ ان سب سے بالاتر وزارت اعظم کا منصب تہا۔ جو ذوالریاستین یعنی وزیرالحرب والقلم کے معزز خطاب سے مخاطب ہوتا تہا۔ اسی رعایت سے اُس کا امتیازی پھریرہ جس پیرے پر آویزاں ہوتا تہا۔ اسکے دو پھل ہوتے تھے۔

کتابت۔ کاتب کا رتبہ عظمت اور رسوخ کے اعتبار سے قریبًا وزیر کے رتبہ کے ہم پلہ تہا وہ تمام فرامین احکام۔ توقیعات۔ سلطنتہائے غیر کے معاہدے اپنی خاص عبارت میں لکہتا تہا جن پر وہ اپنے دستخط مثبت کرتا تہا۔ اور دونوں کناروں پر سُرخ روشنائی سے شاہی مہر لگاتا تہا۔ اس کے علاوہ ان تمام عرضیوں پر جو ہر روز ہر طبقہ اور ہر درجے کے لوگ مختلف مقاصد کے لئے بادشاہ کی خدمت میں بالذات یا بواسطے گذرانتے تھے۔ بادشاہ کی ہدایت سے نہایت مختصر اور بلیغ عبارت میں مناسب احکام لکہتا تہا اس میں اسقدر کمال بہم پہنچایا گیا تہا کہ جعفر برمکی کی عام توقیعات بازار میں ایک ایک اشرفی کو بکتی تھیں اور فن انشا کے شائق بڑے شوق سے مول لیتے تھے۔

قضا۔ قاضی جس کو جج و جسٹس کہا جاسکتا ہے اُس کو فصل مقدمات کے علاوہ یتیموں اور مجنونوں وغیرہ کی جائداد کا انتظام۔ مفلسوں کی خبر گیری۔ وصیتوں کی تعمیل۔ بیوؤں کی تزویج (جب کوئی ولی نہو) اس قسم کے کام سپرد رہتے تھے۔

معدل دفتر قضا سے تعلق رکہتا تہا اُس کے پاس ایک رجسٹر ہوتا تہا جس میں ثقہ اور ساقط العدالت لوگوں کے نام درج ہوتے تھے۔ مقدمات کی پیشی کے وقت گواہوں کے اعتبار و عدم اعتبار کا مدار بہت کچھ اسکے رجسٹر پر ہوتا تہا اسکے علاوہ عام حقوق اور مشتبہ جائدادوں و قرضوں کے کاغذات مرتب رکہتا تہا اور عمومًا دستاویزات کی رجسٹری اسی کے دفتر میں ہوتی تہی یہ بڑی ذمہ داری کا عہدہ تہا اور اس لئے نہایت مشہور با اعتبار اور ثقہ لوگ اس منصب کے لئے انتخاب کئے جاتے تھے۔

محتسب کو ان باتوں کی خبر گیری رکہنی پڑتی تہی بازاروں یا مجامع عام میں کوئی امر خلاف شریعت نہ ہونے پائے جانوروں پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ لادا جائے۔ کشتی میں زیادہ آدمی نہ سوار ہونے پائیں راستہ یا سڑک پر جو مکانات گرنے کے قریب ہوں انکو ان کے مالکوں سے کہکر گروادے جو معلمین لڑکوں پر زیادہ سختی کرتے ہوں انکو سزا دے۔ کوئی شخص ترازو یا پیمانہ وزن سے کم نہ رکہنے پائے محتسب کے ساتھ بہت سے سرکاری پیادے ہوتے تھے اور وہ بازاروں اور گلی کوچوں میں گشت کرتا رہتا تہا۔

ولایت - والی یا عامل - علی اختلاف مراتب - کلکٹر - کمشنر - لفٹنٹ گورنر - اور بعض حالتوں میں گورنر کے برابر ہوتے تھے -

مامون کے دربار میں جو لوگ یکے بعد دیگرے وزارت اعظم کے منصب پر ممتاز ہوئے ان کے نام یہ ہیں فضل بن سہل حسن بن سہل - (یہ دونوں حقیقی بھائی تھے) احمد بن ابی خالد احول ثابت بن یحیی - محمد بن یزداد لیکن وزارت اعظم کا اصلی جاہ و جلال فضل بن سہل کے دم تک قائم رہا - اور شاید اسکی برابر تنخواہ بھی یعنی تیس لاکھ درہم ماہوار کسی اور کو نہیں مقرر ہوئی - اسی بنا پر بعض مورخوں نے خیال کیا ہے کہ فضل کے بعد یہ عہدہ توڑ دیا گیا - اور حسن وغیرہ جو وزرا مشہور ہیں دراصل کاتب کا منصب رکھتے تھے -

مامون کے وزرا

فضل - نسبًا و مذہبًا مجوسی تھا اور ۱۹۰ھ ہجری میں مامون کے ہاتھ پر اسلام لایا تھا جعفر برمکی نے ہارون الرشید کی خدمت میں اس تقریب سے اس کو پیش کیا کہ شہزادہ مامون کی مصاحبت کے لائق ہے لیکن جب ہارون نے امتحانًا دربار میں طلب کیا تو شاہانہ عظمت و جلال کا ایسا اثر ہوا کہ فضل حیرت زدہ رہ گیا اور آداب سلام کے معمولی الفاظ بھی ادا نہ کرسکا - ہارون نے متعجبانہ جعفر کی طرف دیکھا فضل نے بڑھ کر عرض کی امیر المومنین ! غلام کی سعادت کی یہ بڑی دلیل ہے کہ آقا کی ہیبت سے متاثر ہوا" ہارون پھڑک اٹھا - اور جعفر کے انتخاب کی تعریف کی - فضل شہزادگی کے زمانے میں مامون کا ندیم خاص رہا - اور چونکہ ابتدا میں اسی کے پر زور ہاتھوں نے خلافت کی کشتی ڈوبنے سے بچالی تھی - مامون پر نہایت محیط ہوگیا تھا اور دربار میں کسی شخص کو اس کی مخالفت کا یارا نہ تھا - اس خود پرستی کے سوا فضل میں اور تمام خوبیاں تھیں نہایت فیاض - مدبر - فرزانہ - علم دوست تھا -

فضل (اسکی تنخواہ تیس لاکھ درہم ماہوار تھی)

بڑے بڑے مشہور شعرا مثلاً صریع الغوانی - ابراہیم صولی - ابو محمد جو فن انشا کے بڑے ترقی دینے والے تھے اس کے دربار میں حاضر رہتے تھے - چونکہ فیاضی کے ساتھ عام طور پر حاجت روائے خلق تھا ہر روز حاجتمندوں کا ایک بازار لگا رہتا تھا چنانچہ اس نے گھبرا کر ثمامہ بن اشرس سے کہا میں ان لوگوں سے نہایت تنگ آ گیا ہوں " ثمامہ نے کہا آپ جس پایہ پر ہیں اس سے اتر آئیں تو ایک شخص بھی آپکو تکلیف دینے نہ آئے گا - اس موثر فقرے نے اسکی فیاضی کو پہلے سے بہت زیادہ کر دیا -

ایک شخص نے اس کو ایک رقعہ لکھا جس میں کسی کی چغلی کھائی تھی فضل نے اس کے حاشیہ پر لکھ دیا

سلہ ان تمام عہدوں کی تفصیل مقدمہ ابن خلدون میں مسرفانہ طور سے لکھی ہے ۱۲

کہ میں غمازی کے قبول کرنے کو غمازی سے بدتر سمجھتا ہوں کیونکہ غماز صرف راستہ بتاتا ہے اور قبول کرنے والا خود اس پر چلتا ہے۔ فضل علم نجوم کا بہت بڑا ماہر تھا۔ نجوم کا علم مصطلح معنوں میں صحیح ہو یا غلط۔ مگر فضل کی چند پیشین گوئیاں تاریخی شہادتوں سے ایسی صحیح ثابت ہو گئی ہیں کہ حسن اتفاق کی اس سے عجیب تر مثال نہیں ملسکتی۔ ۲۰۲ھ میں مامون کے اشارے سے قتل کیا گیا اس کے اسباب میں ایک صندوق نکلا جس میں ایک حریر کے ٹکڑے پر یہ عبارت اس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی "بسم اللہ الرحمن الرحیم"، فضل نے اپنی نسبت یہ فیصلہ کیا ہے کہ اڑتالیس برس زندہ رہیگا۔ پھر آگ اور پانی کے درمیان قتل کیا جاویگا" چونکہ وہ حمام میں مارا گیا تھا اسلئے اسکی یہ پیشینگوئی پورے طور سے صحیح تسلیم کی گئی[1]۔

حسن بن سہل پہلے فارس۔ اہواز۔ بصرہ۔ کوفہ۔ یمن کا گورنر مقرر ہوا تھا فضل کے قتل ہونے کے بعد وزارت کے منصب پر ممتاز ہوا اس کی قدر شناسی اور فیاضیوں کے فسانے عموماً مشہور ہیں۔ بوران اپنی بیٹی کی شادی جس شان و شوکت سے کی اسکو مامون کے حالات میں دیکھنا چاہیے۔

نہایت فصیح و بلیغ اور نکتہ شناس تھا اس کے دلاویز فقرے اور پر زور بلند تحریریں ادب کی تصنیفات میں اکثر مثالاً پیش کی گئی ہیں۔

عام لوگوں کے ساتھ نہایت لطف و محبت سے پیش آتا تھا اور دادخواہوں کے حال پر ازبس توجہ کرتا تھا۔ لوگوں کی سفارش کرنے پر اور تقصیرات کے معاف کرانے میں اس کو ایک عجیب دلچسپی تھی۔ ایک شخص نے کچھ جرم کیا تھا حسن نے اس کی شفاعت کا رقعہ لکھدیا وہ نہایت شکر گذار ہوا اور احسانمندی کے جوش میں دیر تک شکریے کے الفاظ ادا کیے حسن نے کہا "شکر گذاری کی کیا بات ہے۔ شفاعت کرنا ہم لوگ جاہ و عزت کی زکوٰۃ سمجھتے ہیں"، وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ قیامت میں جس طرح مال کی زکوٰۃ سے سوال ہوگا قدر و منصب کی زکوٰۃ کی بھی پرسش ہوگی"۔

افسوس ہے کہ حسن نے وزارت سے کچھ زیادہ عرصہ تک حظ نہیں اٹھایا۔ فضل کے قتل کا اس کو ایسا صدمہ پہنچا تھا کہ رات دن کے رونے اور فریاد کرنے سے مختل الحواس ہو گیا۔ اور آخر یہانتک نوبت پہنچی کہ پاؤں میں بیڑیاں پہنائی گئیں ۲۳۶ھ میں بمقام سرخس وفات کی۔

احمد بن ابی خالد احول۔ حسن بن سہل کی درخواست پر اس کا قائم مقام مقرر ہوا تھا مامون نے جب

---

[1] فضل اور حسن کے حالات تاریخ ابن خلکان میں کسی قدر تفصیل سے مذکور ہیں ۱۲

اسکو مستقل کرنا چاہا تو اُس نے انکار کیا۔ اور کہا کہ جو خدمت مجھ سے لی جائے میں حاضر ہوں لیکن وزارت کے لقب سے معاف رکہا جاؤں مامون نے چونکہ اُس کی لیاقت کا اندازہ کر لیا تہا یہ درخواست قبول نہ کی اور خلعت وزارت عطا کیا۔ احمد نے نہایت لیاقت اور عظمت وشان کے ساتھ وزارت کی مامون بہی اسکی نہایت عزت کرتا تہا ایک بار کسی نے عرضی دی کہ وزیر اعظم احمد کہانے کا بہت شائق ہے اور جس کی دعوت کہا لیتا ہے مقدمات میں خلاف انصاف اُس کی طرفداری کرتا ہے،، مامون نے اس شکایت پر اگر کچھہ کیا تو یہ کیا کہ تنخواہ کے علاوہ ہزار درہم روزانہ احمد کے دسترخوان کے لیے مقرر کر دیئے[1] احمد کی وزارت ختم ہونے کے ساتھ مامون کی خلافت کا زمانہ بہی قریباً ختم ہوتا ہے باقی اور لوگ جو برائے نام وزیر کہلائے انکی چند روزہ اور گمنام وزارت کوئی تاریخی اثر نہیں رکہتی اور اسلیئے انکے حالات سے اگر ہم قطع نظر کریں تو شاید ناموزوں نہ ہوگا۔

کتابت مامون کے دربار میں جو لوگ اس معزز منصب پر مقرر ہوئے اپنے فن میں بےمثل و یگانہ روزگار تھے عمرو بن مسعدت المتوفی سنہ ۲۱۷ھ بہت بڑا نامور فاضل تسلیم کیا گیا ہے بڑے سے بڑے مضمون کو مختصر لفظوں میں اس خوبی سے ادا کرتا تہا کہ مضمون کا اصلی اثر اور زور پورا قائم رہتا تہا۔ احمد بن یوسف کا بیان ہے کہ ایک بار میں مامون کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ ایک خط پڑھہ رہا تہا اور عجیب محویت کے عالم میں تہا۔ بار بار پڑہتا تہا اور چومتا تہا۔ ہاتھہ سے رکھہ دیتا تہا اور پھر اٹھا لیتا تہا مجھہ کو دیکہا تو کہا ،، امیر المومنین ہارون الرشید فرمایا کرتے تھے بلاغت اس کا نام ہے کہ نہایت مختصر لفظوں میں مطالب ادا ہو اور مضمون کا اصلی زور اور اثر قائم رہے۔ امیر المومنین نے جو فرمایا تہا اس خط نے آنکہوں سے دکھا دیا،، یہ کہہ کر مامون نے خط کی عبارت پڑھہ کر سنائی جو فوج کی باقی تنخواہ کی نسبت ایک شکایت آمیز عرضی تہی۔ خط کے خاص الفاظ یہ ہیں کتابی الی امیر المومنین ومن قبلی من الاجناد والقواد فی الطاعة والانقیاد علی احسن ما یکون علیہ طاعة جند تاخرت عطیاتہم واختلت احوالہم،، یعنی میں امیر المومنین کو خط لکھہ رہا ہوں اور فوج وافسران فوج اطاعت وانقیاد کے اس عمدہ تر درجے پر ہیں جہاں تک ایک ایسی فوج کا ہونا ممکن ہے جسکی تنخواہیں نہ ملی ہوں اور تباہ حال ہو رہی ہو[2] مامون کا دوسرا کاتب احمد بن یوسف فن بلاغت میں اس درجہ کا مسلم الثبوت استاد تہا کہ اس زمانہ میں فضل وکمال کی اس ترقی کے ساتھہ بہی کوئی شخص اسکی ہمسری کا دعوی نہیں کرسکتا تہا طاہر بن الحسین

---

[1] دیکہو تاریخ الخلفا سیوطی ۱۲ [2] زہر الآداب مصنفہ علامہ ابو اسحق حصری ۱۲

نے مامون کو امین کے قتل کا جو خط لکھا تھا اور جو اختصار و حسن ادا بلند خیالی کے لحاظ سے ضرب المثل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے اسی احمد بن یوسف کا نتیجہ طبع تھا۔ وزیر اعظم احمد احول اکثر مامون کے سامنے اس (احمد بن یوسف) کاتب کا تذکرہ نہایت تعریف کے ساتھ کیا کرتا تھا چنانچہ مامون نے اُسکو دربار میں طلب کیا۔ احمد نے آداب و تسلیم کے بعد اس فصاحت و لطافت سے گفتگو کی کہ مامون حیران رہ گیا اور کہا "کمال تعجب ہے کہ احمد آجتک اپنے کو چھپا کیونکر سکا" علامہ ابو اسحق حصری نے زہر الاداب میں بہت سے اسکے لطیف اور فصیح و بلیغ خطوط و اشعار نقل کئے ہیں ہم اس موقع پر صرف ایک شعر پر اکتفا کرتے ہیں۔ شعر

اذا ما التقينا والعيون نواظر ‖ فالسنتنا حرب وابصارنا سلم

ترجمہ جب ہم محبوب سے ملتے ہیں تو زبانیں لڑتی ہیں
(یعنی باہم شکایت کے دفتر کھولتے ہیں) اور نگاہیں صلح کر لیتی ہیں

قضاۃ ممالک محروسہ میں قضاۃ کا جو بہت بڑا محکمہ تھا اُس کا صدر مقام دار الخلافہ بغداد تھا اور افسر صدر۔ قاضی القضاۃ کے لقب سے مخاطب ہوتا تھا اس بلند منصب پر یکے بعد دیگرے دو شخص ممتاز ہوئے۔ یحیی بن اکثم و احمد بن ابی داود یحیے ابن اکثم حکومت کی عظمت و جاہ کے ساتھ پیشوائے مذہبی تسلیم کئے گئے ہیں اُن کی جلالت و شان کے لئے یہ امر کافی ہے کہ امام بخاری و ترمذی فن حدیث میں انکے شاگرد تھے۔ قاضی یحیی کے ذاتی کمال اور پولٹیکل لیاقت نے ان کو وزیر اعظم کے رتبہ تک پہنچا دیا تھا دفتر وزارت کے تمام کاغذات پہلے ان کی نگاہ سے گذر لیتے تھے تب سند قبول پاتے تھے ان کی تقرری کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ مامون نے ایک خالی شدہ عہدہ قضا پر کسی کو مقرر کرنا چاہا۔ امیدواروں میں یہ بھی پیش کئے گئے اور چونکہ کریہ منظر تھے۔ مامون نے حقارت آمیز نگاہ سے ان کی طرف دیکھا یہ سمجھ گئے اور عرض کی کہ اگر میری صورت سے غرض ہے تو خیر۔ ورنہ اصلی لیاقت کا حال امتحان سے معلوم ہو سکتا ہے" مامون نے امتحاناً پوچھا کہ "ایک میت نے والدین اور دو بیٹیاں چھوڑیں۔ پھر ایک بیٹی مری اور وہی پہلے ورثار باقی رہے ترکہ کیونکر تقسیم ہوگا" یحیی نے کہا "میت مرد ہے یا عورت" مامون اس سوال ہی سے سمجھ گیا کہ قاضی یحیے نے اصل مسئلہ سمجھ لیا ہے۔ جب یہ بصرہ کے قاضی مقرر ہو کر گئے تو ان کا سن کل بیس برس کا تھا۔ لوگوں نے ان کی کمسنی سے تعجب کیا۔ اور ایک شخص نے خود ان سے پوچھا کہ "حضور کی عمر کس قدر ہے" انہوں نے جواب دیا کہ "عتاب بن اسید کی عمر سے زیادہ جن کو رسول اللہ صلعم نے

کہ بغطلہ کا قاضی مقرر کیا تھا زیادہ ہے"۔ متعہ کی نسبت انہوں نے مامون سے گفتگو کی تھی اس کو ہم مامون کے حالات میں لکھ آئے ہیں مامون کمال قدردانی سے ان کو خود اپنے تخت پر جگہ دیتا تھا۔ فقہ میں ان کی تصنیفات نہایت اعلےٰ رتبہ کی ہیں۔ فقہائے عراق کے رد میں انکی ایک کتاب جس کا نام تنبیہ ہے ایک مشہور کتاب ہے[۵]۔

لطیفہ قاضی یحییٰ کسی قدر حسن پرستی کا چسکا بھی رکھتے تھے۔ ایک بار مامون نے امتحاناً چند خوبصورت اور پری پیکر غلاموں کو حکم دیا کہ جب میں اٹھ جاؤں تو تم لوگ قاضی صاحب کو چھیڑو۔ غلام شوخیاں کرنے لگے تو قاضی صاحب نے انکی طرف حسرت آمیز نگاہ سے دیکھا اور کہا "ظالمو تم نہ ہوتے تو ہم لوگ پکے مسلمان ہوتے۔ مامون پردے سے یہ گفتگو سن رہا تھا یہ شعر پڑھتا ہوا باہر نکلا۔

وکنا نرجی ان نری العدل ظاهرا — فاعقبنا بعد الرجاء قنوط
متی تصلح الدنیا ویصلح اهلها — وقاضی قضاة المسلمین غلوط

لطیفہ مامون کے زمانے میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ مامون نے قاضی یحییٰ سے کہا آؤ چپکے چل کر اس کا حال دریافت کریں۔ دونوں معمولی لباس پہن کر اس کے پاس گئے اور پوچھا آپ کا معجزہ کیا ہے۔ اس نے کہا "مجھ کو خدا کی طرف سے الہام ہوتا ہے" مامون نے کہا اس وقت بھی کوئی وحی اتری ہے۔ اس نے کہا ہاں "یہ الہام ہوا کہ دو شخص تم سے ملنے آتے ہیں ایک بادشاہ ہے اور دوسرا انتہا درجہ کا شاہد باز"۔ مامون بیساختہ ہنس پڑا۔ اور چلا اٹھا واللہ اشہد انک لرسول اللہ۔ ان باتوں کو ان بزرگوں کی بے تکلفی اور رنگین طبعی کا اقتضا سمجھنا چاہیے ورنہ قاضی صاحب کے زہد اور اتقا و ورع میں کس کو کلام ہو سکتا ہے۔ اس بحث کے متعلق ابن خلدون نے جو لکھا ہے نکتہ سنجی کی داد دی ہے۔ قاضی یحییٰ نے ۲۴۲ھ میں ۸۳ برس کی عمر میں انتقال کیا۔

قاضی القضاۃ احمد بن ابی داؤد نہایت بڑے فقیہ، اصولی متکلم شاعر تھے دعبل خزاعی نے جو مامون کے عہد کا مشہور شاعر ہے۔ کتاب الشعراء میں ان کا ذکر کیا ہے ایک دن قاضی ابن اکثم کے یہاں فقہاء، علماء کا مجمع تھا یہ بھی اس جلسہ میں موجود تھے کہ شاہی چوبدار آیا۔ اور کہا کہ امیرالمومنین مامون نے قاضی صاحب کو مع تمام حاضرین دربار میں طلب کیا ہے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ قاضی احمد کو

---

[۵] قاضی یحییٰ کا مفصل تذکرہ تاریخ ابن خلکان میں ملیگا ۱۲

دربار میں رسائی ہوئی مامون نے ان سب سے علمی بحثیں کیں قاضی احمد کی باری آئی تو ان کی برجستگی اور طباعی سے متعجب ہو کر نام و نسب پوچھا اور حکم دیا کہ آج سے علمی مجلسوں میں ہمیشہ شریک ہوا کریں قاضی احمد سے پہلے دربار کا یہ آئین تھا کہ جب تک خلیفہ خود کوئی بات نہ چھیڑے کوئی شخص گفتگو کا مجاز نہیں تھا قاضی احمد پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے اس جابرانہ قاعدہ کو توڑا۔ اور حق یہ ہے کہ جس آزادی اور دلیری سے وہ اپنے فرائض ادا کرتے تھے شخصی حکومتوں میں اس کی بہت کم مثالیں مل سکتی ہیں۔ خلیفہ معتصم[1] باللہ کی سطوت و قہر سے تمام دربار کانپتا تھا۔ مگر قاضی احمد جو چاہتے تھے کہتے تھے اور معتصم کو سننا پڑتا تھا معتصم نے جب برمکی کے قتل کا حکم دیا تو دربار میں سناٹا ہو گیا۔ اور اُس کی غضبناک صورت دیکھ کر سب کے حواس جاتے رہے۔ محمد برمکی چمڑے پر بٹھا یا گیا۔ اور جلاد نے تلوار کو جنبش دی۔ قاضی احمد نے بڑھ کر کہا آپ قتل تو کرتے ہیں مگر اس کے مرنے کے بعد اُس کا مال و اسباب آپ کیونکر لے سکتے ہیں" معتصم نے نہایت طیش میں آکر کہا "مجکو اس کے مال لینے سے کون روک سکتا ہے۔ قاضی احمد نے کہا خدا اور اس کا رسول" کیونکہ شرعاً مال وارث کو مل سکتا ہے اور جب تک آپ اس کے قتل کو جائز نہ ثابت کر دیں وارث وراثت سے محروم نہیں ہو سکتا،، قاضی احمد نے یہانتک مجبور کیا کہ معتصم آخر اس ارادے سے باز رہا۔

اکثر ایسا ہوتا تھا کہ معتصم قاضی احمد کو آتے دیکھ کر درباریوں سے کہتا تھا کہ قاضی صاحب آکر دنیا بھر کی سفارشیں اور لوگوں کی درخواستیں پیش کریں گے میں ہرگز ان کی سب خواہشیں منظور نہیں کر سکتا لیکن وہ اپنے زور تقریر اور حسن ادا سے جو کچھ چاہتے تھے منظور کر لیتے تھے مذہباً معتزلی تھے ۲۳۷ھ میں خلیفہ متوکل باللہ نے ان کو عہدہ قضا سے معزول کیا اور ان کی اولاد سے ایک لاکھ ساٹھ ہزار اشرفیاں تاوان کے طور پر وصول کیں ۲۴۱ھ میں ان کا انتقال ہوا[2]۔

گورنر و لفٹننٹ عاملوں کے طبقہ میں سے خاص خاص شہر کے عامل و والی جو کلکٹر کے مساوی الرتبہ کہے جا سکتے ہیں بیشمار تھے۔ اور گو ہم ان کا مفصل رجسٹر نہیں مرتب کر سکتے۔ تاہم جہانتک ہم معلوم کر سکتے ہیں اس سلسلے میں غیر مذہب والے بہت کم داخل تھے بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ بالکل نہیں تھے

---

[1] مامون کا بھائی تھا اور اس کے بعد تخت خلافت پر بیٹھا۔ بڑی عظمت و اقتدار سے حکومت کی۔ خاندان عباسیہ کی قوت اور عظمت جسکے فسانے مشہور ہیں اسی کے عہد تک قائم رہی پھر خلافت برائے نام رہ گئی تھی ۱۲

[2] علامہ دانشوران ناصری و تاریخ ابن خلکان میں قاضی احمد کا نہایت مفصل تذکرہ ہے ۱۲

جس کی وجہ یہ ہے کہ اس عہدے کے ساتھ عموماً فوجی خدمت شامل ہوتی تھی اور دوسرے مذہب والے اس خدمت کو پسند نہیں کرتے تھے یا مسلمانوں کو خود ان پر اعتماد نہیں ہوتا تھا۔ قدیم اسلامی حکومتوں میں عیسائی۔ یہودی وغیرہ قوموں کو جو عہدے ملتے تھے وہ زیادہ تر دفتر خراج و خزانہ و سررشتہ و کتابت کے عہدے تھے۔

اس عہد تک مسلمانوں میں اس قدر آزادی کا اثر باقی تھا کہ صوبے یا ضلع کا والی جابرانہ حکومت کرنا چاہتا تھا تو عام رعایا علانیہ ناراضی کا اظہار کرتی تھی۔ اور اگر وہ باز نہیں آتا تھا تو متفق ہو کر اسکو نکال دیتی تھی ۱۹۱ھ میں جب عبداللہ (ایک عباسی شہزادہ تھا) مصر کا گورنر ہو کر گیا اور رعایا پر سختی کی تو لوگوں نے ہنگامہ برپا کر دیا اور نہایت ذلت کے ساتھ مصر سے اسکو نکال دیا مامون کی تاریخ خلافت میں اس قسم کی اور بہت سی مثالیں موجود ہیں۔

مامون کے عہد میں جو لوگ لفٹننٹ یا گورنر مقرر ہوئے ان میں طاہر بن الحسین سری بن الحکم عبداللہ بن السری۔ عبداللہ بن طاہر حسن بن سہل۔ نہایت نامور اور مدبر تھے اور خصوصاً طاہر کا خاندان تو اقتدار کے اس درجہ کو پہونچ گیا تھا کہ مامون کے بعد خراسان میں مستقل حکومت کی بنیاد قائم کر لی۔ عبداللہ بن طاہر شجاعت اور تدبیر کے علاوہ نہایت بڑا ادیب محدث۔ شاعر موسیقی دان تھا اسکی فیاضیوں کے سامنے مامون کی دریا دلی بھی کچھ حقیقت نہیں رکھتی جس زمانہ میں وہ مصر کا گورنر تھا ایک دن کوٹھے پر چڑھا۔ دیکھا کہ لوگ کھانا پکانے کے لئے آگ جلا رہے ہیں۔ حکم دیا کہ سب کے لیے کھانا کپڑا مقرر کر دیا جاوے یہ کل ہزار آدمی تھے اور جب تک عبداللہ زندہ رہا ان لوگوں کو اس کی سرکار سے وظیفہ ملتا رہا۔ مصر داخل ہونے سے پہلے راہ میں جس قدر اس نے خیرات کی اس کا اندازہ ایک کروڑ درہم سے زیادہ کیا گیا۔ ابو تمام طائی جس کی کتاب الحماسہ آج دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اسی کے دربار کا شاعر تھا۔ تمام خاندان شاہی اس کی (عبداللہ بن طاہر کی) نہایت عزت کرتا تھا۔ ۲۱۱ھ میں جب وہ اس سامان سے بغداد میں داخل ہوا کہ شام موصل وغیرہ میں جن لوگوں نے علم بغاوت بلند کئے تھے پابزنجیر اس کے جلو میں ساتھ تھے۔ تو تمام بغداد و خاندان خلافت اور خود معتصم باللہ اس کے استقبال کو نکلا۔

مرنے سے پہلے بیس لاکھ درہم خرچ کر کے غلام آزاد کرائے ان تمام مصارف پر جب مرا تو چار کروڑ

درہم خاص اُسکے خزانہ میں موجود تھے۔[1]

مامون کے وقت کے اہل کمال

مورخ کا یہ ضروری فرض ہے کہ جس عہد کا حال لکھے اُس زمانہ کے اہل فضل و کمال کا بھی تذکرہ کرے جس سے ملک کی تہذیب و ترقی اور فرمانروائے وقت کی علمی فیاضیوں کا اندازہ ہوسکے لیکن بغداد کی تاریخ میں اس فرض کو اگر کوئی ادا کرنا چاہے تو اصل کتاب کے علاوہ کئی جلدیں تیار کرنی پڑینگی مامون کا دربار اکبر و شاہجہانی دربار نہیں ہے کہ دانش اندوزان دولت کے لئے آئین اکبری و شاہجہاں نامہ کے چند صفحے کافی ہوں۔

مامون کی حکومت بغداد سے لیکر شام۔ افریقہ۔ ایشیائے کوچک۔ ترک تاتار۔ خراسان۔ ایران سندھ تک پھیلی ہوئی ہے۔ اور ایک ایک شہر بلکہ ایک ایک قصبہ میں علمی کارخانے کھُلے ہوئے ہیں جنکا صدر مقام اور اصلی مرکز دارالخلافہ بغداد ہے۔

اس زمانہ کی وسعت تعلیم کا اس حکایت سے اندازہ ہوگا کہ جب علامہ نضر بن شمیل نے مامون کی قدر دانی کا شہرہ سنکر بصرہ سے خراسان جانے کا قصد کیا تو ان کی مشایعت کے لئے جو لوگ شہر سے نکلے ان کی تعداد قریباً تین ہزار تھی۔ جن میں سے ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو محدث یا نحوی یا لغوی یا عروضی یا اصولی کے معزز لقب سے ممتاز نہ ہو۔[2] امام بخاری اسی زمانہ میں موجود تھے۔ ان کی کتاب جامع صحیح خودان سے جن لوگوں نے پڑھی وہ تعداد میں نوّے ہزار سے کم نہ تھے۔

تاریخ میں اگر کوئی زمانہ اہل کمال کے پیش کرنے پر ناز کرسکتا ہے تو مامون کا عہد حکومت اس فخر میں سب سے مرجح ثابت ہوگا۔ فقہاء و محدثین میں سے یحییٰ ابن معین امام بخاری محمد بن سعد صاحب واقدی۔ ابن علیہ سفیان بن عیینہ۔ عبدالرحمن بن مہدی۔ یحییٰ القطان۔ یونس بن بکیر۔ ابو مطیع البلخی شاگرد امام ابوحنیفہ۔ اسحٰق بن الفرات۔ قاضی مصر حسن بن زیاد اللولوی شاگرد امام ابوحنیفہ حماد بن اسامہ۔ حافظ بن ہشام۔ روح بن عبادہ۔ ابو داؤد الطیالسی۔ عبادی بن قیس

---

[1] نجوم ظاہرۃ فی تاریخ مصر القاہرہ میں عبداللہ بن طاہر کا مفصل ترجمہ لکھا ہے علامہ ابوالفرج اصفہانی نے عبداللہ کی لیاقت علمی نکتہ سنجی موسیقی دانی کے متعلق جو واقعات لکھے ہیں انہیں اسکے فضل و کمال کا اندازہ ہوسکتا ہے ۱۲ [2] تاریخ ابن خلکان۔ تذکرہ علامہ نضر بن شمیل ۱۲

شاگرد امام مالک امام واقدی ابوحسان زیادی - محمد بن نوح العجلی - علی بن ابی مقاتل - یہ لوگ ہیں کہ آج مذہبی علوم کے ارکان انہیں کی روایتوں پر قائم ہیں اور خصوصاً امام شافعیؒ و امام احمد حنبلؒ کا تو وہ پایہ ہے کہ اسلامی دنیا کے بڑے بڑے حصوں میں انہیں کے اجتہادی مسائل گیارہ سو برس سے آجتک مذہبی قانون بنے ہوئے ہیں - ان تمام فقہا و محدثین کی تصنیفات - مامون کے عہد خلافت کی وہ علمی یادگاریں ہیں جن کی نظیر کوئی دوسرا زمانہ مشکل لا سکتا ہے -

ابوہذیل و ثمامہ بن اشرس جو مامون کے مقرب خاص اور ندیم تھے - فرقہ ہذلیہ اور ثمامیہ کے بانی ہیں - ابوہذیل نے مذہب اعتزال میں دس نئے اصول اضافہ کئے جن میں سے ایک یہ ہے کہ جو شخص غور کرنے کے بعد خدا کو نہ جان سکا - اگر خدا کا انکار کرے تو معذور ہے اور اسپر عذاب نہوگا عیسائیوں میں فرقہ نسطوریہ کا جو بانی ہے وہ مامون ہی کے عہد خلافت کا ایک نامور حکیم تھا جسکا نام نسطور تھا۔

اس عہد میں خیالات کی وسعت اور متعدد بانیان مذہب کا پیدا ہونا زیادہ تر اس آزادی کا اثر تھا - جو مامون نے مذہبی خیالات کے ظاہر کرنے میں عام لوگوں کو دے رکھی تھی - کیونکہ بجز ایک مسئلہ "خلق قرآن" کے اس نے مذہبی آزادی کو کبھی روکنا نہ چاہا وہ خود معتزلی یا شیعی تھا لیکن اسکے دربار میں قدری و جبری اور تمام دوسرے مذہب والے بھی نہایت عزت و وقار کے ساتھ بار پاتے تھے اس کی شاہانہ فیاضیاں ہر فرقہ پر ایک نسبت کے ساتھ مبذول رہتی تھیں -

مامون کے دربار میں فلسفہ و نجوم کے ماہروں اور کتب حکمت کے مترجموں کا جو گروہ تھا ان میں سے مشہور لوگ یہ ہیں حنین بن اسحاق عیسائی - بیسوع عیسائی - قسطا بن لوقا عیسائی - یوحنا ماسویہ عیسائی - بن البطریق عیسائی - یعقوب کندی عیسائی - ماشاء اللہ یہودی دوبان ہندو - جبرئیل کحال - حجاج بن یوسف کوفی - ابوحسان سلا مہتمم بیت الحکمۃ - ابوجعفر یحیٰے بن عدی - محمد بن موسیٰ منجم - محمد بن موسیٰ خوارزمی محمد بن موسیٰ - حسن بن موسیٰ - احمد بن موسیٰ علی بن العباس - احمد الجوہری یحیٰے بن ابی المنصور - حجاج بن المطر - حبش الحاسب - احمد بن کثیر - فرغانی مصنف مدخل الی علم ہیئۃ الافلاک - عبد اللہ بن سہل بن نوبخت - سہل بن ہارون - خالد بن عبد الملک المروزی

ﻟﮧ میں نے یہ روایت عبد الکریم شہرستانی کی کتاب ملل و نحل سے نقل کی تھی لیکن تحقیق سے معلوم ہوا کہ نسطور اسلام سے پہلے گذرا ہے ابن الاثیر نے عبد الکریم پر تعجب کیا ہے کہ اس نے ایسی مذہبی غلطی کی ہے

سند بن علی عاص بن سعید الجوہری اکثر مترجموں کی تنخواہیں آجکل کے حساب سے ڈہائی ہزار روپیہ ماہوار تھیں عبداللہ بن سہل نجوم میں۔ اور یحییٰ بن المنصور علم رصد میں نام آور تھے۔ موسےٰ بن شاکر اوائل میں رہزنی کیا کرتا تہا۔ پھر توبہ کی اور دربار میں داخل ہوا اُس نے تین صغیر بیٹے چھوڑے مامون نے اُن کی تربیت اور پرداخت اسحٰق بن ابراہیم مصعبی کے متعلق کی اور جب کسی قدر بڑے ہوئے تو حکم دیا کہ یحییٰ بن ابی المنصور کے ساتھ بیت الحکمت میں کام کیا کریں تھوڑے دن میں ان سب نے فلسفہ و ہیئت میں بڑی ناموری حاصل کی اور علوم و فنون کے سرپرست بن گئے۔ ان میں سے محمد نے رفتہ رفتہ بڑا اقتدار حاصل کیا۔ اور سپہ سالار فوج مقرر ہوا۔ احمد نے زیادہ تر علم الحیل کی طرف توجہ کی۔ اُس کی کتاب الحیل کی نسبت علامہ ابن خلکان نے نہایت تعجب ظاہر کیا ہے اور لکھا ہے کہ عجیب و غریب صنائع حکمت پر مشتمل ہے۔ حسن کو علم ہندسہ میں نہایت کمال تہا حالانکہ تحصیل کے طور پر اس نے صرف چند ہی مقالے پڑہے تھے۔

ایک دن مروزی نے مامون کے سامنے اعتراض کے طور پہ کہا کہ حسن نے اقلیدس کے صرف چھ مقالے پڑہے ہیں حسن نے کہا " میں ہر شکل کو خاص اپنے طریق استدلال سے ثابت کر سکتا ہوں اس حالت میں مجھ کو پڑہنے کی کیا ضرورت ہے " مامون نے یہ فخریہ جواب تسلیم کیا۔ مگر یہ کہا کہ " ناتمام چھوڑ دینے سے تمہاری طبیعت کی کاہلی ظاہر ہوتی ہے۔ علم ہندسہ فلسفہ کے لئے اسی قدر ضروری ہے جسقدر کہ الف ب ت ث گفتگو کے لئے"۔ ادب و عربیت کے ماہرین میں فراء نحوی۔ اصمعی۔ ابوعبیدہ نحوی نضر بن شمیل المتوفی سنہ ۲۰۳ھ یزیدی لغوی۔ کلثوم عتابی۔ ابن الاعرابی۔ ثعلب نحوی۔ ابوعمر الشیبانی۔ اخفش نحوی قطرب نحوی المتوفی سنہ ۲۰۶ھ جو مامون کے ہمعصر اور اکثر اُس کے خوان کرم سے فیضیاب تھے ان لوگوں نے فن ادب و عربیت کو معراج کمال تک پہنچا دیا۔ آج جسقدر دنیا میں عربی ادب کی تصنیفات موجود ہیں انہیں کی تحقیقات اور روایتوں سے مالامال ہیں۔ اور حق یہ ہے کہ اگر ان کا واسطہ بیچ سے اٹھا دیا جائے تو خود ان فنون کی بنیاد قائم نہ رہیگی۔

فراء صرف علم نحو بلکہ لغت۔ فقہ۔ نجوم۔ طب۔ ایام العرب میں بھی کمال درجہ رکھتا تہا ثعلب کا قول ہے کہ اگر فراء نہ ہوتا تو آج علم عربیت نہ ہوتا۔ فراء کی بہت سی تصنیفات ہیں جنکے صفحوں کی مجموعی تعداد قریباً چھ ہزار ہے سنہ ۲۰۷ھ میں وفات پائی۔

اصمعی بصرہ کا رہنے والا تھا۔ عربی علم لغت ایک شخص اسی کی روایت سے مدون ہوا ہے اور قسم کے اشعار ایک طرف بارہ ہزار صرف رجز کے شعر یاد تھے۔ ابو عبیدہ و اصمعی ہمزبان اور علوم عربیہ میں حریف مقابل سمجھے جاتے تھے ایک بار دونوں فضل بن الربیع (وزیر امین الرشید) کے پاس حاضر تھے فضل نے اصمعی سے پوچھا کہ "تم نے گھوڑے کے اوصاف میں جو کتاب لکھی ہے کتنی جلدوں میں ہے" اصمعی نے کہا "صرف ایک جلد" ابو عبیدہ سے پوچھا تو اس نے بڑے فخر سے کہا "میری کتاب پچاس جلدوں میں ہے" اصمعی نے فضل سے کہہ کر ایک گھوڑا منگوایا۔ اور اس کے ایک ایک عضو پہ ہاتھ رکھ کر اس کے متعلق عرب کے اشعار پڑھتا گیا۔ ابو عبیدہ سے جب فرمائش کی گئی کہ اس طرح وہ بھی ہر عضو کے متعلق اشعار سنائے تو اس نے انکار کیا۔ فضل نے وہی گھوڑا اصمعی کو انعام میں دیا۔ اصمعی کا بیان ہے کہ جب میں ابو عبیدہ کو چھیڑنا چاہتا تھا تو اسی گھوڑے پر سوار ہو کر اس سے ملنے جاتا تھا۔

مامون کے وزیر حسن بن سہل نے بھی اپنے دربار میں ابو عبیدہ و اصمعی کو طلب کیا تھا اور اصمعی کی قوت حافظہ پر جس کا اسوقت ایک عجیب طریقے سے امتحان لیا گیا تمام دربار محو حیرت ہو گیا۔ اصمعی کی بہت سی تصنیفات ہیں جن میں سے ۳۵ کتابوں کا ذکر علامہ ابن خلکان نے کیا ہے سنہ ۲۱۶ھ میں وفات پائی۔

یزیدی یزیدی مامون کا استاد تھا ابن ابی القاہیہ نے ادب کے متعلق اسکے لکچر جمع کئے جو تخمیناً دس ہزار ورق ہیں یزیدی کے پانچ بیٹے تھے اور ہر ایک ادب شعر ایام العرب میں استاد کامل تھا سنہ ۲۰۲ھ میں انتقال کیا۔

ابو عمرو ابو عمرو الشیبانی لغت و شعر کا امام تھا امام حنبلؒ اسکے شاگرد تھے ابو عمرو نے قبائل عرب میں سے اسی قبیلوں کے اشعار جمع کئے ہیں کتاب الخیل کتاب اللغات۔ کتاب النوادر الکبیر وغیرہ اسکی تصنیفات سے ہیں۔

اخفش اخفش نحو کا مشہور امام ہے عروض میں بحر محبث اسی کی ایجاد ہے معانی القرآن کتاب الاشتقاق کتاب العروض۔ کتاب الاصوات۔ کتاب المعانی الشعر اور اسکے سوا بہت سی تصنیفیں کیں سنہ ۲۱۵ھ میں انتقال کیا۔

ابو عبیدہ ابو عبیدہ لغت اور اشعار عرب کا بڑا ماہر تھا فضل بن الربیع نے اس کو بصرہ سے طلب کیا تھا جب دربار میں حاضر ہوا تو بڑی عزت سے اپنے پاس بٹھایا۔ ذرا دیر کے بعد ایک اور شخص کاتبوں کا لباس پہنے حاضر ہوا فضل نے اسکو بھی اپنے پہلو میں جگہ دی اور کہا کہ ان کو پہچانتے ہو ابو عبیدہ انہیں کا نام ہے۔ وہ شخص مدتوں سے ابو عبیدہ کے ملنے کا مشتاق تھا۔ اس نعمت غیر مترقبہ کی بڑی شکر گذاری کی۔ ابو عبیدہ سے کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو ایک شبہ جو مدت سے میرے دل میں کھٹکتا ہے عرض کروں۔ ابو عبیدہ نے منظور کیا

اس نے کہا کہ قرآن کی اس آیت میں طلعہا کانہ رؤس الشیاطین،، خدا نے شیاطین کے سر سے تشبیہ دی ہے حالانکہ تشبیہ ایسی چیز سے ہونی چاہیے جسکو لوگ جانتے پہچانتے ہوں۔ ابوعبیدہ نے کہا ”خدا عرب کے مذاق کے موافق کلام کرتا ہے۔ امراءالقیس کہتا ہے ؎ومسنونہ زرق کانیاب اغوال حالانکہ بھوت اور شیطان کو اہل عرب نے کبھی نہیں دیکھا ہے چونکہ عام خیال میں شیطان کی صورت پرخوف تسلیم کی گئی ہے اس لیے خدا نے خوف کے موقع پر اس سے تشبیہ دی ہے،، ابوعبیدہ نے اس واقع کے بعد مجاز القرآن ایک کتاب لکھی جس میں اس قسم کی آیتوں کی توضیح کی۔ ابوعبیدہ کی تصنیفیں قریباً دو سو ہیں جنمیں سے پچاس کا ذکر علامہ ابن خلکان نے کیا ہے[1] سنہ ۲۰۹ھ میں وفات پائی۔

ابن الاعرابی امام العربیت کے لقب سے مشہور ہے۔ کسائی کا شاگرد تھا۔ علم لغت میں قدیم مصنفوں کی اکثر غلطیاں ثابت کیں قریباً سو آدمی اس کے حلقہ درس میں بیٹھتے تھے اور بغیر کسی کتاب یا یادداشت کے درس دیتا تھا۔

حلقہ درس میں دور دراز ملکوں کے طلبا حاضر رہتے تھے ایک دن اس نے دو طالب علموں سے انکا نام و نسب پوچھا تو معلوم ہوا کہ ایک اسپیجاب اور دوسرا اندلس کا رہنے والا ہے اسکے بعد المشرقین کے اجتماع پر خود ابن الاعرابی کو بھی تعجب ہوا سنہ ۲۳۱ھ میں انتقال کیا۔

ہم اس بحث کو اس اعتراف کے ساتھ ختم کرتے ہیں کہ جسقدر لکھنا چاہیے تھا اسکا دسواں حصہ بھی ہم نے نہیں لکھا۔ مامون کے درباریوں کے ساتھ اب ہم مامون سے بھی رخصت ہوتے ہیں۔

محمد شبلی پروفیسر مدرسۃ العلوم علیگڈھ

---

[1] تاریخ ابن خلکان۔ تذکرہ علامہ ابوعبیدہ و اصمعی ۱۲

الجزیہ

لفظ جزیہ کی تحقیق

کہ کس زبان کا لفظ ہے اور جزیہ لینا کس نے ایجاد کیا اور کن کن لوگوں سے اور کس وجہ سے

لیا جاتا تھا اور کس قسم کے محصولوں پر اسکا اطلاق ہوتا تھا

عربی زبان میں یہ لفظ کیونکر داخل ہوا۔ اور اسلام میں کس بنا پر جاری ہوا

مؤلفہ

شمس العلماء مولانا محمد شبلی نعمانی پروفیسر مدرسۃ العلوم علی گڈھ

انتباہ

یہ مضمون ایکدفعہ رسالہ حسن میں چھپا تھا مگر اس پر نظر ثانی کی گئی

اور باضافۂ بعض امور

باہتمام نذیر حسین صاحب

رحمانی پریس دہلی میں چھپکر شائع ہوا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جزیہ

غیر مذہب والوں نے ہمیشہ اس لفظ کو نہایت ناگواری سے سُنا ہے اُن کا خیال ہے کہ اسلام اس لفظ کا موجد ہے اسلام ہی نے یہ اصول پیدا کیا جس نے اس کا مقصد مسلمانوں اور غیر مذہب والوں میں ایک نہایت متعصبانہ اور نامناسب تفرقہ قائم کرنا تھا اُن کا یہ بھی خیال ہے کہ جزیہ ایک ایسا جبر تھا جس سے بچنے کے لئے اسلام کا قبول کر لینا بھی گوارا کر لیا جاتا تھا اور اس وجہ سے وہ جبرًا مسلمان کرنے کا ایک قوی ذریعہ تھا لیکن یہ تمام غلط خیالات انہیں غلط فہمیوں سے پیدا ہوئے ہیں جو غیر قوموں کو اسلام کی نسبت ہیں۔ ہم اس موقع پر تین حیثیتوں سے جزیہ پر بحث کرنی چاہتے ہیں۔

(۱) جزیہ اصل میں کس زبان کا لفظ ہے اور کن معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔

(۲) ایران اور عرب میں جزیہ کی بنیاد کیسے قائم ہوئی۔

(۳) اسلام نے اس کو کس مقصد سے اختیار کیا۔

لیکن ہم جو کچھ لکھیں گے تاریخی حیثیت سے لکھیں گے۔

پہلی بحث۔ جزیہ گو اب مصطلح معنے میں خاص ہو گیا ہے لیکن لغت کی رو سے وہ خراج اور جزیہ کے لئے یکساں موضوع ہے۔ قاموس میں ہے "الجزیۃ خراج الارض وما یوخذ من الذمی" جوہری و صاحب قاموس نے اس لفظ کے اصلی و اشتقاق سے کچھ تعرض نہیں کیا۔ الین صاحب نے اپنی کتاب مد القاموس میں جو نہایت جامعیت اور تحقیق سے لکھی گئی ہے اس کی نسبت دو احتمال قرار دئے ہیں (۱) جزی سے مشتق ہے (۲) گزیہ کا معرب ہے۔ بطرس صاحب نے بھی کتاب محیط المحیط میں یہ دوسرا قول نقل کیا ہے لیکن اسکو مستند نہیں سمجھتے فارسی لغت نویسوں نے گزیت کی لغت میں تصریح کی ہے کہ جزیہ اسی کا معرب ہے۔

برہان قاطع میں ہے "گزیت بفتح اول و کسر ثانی زرے باشد کہ حکام ہر سالہ از رعایا گیرند و آنرا خراج ہم گویند و زرے را نیز گویند کہ از کفار ذمی ستانند۔ نظامی گوید ع

گہش خاقاں خراج چیں فرستد — گہش قیصر گزیت دیں فرستد

و آنچہ شہرت دارد بکسر اول و فتح ثالث است و معرب آں جزیہ باشد"!

فرہنگ جہانگیری کے مصنف نے دوسرے معنی کی سند میں حکیم سوزنی کا یہ شعر سنداً نقل کیا ہے ؎

کتاب خویش بخواہم ز گزیت حل بکنم ۔۔۔ کہ تا گزیت ستانند نا نخوراہل کتاب

اور یہ بھی لکھا ہے کہ جزیہ اسی کا معرب ہے۔

ہم کو اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ جزیہ اصل فارسی کا لفظ ہے۔ تصریحات لغت کے علاوہ تاریخی قرینہ نہایت قوی موجود ہے۔ یہ مسلم ہے کہ اسلام سے پہلے عرب میں جزیہ کا لفظ مستعمل ہو چکا تھا۔ یہ مسلم کہ فارسی میں گزیت کا لغت اسی معنی میں قدیم سے شائع ہے۔ تاریخی شہادتوں سے (جیسا کہ ہم آیندہ کریں گے) یہ بھی ثابت ہے کہ نوشیرواں نے جزیہ کے قواعد مقرر کئے تھے اور اس زمانہ میں نوشیرواں کے عمال یمن اور مضافات یمن پر منصوب تھے اس طرح گزیت کا لفظ قانونی طور پر عرب میں پھیلا اور معرب ہو کر جزیہ ہو گیا۔ یہ عام قاعدہ ہے کہ محکوم ملک میں جب فرمانروایان کے الفاظ دخل پانے لگتے ہیں تو سب سے پہلے وہ الفاظ آتے ہیں جو سلطنت کے قانونی الفاظ ہوتے ہیں زبان عرب میں جس قدر فارسی الفاظ معرب ہو کر شائع ہو گئے ہیں کسی اور زبان کے نہیں ہوئے اسی طرح یہ ہے کہ جزیہ کا لفظ معرب ہونے کے لئے گویا پہلے ہی آمادہ تھا صرف ایک حرف کی تبدیلی اور دو ایک حرکت کے تغیر سے وہ عربی قالب میں پورا اتر گیا۔

دوسری بحث جہاں تک ہم کو معلوم ہے ایران و عرب میں خراج و جزیہ کے وہ قواعد جو بانی تغیر اسلام میں رائج ہیں۔ نوشیرواں کے عہد میں مرتب ہوئے (علامہ ابن الاثیر جزری نے تاریخ الکامل کے پہلے حصہ میں ایک مضمون اس عنوان سے لکھا ہے ذکر ما فعلہ کسریٰ فی امر الخراج والجند جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نوشیرواں نے زمین کی پیمایش کرائی اور مختلف شرحوں کی جمع مقرر کی۔ اور تمام لوگوں پر باستثنائے اہل فوج و روسا و ارکان دولت نے جزیہ مقرر کیا[1] جس کی تعداد بارہ درہم آٹھ درہم - چھ درہم - چار درہم تک تھی" خراج کے ذکر کے بعد مورخ مذکور لکھتا ہے۔ کہ وہی الوضائع التی اقتدی بہا عمر بن الخطاب یعنی حضرت عمرؓ نے انہیں قاعدوں کی تقلید کی" اور جزیہ کے ذکر کے بعد لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے بیس برس سے کم اور پچاس برس سے زیادہ عمر والے کو جزیہ سے معاف کیا" جس غرض سے نوشیرواں نے جزیہ کا قاعدہ جاری کیا۔ اس کی وجہ علامہ موصوف نے نوشیرواں کے اقوال سے یہ

[1] علامہ ابن الاثیر نے اس موقعہ پر جزیہ کا ہی لفظ استعمال کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جزیہ کوئی ایسی اصطلاح نہیں جو مسلمانوں اور مذہب کے ساتھ مخصوص ہو نوشیرواں اور اسکی ایرانی رعایا کا ایک مذہب تھا تاہم جو ٹیکس ان پر لگایا گیا ہے مسلمان اسکو جزیہ ہی کہتے ہیں ۱۲

نقل کی ہے کہ اہلِ فوج ملک کے محافظ ہیں اور ملک کے لئے اپنی جانیں خطرے میں ڈالتے ہیں اسلئے لوگونکی آمدنی سے اُنکے لئے ایک رقم خاص مقرر کی گئی کہ ان کی محنتوں کا معاوضہ ہو"۔

خراج وجزیہ کے متعلق جو کچھ ابن الاثیر نے لکھا اسکی تائید فردوسی کے اشعار سے بھی ہوتی ہے اگرچہ بعض امور میں دونوں کا بیان مختلف ہے ہم اُن اشعار کو اس موقع پر نقل کرتے ہیں ؎

ہمہ پادشاہاں شدند انجمن	زمیں را بہ بخشید و برزو رسن
گزیتی نہادند بر یک درم	گرایدون کہ دہقان بودی دژم
گزیت زر بار در شش درم	بخرماستاں بر ہمیں رو رقم
کسے کش درم بود و دہقاں نبود	نبودے غم و رنج کشت و درود
گذارندہ از وہ درم تا چہار	بسائے از و بستدی کاروار
و بیر و پرستندہ و شہریار	نبودے بدیواں کسے را شمار

دونوں روایتوں کے فرق کو ناظرین خود سمجھ سکتے ہیں۔

تیسری بحث اسلام نے جو انتظام قائم کیا اسکی رو سے ہر مسلمان فوجی خدمت کے لئے مجبور کیا جا سکتا تھا یہ قاعدہ کچھ آسان قاعدہ نہ تھا۔ اور لوگ اگر ذرا بھی اس سے بچنے کا حیلہ پا جاتے تھے تو اس سے فائدہ اٹھانا چاہتے چنانچہ ایک بار جب جزیرہ سسلی میں مکتب کے معلم اس جبر سے بری کر دیئے گئے تو سینکڑوں آدمیوں نے اور کام چھوڑ کر یہی پیشہ اختیار کر لیا[1]۔

اس لحاظ سے کل مسلمان فوجی خدمت رکھتے تھے اور ضرور تھا کہ وہ جزیہ سے اسی طرح بری رہیں جس طرح نوشیروان عادل نے عموماً اہلِ فوج کو اس ٹیکس (جزیہ) سے بری رکھا تھا لیکن غیر مذہب والے جو اسلامی حکومت کے ماتحت تھے اور جنکی حفاظت مسلمانوں کو کرنی پڑتی تھی اُن کو فوجی خدمت پر مجبور کرنے کا اسلام کو کوئی حق نہ تھا نہ وہ لوگ ایسی پر خطر خدمت کے لئے راضی ہو سکتے تھے اسلئے ضرور تھا کہ وہ اپنی محافظت کے لئے کوئی ٹیکس ادا کریں اسی ٹیکس کا نام جزیہ تھا جو فارسی لغت سے معرب کیا گیا تھا لیکن اگر کسی موقع پر غیر قوموں نے فوج میں شریک ہونا یا شرکت کے لئے آمادہ ہونا گوارا کیا تو وہ جزیہ سے بری کر دئے گئے جیسا کہ ہم آیندہ تاریخی شہادت سے ثابت کرینگے۔

---

[1] دیکھو معجم البلدان یاقوت حموی۔ ذکر صقلیہ ۱۲

جزیہ کا معاوضۂ حفاظت ہونا مسلمانوں میں علمی و عملی طور سے ہمیشہ مسلم رہا اور سچ یہ ہے کہ اسی خیال نے اکثر اہلِ لغت کو اس طرف متوجہ نہ ہونے دیا کہ جزیہ فارسی زبان کا لفظ ہے وہ سمجھے کہ یہ لفظ جزا سے نکلا ہے جسکے معنے بدلے کے ہیں اور چونکہ یہ ٹیکس بھی ایک معاوضہ اور بدلہ ہے لہذا اس مناسبت سے اسکا نام جزیہ رکھا گیا **آنحضرت صلعم** و خلفائے راشدین کے جو معاہدے تاریخوں میں منقول ہیں اُن سے عموماً پایا جاتا ہے کہ جزیہ ان لوگوں کی محافظت کا معاوضہ تھا خود رسول اللہ صلعم نے والی ایلہ کو جو فرمان جزیہ کا تحریر فرمایا اُس میں یہ الفاظ مندرج فرمائے۔ "یحفظوا و یمنعوا" یعنی ان لوگوں کی حفاظت کی جائے اور دشمنوں سے بچائے جائیں۔ حضرت عمرؓ نے وفات کے قریب جو نہایت ضروری وصیتیں کیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ "غریب مذہب والے جو ہماری رعایا ہیں وہ خدا اور رسول کی ذمہ داری میں ہیں اور مسلمانوں کو اُن کی طرف سے ان کے دشمنوں سے مقابلہ کرنا چاہئے" اس موقع پر ہم بعض معاہدات اصلی الفاظ میں نقل کرتے ہیں جن سے نہایت صاف اور بشرح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ جزیہ صرف حفاظت کا ایک ٹیکس تھا۔ اور غیر مذہب والے جو مسلمانوں کی رعایا تھے یہ سمجھ کر ہی ٹیکس ادا کرتے تھے۔

هذا الكتاب من خالد بن الوليد لصلوبا ابن نسطونا وقومه انى عاهدتكم على الجزية و المنعة فلك الذمة والمنعة ما منعناكم فلنا الجزية والا فلا كتب سنة اثنتى عشرة فى صفر۔[۱]	خالد بن ولید کی تحریر ہے صلوبا بن نسطونا اور اُس کی قوم کے لئے میں نے تم سے معاہدہ کیا جزیہ اور محافظت پر پس تمہاری ذمہ داری اور محافظت ہم پر ہے جب تک ہم تمہاری محافظت کریں ہم کو جزیہ کا حق ہے ورنہ نہیں سنہ بارہ صفر میں لکھا گیا۔

عمالان اسلام نے عراق عرب کے اضلاع میں وہاں کے باشندوں کو جو عہد نامے لکھے اور جن پر بہت سے صحابہ کے دستخط تھے اُن کے ملتقط الفاظ یہ ہیں۔

براءة لمن كان من كذا وكذا من الجزية التى صالحهم عليها الامير خالد بن الوليد وقد قبضت الذى صالحهم عليه خالد والمسلمون لكم يد على من بدل	اُن لوگوں کے لئے جنہوں نے اس تعداد کا جزیہ دینا قبول کیا ہے اور جنپر خالد بن ولید نے اُن سے مصالحت کی ہے یہ برارت نامہ ہے خالد اور مسلمانوں نے جس تعداد پر کی ہے کو وصول ہوئی۔ جو شخص خالد کی صلح کو بدلنا چاہے

[۱] دیکھو فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۵۹ و ۱۲۰ [۲] تاریخ کبیر ابو جعفر جریر طبری مطبوعہ یورپ جزء خامس صفحہ ۱۴۸ - ۱۲

صلح خالد ما اقررتم بالجزیة وکففتم امانکم امان وصلحکم صلح ونحن لکم علی الوفاء لہ	اسکو تم لوگ مجبور کرسکتے ہو بشرطیکہ جزیہ ادا کرتے رہو تمہاری امان امان ہے اور تمہاری صلح صلح یعنی جس سے تم صلح کرو ہم صلح کرینگے اور جسکو تم امان دوگے ہم بھی امان دینگے
اس کے مقابلہ میں عراق کی رعایا نے یہ تحریر لکھی۔	
انا قد ادینا الجزیة التی عاهدنا علیها خالد - علی ان یمنعونا وامیرهم البغی من المسلمین وغیرهم۔ (طبری صفحہ مذکور)	ہم نے وہ جزیہ ادا کر دیا جسپر خالد سے معاہدہ کیا تھا مسلمان اور نیز تمام قومیں۔ اگر ہم کو گزند پہونچانا چاہیں تو جماعت اسلام اور ان کے افسر ہماری حفاظت کے ذمہ دار ہوں۔

ان تحریروں سے جو ہم نے اس موقع پر نقل کیں اور نیز اور تمام معاہدوں سے جو تاریخوں میں مذکور ہیں۔ ہا ہمگی یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ جزیہ اسی اصول کی بنا پر تھا جو نوشیروان عادل نے قائم کیا تھا لیکن اسپر بھی کسی کو شبہ ہے تو ذیل کے واقعہ سے رہا سہا شک بھی رفع ہو جائے گا۔

ابو عبیدہ بن جراح نے شام میں جب متواتر فتوحات حاصل کیں تو ہرقل نے ایک عظیم الشان فوج مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے تیار کی مسلمانوں کو اُس کے مقابلہ میں بڑی مستعدی سے بڑھنا پڑا اور ان کی تمام قوت و تمام فوجوں کی ترتیب میں صرف ہوئی اس وقت حضرت عبیدہ امین افسر فوج نے اپنے تمام عاملوں کو جو شام کے مفتوحہ شہروں پر مامور تھے لکھ بھیجا کہ "جسقدر جزیہ و خراج جہاں جہاں سے وصول کیا گیا ہے سب ان لوگوں کو واپس دیدو جن سے وصول ہوا تھا اور اُن سے کہدو کہ ہم نے جو کچھ تم سے لیا تھا اس شرط پر لیا تھا کہ تمہارے دشمنوں سے تمہاری حفاظت کر سکیں لیکن اب اس واقعہ کے پیش آجانے کی وجہ سے ہم تمہاری حفاظت کا ذمہ نہیں اٹھا سکتے" ابو عبیدہ کے خاص الفاظ جو انہوں نے عیسائیوں سے خطاب سے یہ ہیں انما رددنا علیکم اموالکم لانہ قد بلغنا ما جمع لنا من الجموع وانکم قد اشترطتم علینا ان نمنعکم وانا لا نقدر علی ذلک وقد رددنا علیکم ما اخذنا منکم اس حکم کی پوری تعمیل ہوئی اور لاکھوں روپیہ بیت المال سے لیکر ان لوگوں کو پھیر دئے گئے جو رقم وصول ہوئی تھی اسکی کثرت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ صرف حمص سے قریباً آٹھ لاکھ روپے جزیہ کے وصول ہوئے تھے عیسائیوں نے مسلمانوں کو دل سے دعا دی اور کہا کہ خدا پھر تم کو ہمارے شہروں کی حکومت

دیے۔ رومی ہوتے تو اس موقع پر واپس دینا تو درکنار جو کچھ ہمارے پاس تھا وہ بھی لے لیتے[1] ان سب باتوں سے زیادہ اور اس دعوے کے لئے دلیل بین ہے کہ اگر کسی غیر قوم نے فوجی خدمت پر رضامندی ظاہر کی تو وہ اسی طرح جزیہ سے بری ہے جس طرح خود مسلمان حضرت عثمان رضؓ کے زمانہ میں جب حبیب بن مسلمہ نے قوم جراجمۃ[2] پر فتح پائی تو ان لوگوں نے فوجی خدمتوں میں بوقت ضرورت شریک ہونا خود پسند کیا اور اس وجہ سے وہ تمام قوم جزیہ سے بری رہی نہ صرف جرجومہ بلکہ بہت سے انباط وغیرہ۔ اور اس کے متصل کی آبادیوں نے یہ امر اختیار کیا۔ اور جزیہ سے بری ہے۔ خلیفہ واثق باللہ عباسی کے زمانہ میں وہاں کے عامل نے غلطی سے ان لوگوں پر جزیہ لگایا تو انہوں نے خلیفہ کو اطلاع کی اور دربار خلافت سے ان کی برأت کا حکم صادر ہوا[3] معاہدات میں یہ تصریح کہ جزیہ کے عوض ہم تمہاری اندرونی و بیرونی حفاظت کے ذمہ دار ہیں جب حفاظت پر قدرت نہ ہو تو جزیہ کا واپس کر دینا۔ جو قومیں فوجی خدمت پر آمادہ ہوں اُن کو جزیہ سے بری رکھنا کیا ان واقعات کے ثابت ہونے کے بعد بھی شبہ رہ سکتا ہے کہ جزیہ کا مقصد وہی تھا جو ہم نے تیسری بحث کے آغاز میں بتایا ہے جزیہ کے مصارف یہ تھے۔ لشکر کی آراستگی۔ سرحد کی حفاظت۔ قلعوں کی تعمیر۔ ان سے بچا تو سڑکوں اور پلوں کی تیاری۔ سررشتہ تعلیم بے شبہ اس طرح ایک خاص رقم سے مسلمانوں کو بھی فائدہ پہنچتا تھا اور پہونچنا چاہیے تھا مسلمان لڑائیوں میں شریک ہوتے۔ جانیں لڑاتے۔ ملک کو تمام خطروں سے بچاتے پس جس طرح ان کے جسم و جان سے ذمی رعایا مستفید ہوتی تھی۔ اگر ذمیوں کے مال سے مسلمانوں کو بھی فائدہ پہونچتا تھا تو کیا بیجا تھا۔ اس کے علاوہ صدقہ کی رقم جو خاص مسلمانوں سے وصول کی جاتی تھی اس میں ذمی رعایا برابر کی شریک تھی۔ حضرت فاروقؓ نے بیت المال کے داروغہ کو کہلا بھیجا تھا کہ خدا کے اس قول میں انما الصدقات للفقراء والمساکین (صدقات فقیروں اور مسکینوں کے لئے ہیں) مسکینوں سے عیسائی اور یہودی مراد ہیں[4]۔

جزیہ کی تعداد زیادہ سے زیادہ بیس روپیہ سالانہ تھی کسی کے پاس لاکھوں روپے ہوں تو اس سے زیادہ دینا نہیں پڑتا تھا عام شرح چھ روپیہ سے اور تین روپیہ سالانہ تھی۔ بیس برس سے کم پچاس برس سے زیادہ عمر والے اور عورتیں مفلوج معطل العضو۔ نابینا مجنون مفلس یعنی جنکے پاس دو سو درہم سے کم ہو یہ لوگ عموماً جزیہ سے معاف تھے

[1] یہ پوری تفصیل کتاب الخراج امام ابو یوسف مطبوعہ مصر کے صفحہ ۸۰ و ۸۱ و ۸۲ میں مذکور ہے ۱۲ [2] ایک نبانی قوم تھی اور شہر جرجومہ اور اسکے مضافات میں آباد تھی معجم البلدان میں اس مقام کا ذکر تفصیلاً کیا ہے ۱۲ [3] فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۱۵۹ و ۱۶۱ - ۱۲ [4] کتاب الخراج امام ابو یوسف ۱۲

اب ہم پوچھتے ہیں کہ ایسا ہلکا ٹیکس جس کی تعداد اس قدر قلیل تھی جس کے ادا کرنے سے فوجی پر خطر خدمت سے نجات مل جاتی تھی جس کی بنیاد نوشیروان عادل نے ڈالی تھی کیا ایسی ناگوار چیز ہو سکتی ہے جو اہل یوروپ نے خیال کی ہے۔

کیا دنیا میں ایک شخص نے بھی اس سے بچنے کے لئے اپنا مذہب چھوڑا ہوگا۔ کیا کسی نے اپنے مذہب کو ایسے ہلکے ٹیکس سے بھی کم قیمت سمجھا ہوگا۔

اگر کسی نے ایسا سمجھا تو ہم کو اس کے مذہب کے ضائع ہونے کا رنج بھی نہ کرنا چاہیے۔

جو لوگ جزیہ ادا کرتے تھے اُن کو اسلام نے جس قدر حقوق دئیے کون حکومت اس سے زیادہ دے سکتی ہے۔ لیکن چونکہ ہمارے مضمون کے عنوان سے یہ بحث کسی قدر دور پڑ جاتی ہے اس لئے اس موقعہ پر ہم یہ بحث چھیڑنی نہیں چاہتے۔

شبلی نعمانی

نام کتاب	قیمت
رباعیات عمر خیام۔ فارسی ۴۴ ، ۷ باضافہ ترجمہ نظم اردو تاج الکلام ۴۴ ، ۷ رباعی ۱۹۲ صفحے معہ سوانح عمری عمر خیام ۸۰ صفحے جن میں عمر خیام کا عکسی فوٹو بھی شامل ہے پونے تین سو صفحات کا بے مثل ذخیرہ معہ محصول ڈاک ڈھائی روپیہ ہیں۔	عہ/
رباعیات سرمد مرحوم معہ ترجمہ نظم معروف جواہر منظوم فارسی و ترجمہ مجموعی ۴۲ ۹ رباعیاں۔ ابتدا میں واقعہ قتل و سوانح سرمد شہید بھی مولانا ابوالکلام آزاد کے قلم سے درج ہے قیمت معہ محصولڈاک ایک روپیہ	عہ/
دونوں جلدوں کے خریدار سے معہ محصول صرف تین روپے لئے جائیں گے	سعہ/
تاریخ کلیر۔ معہ بڑی سوانح عمری حضرت مولانا علی احمد صاحب صابر قدس اللہ سرہ العزیز کے حالات اور نقشہ جات	۱۰/
سوانح عمری کلاں دحیات خواجہ یہ سوانح عمری خواجہ غریب نواز کی مکمل	

نام کتاب	قیمت
سوانح عمری ہے	
الہارون یعنی سوانح عمری خلیفہ ہارون رشید اعظم معہ نقشہ سلطنت عباسیہ و منظر دارالخلافہ بغداد	۱۲/
تاریخ اجمیر۔ اور بڑی سوانح عمری حضرت خواجہ غریب نواز خواجہ معین الدین حسن سنجری قدس سرہ العزیز کے مفصل حالات و واقعات اور نقشہ جات۔	ہمر
محبوب الٰہی یعنی حضرت حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی کے حالات زندگی مؤلفہ مصور فطرت حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی قلم سے	۱۲/
فرید بابا یعنی سراج العارفین زبدۃ السالکین حضرت خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکر اجودہنی کے حالات زندگی مصور فطرت حضرت خواجہ حسن نظامی کے قلم سے	عہ/
حالات سرمد شہید از حضرت مولانا ابوالکلام آزاد قلم سے	سعہ/
کلام اکبر آبادی	۴/

نام کتاب	قیمت
صدپارۂ دل یعنی تذکرہ مشاہیر عالم حصہ اول	۱۲/
حصہ دوم	ہمر
بزم آخر	عہر
کمال راسخ	عہر
تصنیفات مصور	
اخلاق حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب وعظ دہلوی	یہر
فسانہ آدم یہ عبرت انگیز افسانہ ۴۴ اصفحے پر ہے اور حضرت آدم اور حوا کے حالات ہیں۔	
جلوۂ طور۔ یہ رقت آمیز قصہ ۴۴ ا صفحے پر ہے اور موسیٰ علیہ السلام کی پوری داستان ہے	۱۲/
دولت اخلاق۔ یہ اخلاقی کتاب ۸۸ صفحے پر ہے جسے پڑھکر انسان اخلاق مجسم بنجاتا ہے۔	۳/
روز محشر۔ یہ ہوشربا کتاب ۴۲ صفحے پر ہے جسمیں پچاس ہزار برس کے روز قیامت کا تمام احوال ہے۔	۳/
تاج سلیمانی۔ یہ دلچسپ کتاب ۵۶ صفحے پر ہے	۳/

نام کتاب	قیمت
جسمیں حضرت سلیمان کی حکومت کا جوش دکھایا ہے	۶/
قصہ اصحاب کہف۔ یہ دلکش کتاب ۴۸ صفحے پر ہے جسمیں اصحاب غار کی پوری داستان ہے۔	ہمر
بستان اولیا۔ یہ پیاری کتاب ۴۸ صفحے پر ہے جسمیں اولیائے کرام کے نفیس حالات ہیں	عہر
موت کا منظر۔ یہ روح فرسا کتاب ۴۸ صفحے پر ہے جس میں آنیوالی موت کا تمام فوٹو کھینچ دیا ہے	عہر
نیکی بدی۔ یہ عجیب کتاب ۴۸ صفحے پر ہے جس میں انسان کی نیکی اور بدی الگ الگ نظر آجاتی ہے۔	عہر
دعا مقبول۔ یہ کارآمد کتاب ۴۸ صفحے پر ہے جسمیں دعائیں قبول ہونے کے وقت اور طریقے مرقوم ہیں۔	ہمر
دعوت نسواں۔ یہ نرالی کتاب ۴۸ صفحے پر ہے عورتوں کی معلومات حد کو پہنچا دی ہے۔	ہمر

فردوس آسیہ

(مولفہ مولانا مولوی عبدالرب صاحب واعظ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اسکے پانچ حصص ہیں)

حصہ اول۔ اس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات ہیں مع بیان ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم و واقعات خلافت وغیرہ **حصہ دوم**۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سوانح عمری معہ واقعات قبول اسلام وغیرہ وات وشہادت وغیرہ وغیرہ **حصہ سوم**۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سوانح عمری معہ حالات شہادت وغیرہ **حصہ چہارم**۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات مع شہادت وغیرہ۔ **حصہ پنجم**۔ حالات اہل بیت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور اس حصہ کے دو جزو کر دیئے ہیں اول حصہ میں تو جملہ اہل بیت کے حالات ہیں اور حصہ دوم میں حضرات حسنین کے حالات ہیں مع واقعات شہادت میں اگر کسی کو شہادت حضرت امامین حسنین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کا بیان مفصل اور صحیح دیکھنا ہو تو اس حصہ کو دیکھے۔ مولف صاحب نے نہایت واضح اور مستند اس بیان کو جمع کیا ہے قیمت عہ

ہفت بہشت

یعنی

سوانح عمری خواجگان چشت

آسمان ولایت کے سات ستارے یعنی حضرات۔ (۱) قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین حضرت خواجہ عثمان ہارونی رح (۲) عمدۃ الاولیا زبدۃ الاصفیا حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری اجمیری۔ (۳) فرد السالکین فرید الکاملین قطب العالمین خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رح (۴) حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رح (۵) سلطان المشائخ محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیا رح (۶) حضرت علاء الدین علی احمد صابر کلیری رح (۷) شیخ نصیر الدین چراغ دہلی رح ان بزرگان دین کے مزارات کے صحیح اور خوشنما نقشے ان کے حالات کے آخر میں علیحدہ علیحدہ شامل کئے گئے ہیں قیمت (عہ)

تحفۃ الہند معہ کتھا سلوئی

مصنفہ جناب مولوی عبید اللہ صاحب مرحوم۔ یہ وہ کتاب ہے جو پچاسوں مرتبہ چھپکر ملک میں بک چکی ہے اننت رام نے جب کہ اسلام قبول کیا تھا اس وقت یہ کتاب لکھکر اہل ہنودوں کے روبرو پیش کی گئی تھی۔ اس کتاب نے اہل ہنودوں کے منہ پر قفل لگا دیا۔ انسداد۔ ارتداد کے لئے بہترین کتاب ہے ہر مسلمان کو خریدنا چاہئے۔ اس میں کتھا سلوئی نہایت دلچسپ ہے۔ کاغذ سفید عمدہ قیمت (۱۰/)

شیخ نذیر حسین مالک مطبع رحمانی۔ دہلی بازار شیا محل محلہ گڑھیا